مرتبہ

خلیق انجم

غالب کے خطوط

جلدِ سوم

غالب کے خطوط

(جلد سوم)

جلد سوم

مُرتّبہ

خلیق انجم

غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دلّی

HaSnain Sialvi

سنہ اشاعت : ۱۹۸۷ء
تعداد : ۱۱۰۰
قیمت : پچھتّر روپے
بہ اہتمام : شاہد ماہلی
طباعت : سمر آفسٹ پرنٹرز، دہلی
جلد سوم

ناشر

غالب انسٹی ٹیوٹ، ایوانِ غالب مارگ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

فہرست

HaSnain Sialvi

حرفِ آغاز

"غالب کے خطوط" کی تیسری جلد حاضرِ خدمت ہے۔ اس جلد میں سترہ مکتوب الیہم کے
نام غالب کے خطوط شامل ہیں۔

مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے ۱۹۳۷ء میں رام پور کے نواب یوسف علی خاں ناظم، نواب
کلب علی خاں اور رام پور کے چار دیگر حضرات کے نام غالب کے خطوط مرتب کر کے "مکاتیبِ غالب"
کے نام سے رام پور سے شائع کیے تھے۔ یہ خطوط وہ ہیں جو رام پور رضا لائبریری میں محفوظ ہیں۔
آفاق احمد آفاق صاحب نے منشی نبی بخش حقیر کے نام غالب کے خطوط مرتب کر کے ۱۹۴۹ء میں
"نادراتِ غالب" کے نام سے کراچی سے شائع کیے۔

چونکہ میری کوشش ہے کہ "غالب کے خطوط" میں غالب کے تمام اردو خطوط کو شامل کر لیا
جائے، اس لیے زیرِ نظر تیسری جلد میں نواب یوسف علی خاں ناظم، کلب علی خاں اور منشی نبی بخش
حقیر کے نام غالب کے تمام خطوط شامل کر لیے گئے ہیں۔ ان خطوط پر حواشی میں نے خود لکھے ہیں۔ خطوط
کے کچھ عکس تو وہ ہیں جو مختلف رسالوں میں شائع ہوئے تھے۔ بیشتر عکس اُن خطوط کے ہیں جو
نوابانِ رام پور کے نام ہیں اور رام پور رضا لائبریری میں محفوظ ہیں۔

پرتھوی چندر صاحب کے صاحبزادے وید پرکاش مرحوم ماہر فوٹوگرافر تھے۔ انھوں نے احتیاط
سے ان خطوط کے بہت اچھے عکس تیار کیے لیکن کاغذ پرانا ہونے یا کسی اور ٹیکنیکل وجہ سے کچھ
الفاظ اُڑ گئے۔ پرتھوی چندر صاحب اگر مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم کے مرتبہ "مکاتیبِ غالب"
میں سے وہ الفاظ تلاش کر لیتے تو بہتر ہوتا۔ انھوں نے قیاس سے کام لے کر کسی کاتب سے
یہ الفاظ لکھوا دیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اصل خطوں کے عکسوں میں بعض غلط قرأتیں راہ پا گئیں، تاہم

تقریباً ۸۲ خطوط میں ان غلطیوں کی تعداد آٹھ دس سے زیادہ نہیں ہے۔

پرتھوی چندر مرحوم نے دیوانِ غالب کو ایک نئے انداز سے مرتب کرکے اُسے "مرقعِ غالب" کے نام سے شائع کیا تھا۔ غالب نے خطوط میں اپنے اشعار کی خود تشریح کی ہے "مرقعِ غالب" میں ایسے تمام اشعار کی تشریح اُن کے ساتھ حواشی میں نقل کر دی گئی ہے۔ اس کتاب میں غالب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خطوط کے عکس بھی شامل کیے گئے ہیں۔

اس جلد میں خطوطِ غالب کے بیشتر عکس "مرقعِ غالب" سے لیے گئے ہیں۔ عکسوں میں جو غلطیاں راہ پا گئی تھیں، حواشی میں اُن کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ میں مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم اور پرتھوی چندر مرحوم کا شکر گزار ہوں جن کے کام سے میں نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ آفاق احمد آفاق صاحب کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے منشی نبی بخش حقیر کے نام غالب کے خطوط پہلی بار مرتب کرکے شائع کیے تھے۔

اِس جلد میں شامل خطوط کی ترتیب میں مجھے بدستور رشید حسن خاں صاحب، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر اسلم پرویز اور کاظم علی خاں کا تعاون حاصل رہا ہے۔ ان دوستوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ کہاں سے لاؤں؟

احمد سعید صاحب کا شکر گزار ہوں جنھوں نے ترتیبِ متن میں میری مدد کی۔

میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر محمد ایوب تاباں صاحب اور شاہد ماہلی صاحب کا بھی ممنون ہوں، جو اس کتاب کی طباعت میں غیر معمولی دل چسپی لیتے رہے ہیں۔

آخر میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری شفیع قریشی صاحب کا شکر گزار ہوں۔ غالب میں ان کی دل چسپی ہی کی وجہ سے کئی جلدوں میں یہ خطوط شائع ہو رہے ہیں۔

حسنین سیالوی

نواب انور الدولہ سعد الدین خاں بہادر شفق

(۱)

قبلۂ حاجات!

قصیدہ دوبارہ پہنچا۔ چوں کہ پیشانی پر دستخط کی جگہ نہ تھی، ناچار اُس کو ایک اور دو ورقے[2] پر لکھوایا اور حضور میں گزرانا اور اپنی تمنائے دیرینہ حاصل کی یعنی دستخطِ خاص مشتملِ اظہارِ خوشنودیِ طبعِ اقدس[3]، ہو گئے۔ احترام الدولہ بہادر میرے ہم زبان اور آپ کے ثنا خواں رہے گویا اس امرِ خاص میں وہ شریکِ غالب ہیں ہم بہ طریقِ[4] کسرۂ اضافی اور[5] ہم بہ سبیلِ[6] کسرۂ توصیفی۔ پروردگار اس بزرگوار کو سلامت رکھے کہ قدردانِ کمال بلکہ حق تو یوں ہے کہ خیرِ محض ہے۔

"غیاث اللغات" ایک نام موقر و معزز، جیسے الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی۔ آپ جانتے بھی ہیں کہ یہ کون ہے؟ ایک معلم فرومایہ، رام پور کا رہنے والا، فارسی سے ناآشنائے[9] محض اور صرف و نحو میں ناتمام۔ "انشائے خلیفہ" و "منشآتِ مادھورام" کا پڑھانے والا۔ چنانچہ دیباچے میں اپنا ماخذ بھی اُس نے خلیفہ شاہ محمد و مادھورام و غنیمت و قتیل کے کلام کو لکھا

ہے۔ یہ لوگ راہِ سخن کے غول ہیں، آدمی کے گمراہ کرنے والے، یہ فارسی کو کیا جانیں، ہاں طبع موزوں رکھتے تھے، شعر کہتے تھے:

ہرزہ[1] مشتاب و پئے جادہ شناساں بردار

اے کہ در راہِ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت

میرا دل جانتا ہے کہ آپ کے دیکھنے کا میں کس قدر آرزو مند ہوں۔ میرا ایک بھائی، ماموں کا بیٹا کہ وہ نواب ذوالفقار بہادر کی حقیقی خالہ کا بیٹا ہوتا تھا اور مسند نشین[2] حال کا چچا تھا اور وہ میرا ہمشیر[3] بھی تھا یعنی میں نے اپنی ممانی کا[4] اور اُس نے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا تھا۔ وہ باعث ہوا تھا میرے باندا بوندیل کھنڈ آنے کا۔ میں نے سب سامانِ سفر کر لیا ڈاک میں روپیہ ڈاک کا دے دیا۔ قصد یہ تھا کہ فتح پور تک ڈاک میں جاؤں گا، وہاں سے نواب علی بہادر کے ہاں کی سواری میں باندے جا کر، ہفتہ بھر رہ کر، کالپی ہوتا ہوا آپ کے قدم دیکھتا ہوا، بہ سبیلِ ڈاک دلی چلا آؤں گا۔ ناگاہ حضورِ والا بیمار ہو گئے اور مرض نے طول کھینچا۔ وہ ارادہ قوت سے فعل میں نہ آیا۔ اور پھر مرزا اورنگ[5] خاں میرا بھائی مر گیا۔ مصرع:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

واللہ وہ سفر اگرچہ بھائی کی استدعا سے تھا، مگر میں نتیجہ اُس شکل کا آپ کے دیدار کو سمجھا ہوا تھا۔ ہرزہ سرائی کا جرم معاف کیجیے گا، میرا جی آپ کے ساتھ باتیں کرنے کو چاہا، اس واسطے جو دل میں تھا وہ اُسی[6] عبارت سے زبان پر لایا۔

۱۸۵۳ء[7]

(۲)

کیوں کر کہوں کہ میں دیوانہ نہیں ہوں، ہاں اتنے ہوش باقی ہیں کہ اپنے کو دیوانہ سمجھتا ہوں۔ واہ کیا ہوش مندی ہے کہ قبلۂ اربابِ ہوش کو خط لکھتا ہوں، نہ القاب،

نہ آداب، نہ بندگی، نہ تسلیم۔ سُن غالب، ہم تجھ سے کہتے ہیں، بہت مصاحب نہ بن: اے ایاز،[۱] حدِّ خود بہ شناس ــــ مانا کہ تو نے کئی برس کے بعد رات کو نوبیت[۳] کی غزل لکھی ہے اور آپ اپنے کلام پر وجد کر رہا ہے،[۴] مگر یہ تحریر کی کیا روش ہے؟ پہلے القاب لکھ، پھر بندگی عرض کر، پھر ہاتھ جوڑ کر مزاجِ مبارک کی خبر پوچھ، پھر عنایت نامے کے آنے کا شکر ادا کر اور یہ کہہ کہ جو میں تصوّر کر رہا تھا، وہ ہوا، یعنی جس دن صبح کو میں نے خط بھیجا اسی دن آخرِ روز حضور کا فرمان پہنچا۔ معلوم ہوا کہ حرارت ہنوز باقی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ رفع ہو جائے گی۔ موسم اچھا آگیا ہے۔ شعر[۵]:

گرمی از آب بروں رفت و حرارت نہ ہوا

محلِ مہرِ جہانتاب بہ میزاں آمد

اگر صرف تبرید و تعدیل سے کام نکل جائے تو کیا کہنا، ورنہ بہ حسبِ رائے[۶] طبیب تنقیہ کرڈالیے۔ مجھ کو بھی آج دسواں منضج[۸] ہے۔ پانچ سات دن کے بعد مسہل[۹] ہوگا۔

شب کو ناگاہ ایک نئی زمین خیال میں آئی۔ طبیعت نے راہ دی، غزل تمام کی۔ اسی وقت سے یہ خیال میں تھا کہ کب صبح ہو اور کب یہ غزل نواب صاحب کو بھیجوں۔ خدا کرے آپ پسند کریں اور میرے قبلہ جناب میرزا امجد علی صاحب کو سُنا دیں اور میرے شفیق منشی نادر حسین خاں صاحب اور اُن کے بھائی صاحب اس کو پڑھیں۔ پروردگار اس مجمع کو سلامت رکھے: غزل

اے ذوقِ نوا سنجی، بازم بہ خروش آور

غوغائے شبیخونی بر بنگہ ہوش آور

گر[۱۲] خود نجہد[۱۳] از سر، از دیدہ فرو بارم

دل خوں کن و آں خوں را در سینہ بہ جوش آور

ہاں ہمدمِ فرزانہ، دانی رہِ ویرانہ

شمعے کہ نخواہد شد از باد خموش، آور

شورابہ این وادی تلخست، اگر رادی
از شہر بہ سوے من سرچشمۂ نوش آور
دانم کہ زرے داری، ہر جا گزرے داری
مے گر نہ دہد سلطاں، از بادہ فروش آور
گر مغ بہ کدو ریزد، برکف نہہ و راہی شو
ورشہ بہ سبو بخشد، بردار بدوش آور
ریحاں دمد از مینا، رامش چکد از قلقل
آں در رہ چشم افگن ویں از پے گوش آور
گاہے بہ سبک دستی زاں بادہ زخویشم بر
گاہے بہ سیہ مستی، از نغمہ بہ ہوش آور
غالب کہ بقایش باد، ہم پائے تو گر ناید
بارے غزلے، فردے، زاں موینہ پوش آور

روال داشتۂ پنجشنبہ ۱۲ محرم ۱۲۷۲ھ و ۴ ماہ اکتوبر ۱۸۵۵ء

(۳)

للہ الشکر کہ پیر و مرشد کا مزاجِ اقدس بہ خیر و عافیت ہے۔ پہلے نوازش نامے کا جواب بآں کہ وہ مشتمل ایک سوال پر تھا، ہنوز نہیں لکھنے پایا کہ کل ایک مکرمت نامہ اور آیا۔ بندہ عرض کر چکا ہے کہ مسہل میں ہوں، چنانچہ کل تیسرا مسہل ہو گا۔ اس سبب سے اُس توقیع کا پاسخ نگار نہ ہو سکا تھا اور لکھتا بھی تو یہی لکھتا جو آپ نے لکھا ہے۔

"اَرِنی" کی رے کی حرکت و سکون کے باب میں قولِ فیصل یہی ہے جو حضرت نے لکھا ہے۔ اگر تقطیعِ شعر مساعدت کر جائے اور "اَرنی" بروزنِ "جَمنی"

گنجایش پائے تو نعم الاتفاق، ورنہ قاعدۂ تصرف مقتضی جواز ہے۔

مرزا عبدالقادر بیدل:

چو رسی بہ طور ہمت، ارنی مگو و بگذر[2]
کہ نیرزد[3] این تمنا بہ جواب لن ترانی

اسد اللہ بیگ غالب:

رفت آں کہ ما ز حسن مدارا طلب کنیم
سر رشتہ در کفِ ارنی گوے طور بود

زوائد سے فارغ ہو کر عرض کرتا ہوں کہ ہائے کیا غزل لکھی ہے! قبلہ، آپ فارسی کیوں نہیں کہا کرتے؟ کیا پاکیزہ زبان ہے اور کیا طرزِ بیاں! کیا میں سخن ناشناس اور ناانصاف ہوں کہ ایسے کلام کے حک و اصلاح پر جرأت کروں؟:

چہ حاجت است بہ مشاطہ روے زیبا را

ہاں، ایک جگہ آپ تحریر میں سہو کر گئے ہیں:

اے مطربِ جادو فن بازم رہِ ہوشم زن

دو میم آپڑے ہیں۔ ایک میم محض بیکار ہے۔ "دیگر" کی جگہ آپ "بازم" لکھ گئے ہیں[4]:

اے مطربِ جادو فن دیگر رہِ ہوشم زن

اب دیکھیے اور صاحبوں کی غزلیں کب آتی ہیں۔ اتنی عنایت فرمائیے گا کہ ہر صاحب کے تخلص کے ساتھ اُن کا اسمِ مبارک اور کچھ حال رقم کیجیے گا۔

زیادہ حدِ ادب

نگاشتۂ پنجشنبہ ششم صفر ۱۲۷۲ھ
و
ہژدہم اکتوبر ۱۸۵۵ء

از اسد اللہ

(۴)

پیر و مرشد!

یہ خط لکھنا نہیں ہے، باتیں کرنی ہیں اور یہی سبب ہے کہ میں القاب و آداب نہیں لکھتا۔

خلاصہ عرض کا یہ ہے کہ آج شہر میں بدرالدین علی خاں کا نظیر نہیں، پس مُہر اور کون کھود سکے گا ؟ ناچار میں نے آپ کا نوازش نامہ، جو میرے نام تھا، وہ اُن کے پاس بھیج دیا۔ انھوں نے رقعہ میرے نام آج بھیجا، سو وہ رقعہ حضرت کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ میں نہیں سمجھا کہ قسم دوم پکھراج کی کیا ہے۔ آپ اس کو سمجھ لیں اور نگیں بہ احتیاط ارسال فرماویں، روپیے کے بھیجنے کی ابھی ضرورت نہیں ہے۔ جب میں عرض کروں، تب بھیجیے گا۔

تعجب ہے کہ جناب میر امجد علی صاحب قلق کا اِس خط میں سلام نہ تھا۔ متوقع ہوں کہ چھاپے کے قصیدے اُن کو سُنائے جاویں اور میری بندگی کہی جائے۔

جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کو میرا سلام بصد ہزار اشتیاق پہنچے۔

مرقومۂ یکشنبہ ۲۹ جون ۱۸۵۶ء از غالب

(۵)

قبلہ و کعبہ!

وہ عنایت نامہ جس میں حضرت نے مزاج کی شکایت لکھی تھی، پڑھ کر بے چین ہو گیا ہوں اور عرض کر چکا ہوں کہ مزاج کا حال مفصل لکھیے۔ چونکہ آپ نے کچھ نہیں لکھا تو اور زیادہ مشوش ہوں۔ نسخۂ رفعِ تشویش یعنی شفقت نامہ جلد بھیجیے۔

جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں، حضرت میر امجد علی صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں، متوقع ہوں کہ ان دونوں صاحبوں کی خدمت میں میرا سلام

پہنچے اور آپ اِن کی خیر و عافیت لکھیں۔

کبوتروں کا نسخہ جیسا کہ میرے پاس آیا بجنسہٖ ارسال کرتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ میرن صاحب نے انتقال کیا، یہ چھوٹے بھائی تھے مجتہد العصر لکھنؤ کے، نام اُن کا سید حسین اور خطاب سید العلما۔ نقشِ نگیں: میر حسین ابن علی۔ میں نے ان کی رحلت کی ایک تاریخ پائی، اُس میں پانچ بڑھتے تھے، یعنی ۱۲۷۸ ہوتے تھے۔ تخرجہ نئی روش کا میرے خیال میں آیا۔ میں تو جانتا ہوں اچھا ہے، دیکھوں آپ پسند فرماتے ہیں یا نہیں۔ قطعہ:

حسین ابنِ علی آبروے علم و عمل
کہ سید العلما نقشِ خاتمش بودے
نماند و ماندے اگر زندہ پنج سالِ دگر
"غمِ حسین علی" سالِ ماتمش بودے

زیادہ حدِ ادب۔

دوشنبہ بہ حسابِ تقویم: یازدہم و از روے رویت: دہم ربیع الاول ۱۲۷۳ھ
۱۰ نومبر ۱۸۵۶ء عرضداشت جواب طلب

(۶)

حضرت پیر و مرشد!

اگر آج میرے سب دوست و عزیز یہاں فراہم ہوتے اور ہم اور وہ باہم ہوتے تو میں کہتا کہ آؤ اور رسمِ تہنیت بجا لاؤ: خدا نے پھر وہ دن دکھایا کہ ڈاک کا ہرکارہ انور الدولہ کا خط لایا:

ایں کہ می بینم بہ بیداریست یا رب یا بخواب

منہ پیٹتا ہوں اور سر پٹکتا ہوں کہ جو کچھ لکھا چاہتا ہوں، نہیں لکھ سکتا ہوں۔ الٰہی حیاتِ جاوِدانی نہیں مانگتا، پہلے انور الدولہ سے مل کر سرگذشت بیان کروں، پھر

اُس کے بعد مروں۔ روپے کا نقصان اگرچہ جانکاہ اور جانگزا ہے، پر بہ موجب "تلف المال خلف العمر" عمر فزا ہے۔ جو روپیہ ہاتھ سے گیا ہے اُس کو عمر کی قیمت جانیے اور ثباتِ ذات و بقائے عرض و ناموس کو غنیمت جانیے۔ اللہ تعالیٰ حضرت وزیرِ اعظم کو سلامت رکھے اور اس خاندان کے نام و نشان و عز و شان کو برقرار تا قیامت رکھے۔

میں نے گیارہویں مئی ۱۸۵۷ء عیسوی سے اکتیسویں جولائی ۱۸۵۸ء تک کی روداد نثر میں بہ عبارتِ فارسی نا آمیختہ بہ عربی لکھی ہے اور وہ پندرہ سطر کے مسطر سے چار جز کی کتاب آگرے کو مطبعِ مفید الخلائق میں چھپنے کو گئی ہے۔ "دستنبو" اس کا نام رکھا ہے اور اُس میں صرف اپنی سرگذشت اور اپنے مشاہدے کے بیان سے کام رکھا ہے۔ بعد چھپ جانے کے وہ نسخہ حضرت کی نظر سے گزرانوں گا۔ اور اُس کو ہم سخنی اور ہم زبانی جانوں گا۔

جناب میر امجد علی صاحب کا جو آپ کے خط میں ذکر نہیں آیا ہے تو اس خیر خواہِ احباب کا دل گھبرایا ہے۔ اب کے جو خط لکھیے تو اُن کی خیر و عافیت بہ ہر نمط لکھیے۔ اُن کو بندگی اور جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کو سلام پہنچے۔

اگست تا نومبر ۱۸۵۸ء

(۷)

پیر و مرشد!

ایک نوازش نامہ آیا اور "دستنبو" کے پہنچنے کا مژدہ پایا۔ اُس کا جواب یہی کہ کار پردازانِ ڈاک کا احسان مانوں اور اپنی محنت کا رایگاں نہ جانا، یقین جانوں۔ چند روز کے بعد ایک عنایت نامہ اور پہنچا، گویا ساغرِ التفات کا دوسرا دور پہنچا۔ اب ضرور آپڑا کہ کچھ حال اس ستارۂ دُم دار کا لکھوں، چنانچہ جس وقت سے وہ خط پڑھا ہے، سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں چوں کہ بہ سببِ فقدانِ اسباب یعنی عدمِ رصد و کتاب کچھ نہیں

کہا جاتا ہے، ناچار مرزا صائب کا مصرع زبان پر آجاتا ہے:

ازیں ستارۂ دنبالہ دار می ترسم

یہ مطلع ہے اور پہلا یہ مصرع ہے:

زخالِ گوشۂ ابروے یار می ترسم

کیا آپ مجھ کو بے ہنری اور بے خبری میں صاحبِ کمال نہیں جانتے اور اس عبارتِ فارسی کو میرا مصداقِ حال نہیں جانتے: پیشِ ملا طبیب و پیشِ طبیب ملا پیشِ ہیچ ہر دو و پیشِ ہر دو ہیچ۔

آرایشِ مضامینِ شعر کے واسطے کچھ تصوف، کچھ نجوم لگا رکھا ہے۔ ورنہ سوائے موزونیِ طبع کے یہاں اور کیا رکھا ہے؟ بہرحال، علمِ نجوم کے قاعدے کے موافق جب زمانے کے مزاج میں فساد کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں، تب سطحِ فلک پر یہ شکلیں دکھائی دیتی ہیں؛ جس برج میں یہ نظر آئے، اس کا درجہ و دقیقہ دیکھتے ہیں، پھر ذوذنابہ کا ممر اور طریقہ دیکھتے ہیں۔ ہزار طرح کے جال ڈالتے ہیں، تب ایک حکم نکالتے ہیں۔ شاہجہاں آباد میں بعدِ غروبِ آفتاب اُفقِ غربیِ شہر پر نظر آتا تھا اور چونکہ اُن دنوں میں جب آفتاب اوّل میزان میں تھا تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ صورت عقرب میں ہے۔ درجے اور دقیقے کی حقیقت نامعلوم رہی۔ بہت دن شہر میں اس ستارے کی دھوم رہی۔ اب دس بارہ دن سے نظر نہیں آتا۔ وہاں شاید اب نظر آیا ہے جو آپ نے اس کا حال پوچھا ہے۔ بس میں اتنا جانتا ہوں کہ یہ صورتیں قہرِ الٰہی کی ہیں اور دلیلیں ملک کی تباہی کی ہیں۔ قران النحسین، پھر کسوف، پھر خسوف، پھر یہ صورتِ پُر کدورت، عیاذاً باللہ و پناہ بہ خدا!

یہاں پہلی نومبر کو دوشنبے کے دن، حسب الحکم حکام کوچہ و بازار میں روشنی ہوئی اور سب کو کمپنی کا ٹھیکا ٹوٹ جانا اور قلمروِ ہند کا بادشاہی عمل میں آنا، سُنایا گیا۔

نواب گورنر جنرل لارڈ کیننگ بہادر کو ملکۂ معظمۂ انگلستان نے "فرزندِ ارجمند" خطاب دیا اور اپنی طرف سے نائب اور ہندوستان کا حاکم کیا۔ میں تو قصیدہ اس تہنیت میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں؛ چنانچہ بہ شمولِ "دستنبو" نظرِ انور سے گزرا ہوگا:

تا نہالِ دوستی کے بر دہد
حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

اللہ اللہ اللہ۔

جمعہ پنجم نومبر ۱۸۵۸ء

چرا گوییم کہ نامہ از کیست، خود می دانند کہ نامہ نگار کیست۔

(۸)

پیرو مرشد!

بارہ بجے تھے؛ میں ننگا اپنے پلنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ آدمی نے آکر خط دیا۔ میں نے کھولا، پڑھا؛ بھلے کو انگرکھا یا کرتا گلے میں نہ تھا۔ اگر ہوتا تو میں گریبان پھاڑ ڈالتا، حضرت کا کیا جاتا، میرا نقصان ہوتا۔

سرے سے سنیے، آپ کا قصیدہ بعد اصلاح بھیجا۔ اس کی رسید آئی، کئی کٹے ہوئے شعر الٹے آئے۔ ان کی قباحت پوچھی گئی، قباحت بتائی گئی۔ الفاظِ قبیح کی جگہ بے عیب الفاظ لکھ دیے گئے، لو صاحب یہ اشعار بھی قصیدے میں لکھ لو۔ اس نگارش کا جواب آج تک نہیں آیا۔ شاہ اسرار الحق کے نام کا کاغذ اُن کو دیا۔ جواب میں جو کچھ انھوں نے زبانی فرمایا، وہ آپ کو لکھا گیا۔ حضرت کی طرف سے اس تحریر کا بھی جواب نہ ملا۔ شعر:

پُر ہوں میں شکوے سے یوں، راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

سوچتا ہوں کہ دونوں خط بیرنگ گئے تھے؛ تلف ہونا کسی طرح متصور نہیں۔ خیر اب بہت دن کے بعد شکوہ کیا لکھا جائے؛ باسی کڑھی میں اُبال کیوں آئے، بندگی بے چارگی۔

پانچ لشکر کا حملہ پے بہ پے اس شہر پر ہوا: پہلا باغیوں کا لشکر، اس میں اہلِ شہر کا اعتبار لٹا۔ دوسرا لشکر خاکیوں کا، اُس میں جان و مال و ناموس و مکان و مکین و آسمان و زمین و آثارِ ہستی سراسر لُٹ گئے۔ تیسرا لشکر کال کا، اُس میں ہزار ہا آدمی بھوکے مرے۔ چوتھا لشکر ہیضے کا، اُس میں بہت سے پیٹ بھرے مرے۔ پانچواں لشکر تپ کا، اُس میں تاب و طاقت عموماً لُٹ گئی؛ مرے آدمی کم، لیکن جس کو تپ آئی، اُس نے پھر اعضا میں طاقت نہ پائی۔ اب تک اُس لشکر نے شہر سے کوچ نہیں کیا۔ میرے گھر میں دو آدمی تپ میں مبتلا ہیں: ایک بڑا لڑکا اور ایک میرا داروغہ۔ خدا ان دونوں کو جلد صحت دے۔

برسات یہاں بھی اچھی ہوئی ہے، لیکن نہ ایسی کہ جیسی کالپی اور بنارس میں؛ زمیندار خوش، کھیتیاں تیار ہیں، خریف کا بیڑا پار ہے۔ ربیع کے واسطے پوہ ماہ میں مینہ درکار ہے۔ کتاب کا پارسل پرسوں ارسال کیا جائے گا۔

ہاہاہا، جناب حافظ محمد بخش صاحب! میری بندگی۔ مغل علی خاں غدر سے کچھ دن پہلے مستسقی ہو کر مر گئے۔ ہے ہے کیوں کر لکھوں، حکیم رضی الدین خاں کو قتلِ عام میں ایک خاکی نے گولی ماردی اور احمد حسین خاں اُن کے چھوٹے بھائی بھی اُسی دن مارے گئے۔ طالع یار خاں کے دونوں بیٹے ٹونک سے رخصت لے کر آئے تھے، غدر کے سبب جانہ سکے، یہیں رہے۔ بعد فتح دہلی دونوں بے گناہوں کو پھانسی ملی۔ طالع یار خاں ٹونک میں ہیں، زندہ ہیں؛ پر یقین ہے کہ مردے سے بدتر ہوں گے۔ میر چھوٹم نے بھی پھانسی پائی۔ حال، صاحبزادہ میاں نظام الدین کا یہ ہے کہ جہاں سب اکابر شہر کے بھاگے تھے،

وہاں وہ بھی بھاگ گئے تھے۔ بڑودے میں رہے، اورنگ آباد میں رہے، حیدر آباد میں رہے۔ سالِ گذشتہ یعنی جاڑوں میں یہاں آئے۔ سرکار سے اُن کی صفائی ہو گئی، لیکن صرف جان بخشی۔

روشن الدولہ کا مدرسہ، جو عقب "کوتوالی چبوترہ" ہے وہ، اور خواجہ قاسم کی حویلی جس میں مغل علی خاں مرحوم رہتے تھے وہ، اور خواجہ صاحب کی حویلی، یہ املاک خاص حضرت کالے صاحب کی اور کالے صاحب کے بعد میاں نظام الدین کی قرار پا کر ضبط ہوئی اور نیلام ہو کر روپیہ سرکار میں داخل ہو گیا۔ ہاں قاسم جان کی حویلی، جس کے کاغذ میاں نظام الدین کی والدہ کے نام کے ہیں وہ اُن کو یعنی میاں نظام الدین کی والدہ کو مل گئی ہے۔ فی الحال میاں نظام الدین پاک پٹن گئے ہیں۔ شاید بہاول پور بھی جائیں گے۔

۱۸۶۰ء

(۹)

پیر و مرشد! معاف کیجیے گا میں نے جمنا کا کچھ نہ لکھا حال یہاں کبھی کسی نے اس دریا کی کوئی حکایت ایسی نہیں کی کہ جس سے استبعاد اور استعجاب پایا جائے۔ پُرسش کے بعد بھی کوئی نئی بات نہیں سُنی۔

سُنیے تو سہی موسم کیا ہے: گرمی، جاڑا، برسات تینوں فصلیں اکٹھی، نگر گ باری علاوہ۔ اگر ایک بحرِ رواں کی حقیقت متغیر ہو جائے تو محلِ استعجاب کیوں ہو؟ اور یہ بات کہ دلی میں تغیر نہ ہو اور پورب میں ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جمنا بہ انفراد بہہ رہی ہے اور وہاں کہیں "کین"، کہیں اور ندی، کہیں گنگا باہم مل گئی ہیں۔ مجمع البحار ہے۔

حضرت نے خوب وکالت کی! مولانا قلق سے تقصیر میری معاف نہ کروائی۔ کہہ دو گے کہ گناہ معاف ہو گیا۔ میں بغیر سارٹیفکٹ کے کب مانوں گا۔

یہ دن مجھ پر بُرے گزرتے ہیں۔ گرمی میں میرا حال بعینہٖ وہ ہوتا ہے جیسا زبان

سے پانی پینے والے جانوروں کا، خصوصاً اس تموز میں کہ غم و ہم کا ہجوم ہے

آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں
سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے

یوم الخمیس ۲۹ ذی الحجہ ۱۲۷۶ھ

۱۸ جولائی ۱۸۶۰ء مرگ کا طالب غالب

(۱۰)

پیر و مرشد!

شبِ رفتہ کو مینہ خوب برسا۔ ہوا میں فرطِ برودت سے گزند پیدا ہوگیا۔ اب صبح کا وقت ہے۔ ہوا ٹھنڈی بے گزند چل رہی ہے۔ ابرِ تنک محیط ہے۔ آفتاب نکلا ہے، پر نظر نہیں آتا ہے۔ میں عالمِ تصور میں آپ کو مسندِ عز و جاہ پر جانشین اور منشی نادر حسین خاں صاحب کو آپ کا جلیس مشاہدہ کرکے، آپ کی جناب میں کورنش بجالاتا ہوں اور منشی صاحب کو سلام کرتا ہوں۔ کافرِ نعمت ہوجاؤں اگر یہ مدارج بجانہ لاؤں۔

حضرت نے اور منشی صاحب نے، میری خاطر سے کیا زحمت اُٹھائی ہے۔ بھائی صاحب بہت خوشنود ہوئے۔ منّت پذیری میں میرے شریکِ غالب ہیں۔ فی الحال بہ توسط میرے سلام نیاز عرض کرتے ہیں، اغلب ہے کہ نامہ جداگانہ بھی ارسال کریں۔

حضرت آپ غالب کی شرارتیں دیکھتے ہیں۔ سب کچھ کہے جاتا ہے اور اُس اصل کا، کہ جس پر یہ مراتب متفرع ہوں، ذکر نہیں کرتا۔ فقیر کو تو یہ طرز پسند نہ آئی۔ مطلبِ اصلی کو مقدّر چھوڑ جانا کیا شیوہ ہے؟ یوں لکھنا تھا کہ آپ کا عنایت نامہ اور اُس کے ساتھ نسب نامۂ خاندانِ مجد و علا کا پارسل پہنچا۔ میں ممنون ہوا۔ نواب ضیاء الدین خاں بہادر بہت ممنون و شاکر ہوئے۔ جنابِ عالی، میں تو غالبِ ہرزہ سرا کا معتقد نہ رہا۔ آپ

نے اُس کو مصاحب بنا رکھا ہے۔ اِس سے اُس کا دماغ چل گیا ہے۔

قبلہ و کعبہ! کیا جنابِ مولانا قلقؔ میں حضرتِ شفقؔ نے جو غالبؔ کی شفاعت کی تھی، وہ مقبول نہ ہوئی؟ اب جناب ہاشمی کو اپنا ہم زبان اور مددگار بنا کر پھر کہتے ہیں۔ آپ کی بات اس باب میں کبھی نہ مانوں گا، جب تک سید صاحب کا خوشنودی نامہ نہ بھجوائیے گا۔ اِس سارٹیفکٹ کے حصول میں رشوت دینے کو بھی موجود ہوں والسلام۔

جولائی ۱۸۶۰ء

(۱۱)

پیر و مرشد! کورنش۔ مزاجِ اقدس؟

الحمدللہ

تو اچھا ہے؟

حضرت دعا کرتا ہوں۔ پرسوں آپ کا خط مع سارٹیفکٹ کے پہنچا۔ آپ کو مبدء فیاض سے "اشرف الوکلا"، خطاب ملا، مختنانہ مختنانہ۔

ایک لطیفہ نشاط انگیز سُنیے۔ ڈاک کا ہرکارہ جو بلی ماروں کے محلّے کے خطوط پہنچاتا ہے۔ ان دنوں میں ایک بنیا پڑھا لکھا حرف شناس، کوئی فلاں نانھ یا دھمک داس بیٹھے ہیں بالاخانے پر رہتا ہوں۔ جو بلی میں آکر اُس نے داروغہ کو خط دیا اور اُس نے خط دے کر مجھ سے کہا کہ ڈاک کا ہرکارہ بندگی عرض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مبارک ہو آپ کو جیسا کہ دلّی کے بادشاہ نے نوابی کا خطاب دیا تھا، اب کالپی سے خطاب "کپتانی" کا ملا۔ حیران، کہ یہ کیا کہتا ہے۔ سرنامے کو غور سے دیکھا۔ کہیں قبل از اسم "مخدوم نیاز کیشاں" لکھا تھا۔ اُس فرّم ساق نے اور الفاظ سے قطع نظر کر کے "کیشاں" کو "کپتان" پڑھا۔

بھائی ضیاء الدین خاں صاحب شملے گئے ہوئے ہیں۔ شاید آخرِ ماہِ حال یعنی جولائی یا اوّل ماہِ آیندہ یعنی اگست میں یہاں آجائیں۔ آپ کو نویدِ تخفیفِ تصدیع دیتا ہوں۔

آپ نواب صاحب سے کتاب کیوں مانگیں اور زحمت کیوں اٹھائیں؟ جس قدر کہ علم اُن کو اِس خاندانِ مجدّت نشان کے حال پر حاصل ہو گیا ہے، کافی ہے مولانا قلق کے نام کی عرضی اُن کو پہنچا دیجیے گا اور جناب نادر حسین خاں صاحب کو میرا سلام فرما دیجیے گا۔

جولائی سنہ ۱۸۶۰ء

(۱۲)

خداوند نعمت!

شرف افزا نامہ پہنچا۔ شاہ اسرار الحق کے نام کا مکتوب اُن کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ جناب شاہ صاحب سالکِ مجذوب یا مجذوبِ سالک ہیں۔ اگر جواب بھجوا دیں گے تو جناب میں ارسال کیا جائے گا۔

قصیدے کو بارہا دیکھا اور غور کی۔ جس طرز پر ہے اُس میں گنجایش اصلاح کی نہ پائی، یعنی لفظ کی جگہ لفظ مرادف بالمعنی لانا صرف اپنی دست گاہ کا اظہار ہے، ورنہ کوئی لفظ بے محل اور بے موقع نہیں، کوئی ترکیبِ فارسی ٹکسال باہر نہیں ہے، مگر ہاں، طرزِ گفتار کا بدلنا۔ اُس کے واسطے چاہیے دوسرا قصیدہ اس زمین میں ایک اور لکھنا اور وہ تکلّفِ بارد ہے۔ بلکہ شاید، حضرت کو یہ منظور بھی نہ ہو۔ پس شرمِ کم خدمتی سے دلریش اور فرطِ خجلت سے سر در پیش ہو کر قصیدے کو اس لفافے میں بھیجتا ہوں۔ خدا کرے موردِ عتاب نہ ہوں۔

حضرت، انہدامِ مساکن و مساجد کا حال کیا گزارش کروں؟ بانیِ شہر کو وہ اہتمام مکانات کے بنانے میں نہ ہو گا جو اب والیانِ مُلک کو ڈھانے میں ہے۔ اللہ اللہ۔ قلعے میں اکثر اور شہر میں بعض بعض وہ شاہجہانی عمارتیں ڈھائی گئی ہیں کہ کُدال ٹوٹ ٹوٹ گئے ہیں، بلکہ قلعے میں تو ان آلات سے کام نہ نکلا۔ سُرنگیں کھودی گئیں اور

بارود بچھائی گئی اور مکاناتِ سنگین اُڑا دیے گئے۔

غلّے کی گرانی، آفتِ آسمانی، امراضِ دموی بلائے جانی، انواع و اقسام کے اورام و بثور شائع۔ چارہ ناسودمند اور سعی ضائع۔ میں نہیں جانتا کہ گیارہ ماہ مئی ۱۸۵۷ء کو بہ ہر دن چڑھے وہ فوج باغی میرٹھ سے دلّی آئی تھی یا جنودِ قہرِ الٰہی کا پے در پے نزول ہوا تھا۔ بہ قدر خصوصیتِ سابق، دلّی ممتاز ہے، ورنہ سرتاسر قلمروِ ہند میں فتنہ و بلا کا دروازہ باز ہے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

جناب میر امجد علی صاحب کو بندگی۔ جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کو سلام۔

مرقومۂ سحرگاہ آدینہ ۲۴ ماہ اگست ۱۸۶۰ء نجات کا طالب غالب

(۱۳)

پیرومرشد!

میں آپ کا بندۂ فرماں پذیر اور آپ کا حکم بہ طیبِ خاطر بجا لانے والا ہوں، مگر سمجھ تو لوں کہ کیا لکھوں؟ وہ مکتوب کہاں بھیجوں؟ آپ کے پاس بھیج دوں یا انھیں منشی صاحب کے پاس بھیج دوں اور رحیم الدین و امیر الدین کو منشی، میر، شیخ، خواجہ، کیا کرکے لکھوں؟ وہ حاکم کی رائے کے شمول کا قیدی اور اُس زمانے میں دریائے شور کو بھیجا جاتا ہے، جس زمانے میں سینکڑوں جزیرہ نشیں رہائی پاکر اپنے اپنے گھر آگئے۔ با ایں ہمہ، منشی کو کیا اختیار ہے کہ وہ چھوڑ دے۔ آیا امیر الدین نے، جس محکمے کا وہ منشی ہے، اُس محکمے میں یہ مقدمہ بہ طریقِ مرافعہ پیش کیا ہے، جو منشی کو کارپردازی و کارسازی کی گنجایش ہو؟ یہ آپ کی تحریر سے معلوم نہیں ہوا کہ اپیل ہو گیا ہے اور مقدمہ دائر ہے بلکہ یہ بھی طرزِ تحریر سے نہیں معلوم ہوتا کہ اب سعی منحصر اس میں ہے کہ قیدی دریائے شور کو نہ جائے اور یہیں محبوس رہے یا یہ منظور ہے کہ جزیرے کو بھی نہ جائے اور یہاں کی قید سے بھی رہائی پائے؟ خواہش کیا ہے؟ اور کارپرداز سے کس طرح کی

اعانت چاہوں؟ پہلے تو یہ سوچتا ہوں کہ کیا لکھوں، پھر جو کچھ لکھوں اس کو کہاں بھیجوں؟
طریق تو یہ ہے کہ میاں امیر الدین وہ نگارش لے کر منشی صاحب کے پاس جائیں اور بہ
ذریعہ اُس خط کے روشناس ہوں۔ میں کیا جانوں کہ امیر الدین کا مسکن کہاں ہے؟
منشی صاحب کو خط بھیج دوں، اُن کے نزدیک احمق بنوں کہ کس امرِ موہومِ مجہول میں
مجھ کو لکھا ہے۔ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ وہ اُس خط کو پڑھ کر تفحص کریں کہ امیر الدین کون
ہے اور کہاں ہے اور کیا چاہتا ہے۔ بہرحال اسی خط کے ساتھ ایک اور لفافہ آپ
کے نام روانہ کرتا ہوں، اُس میں صرف ایک خط موسومۂ منشی صاحب ہے کھلا ہوا،
اُس کو پڑھ کر میاں امیر الدین کے پاس بھیج دیجیے گا، مگر گوند لگا کر، اور اگر یہ
منظور نہ ہو تو میری طرف سے منشی صاحب کے نام کے خط کا مسودہ لکھ کر میرے پاس
بھیجیے اور لکھ بھیجیے کہ اُس مسودے کو صاف کر کے کہاں بھیجوں۔
صبح یکشنبہ ۲ جون ۱۸۶۱ء

(۱۴)

قبلہ و کعبہ!
کیا لکھوں؟ امورِ نفسانی میں اضداد کا جمع ہونا محالاتِ عادیہ میں سے ہے۔
کیوں کر ہو سکے کہ ایک وقتِ خاص میں ایک امرِ خاص موجبِ انشراح کا بھی ہو
اور باعث انقباض کا بھی ہو۔ یہ بات میں نے آپ کے اس خط میں پائی کہ اُس کو
پڑھ کر خوش بھی ہوا اور غمگین بھی ہوا۔ سبحان اللہ! اکثر امور میں تم کو اپنا ہم طالع اور
ہمدرد پاتا ہوں، عزیزوں کی ستم کشی اور رشتہ داروں سے ناخوشی۔ میرا ہم قوم تو سراسر
قلمرو ہند میں نہیں۔ سمرقند میں دو چار یا دشت قفچاق میں سو دو سو ہوں گے، مگر ہاں،
اقربائے سببی! پانچ برس کی عمر سے اُن کے دام میں اسیر ہوں۔ اکسٹھ برس ستم اٹھائے
ہیں۔ شعر:

گرنہ ہم شرحِ ستم ہائے عزیزاں غالب

رسمِ امید ہمانا، زِ جہاں برخیزد

نہ تم میری خبر لے سکتے ہو، نہ میں تم کو مدد دے سکتا ہوں۔ اللہ اللہ اللہ، دریا سارا تیر چکا ہوں، ساحل نزدیک ہے۔ دو ہاتھ لگائے اور بیڑا پار ہے :

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ

مر گئے، پر دیکھیے، دکھلائیں کیا

یہ بھی تو پوچھو کہ آپ کے خط کا جواب اتنا جلد کیوں لکھا۔ یعنی کم و بیش مہینا بھر کے بعد۔ کیا کروں؟ شاہ اسرار الحق کو آپ کا اور حافظ نظام الدین صاحب کا خط بھجوا دیا۔ ہفتہ بھر کے بعد جواب مانگا۔ جواب دیا کہ اب بھیجتا ہوں۔ دس بارہ دن ہوئے کہ حضرت خود تشریف لائے۔ جواب آپ کے اور حافظ جی کے خط کا مانگا۔ کہا کہ کل بھیج دوں گا۔ اس واقعے کو آج قریب دو ہفتے کے عرصہ ہوا۔ ناچار اُن کے جواب سے قطع نظر کرکے آپ کو یہ چند سطریں لکھیں :

از خونِ دل نوشتم نزدیک دوست نامہ

اِنّی رأیتُ دھراً مِّن ھجرک القیامہ

حافظ جی صاحب کو میری بندگی کہیے گا اور یہ خط اُن کو پڑھوا دیجیے گا۔ جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کو میرا سلام پہنچے۔ اگرچہ آپ مبتلائے رنج والم ہیں، مگر یہ شرف کیا کم ہے کہ انور الدولہ کے ہمدرد ہو۔

موردِ ستم ہائے روزگار ہونا شرافتِ ذاتی کی دلیل ہے ساطع، اور برہان ہے قاطع۔

ہاں حضرت، بہت دن سے جناب میر امجد علی صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں۔ ان کے تخلّص نے مجھ کو حیران کر رکھا ہے، یعنی قلق میں مبتلا ہوں۔ آپ اُن کا حال لکھیے

خواجہ اسمٰعیل خاں صاحب کہاں ہیں اور کس طرح ہیں؟ سُنیئے قبلہ، میں تو آپ سے شاہ انوار الحق کے خط کے جواب کا طالب نہیں ہوں کہ آپ اُن کے خط کے حاصل ہونے کے انتظار میں مجھ کو خط نہ لکھ سکیں۔ مُترصّد ہوں کہ اس اپنے خط کا جواب جلد پاؤں۔

صبح سہ شنبہ ۲۲ اکتوبر ۱۸۶۱ء جواب کا طالب غالب

(۱۵)

ناوکِ بیداد کا ہدف، پیرِ خرف، یعنی غالب آداب بجا لاتا ہے۔

نوازش نامے کو دیکھ کر جانا کہ میں نے "کمرے چند" کے شعر پر خطِ بطلان کھینچ دیا۔ یہ تو کوئی گمان نہ کرے گا کہ میں "کمر" کو "کمربند" نہیں جانتا۔ معہذا، وہاں پہلے مصرعے میں اگر "کمر" بہ معنی "کمر" فرض کیجیے، تو بھی شعر کاٹ ڈالنے کے قابل نہیں۔ قصد کر کے بیٹھا تھا کہ اس شعر پر صاد کروں گا۔ خدا جانے قلم خط کیوں کر کھنچ گیا؟ اب حواس بجا نہیں، حافظہ رہا نہیں، اکثر الفاظ بے قصد لکھ جاتا ہوں۔ ستّر برس کی عمر ہوئی۔ کہاں تک خرافت نہ آئے۔ اُس شعر کا گنہگار اور حضرت سے شرمسار ہوں میری خطا معاف کیجیے۔

زیادہ حدِّ ادب

پنجشنبہ ۱۹ ذی الحجہ سالِ غفر ۱۲۷۸ھ

۱۹ جون ۱۸۶۲ء

(۱۶)

پیر و مرشد!

آداب۔ تتمۂ غلط نامۂ "قاطعِ برہان" کو بھیجے ہوئے تین دن اور آپ کی خیر و عافیت مولوی حافظ عزیز الدین کی زبانی سُنے ہوئے دو دن ہوئے تھے کہ کل آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ "قاطعِ برہان" کے پہنچنے سے اطلاع پائی۔ معتقدانِ "برہانِ قاطع" بر چھیاں

اور تلواریں پکڑ پکڑ کے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہنوز دو اعتراض مجھ تک پہنچے ہیں: ایک تو یہ کہ "قاطعِ برہان" غلط ہے، یعنی ترکیب خلافِ قاعدہ ہے۔ کلام قطع کیا جاتا ہے، برہان قطع نہیں ہو سکتی ہے۔ لو صاحب، "برہانِ قاطع" صحیح اور "قاطعِ برہان" غلط ــ مگر "برہان"، "قطع" کی فاعل ہو سکتی ہے۔ "قطع" کا فعل آپ نہیں قبول کرتی۔ "قاطعِ برہان" میں جو "برہان" کا لفظ ہے یہ مخففِ "برہانِ قاطع" ہے۔ "برہانِ قاطع" کے ردّ کو قطع سمجھ کر "قاطعِ برہان" نام رکھا تو کیا گناہ ہوا؟ دوسرا ایراد یہ ہے کہ :

با انگشیان ستیزے جا

" انگلس" کا نون تلفظ میں نہیں آتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ خدا کے واسطے "انگلس" اور "انگریز" کا نون بہ اعلان کہاں ہے؟ اور اگر ہے بھی تو ضرورتِ شعر کے واسطے۔ لغاتِ عربی میں سکون و حرکت کو بدل ڈالتے ہیں۔ اگر "انگلس" کے نون کو غنہ کر دیا تو کیا گناہ ہوا؟

وہ ورق چھاپے کا جو آپ کے پاس پہنچا ہے اس کو غلط نامۂ شاملہ کے بعد لگا کر جلد بندھوا لیجیے گا۔

حضرت، کیوں اپنے مراسلے اور میرے مکتوب کا حال پوچھا؟ :

ایں ہم کہ جوابے نہ نویسند، جواب است

سمجھ لو اور چُپ رہو۔ میں نے مانا جس کو تم نے لکھا ہے، وہ لکھے گا کہ میں نے مختار سے پوچھا۔ اس نے یوں کہا، پھر میں نے یہ کہا، اب یہ بات قرار پائی ہے تو اس تقریر کو حضرت ہی باور کریں گے، فقیر کبھی نہ مانے گا۔

ایک حکایت سنو۔ امجد علی شاہ کی سلطنت کے آغاز میں ایک صاحب میرے نیم آشنا یعنی خدا جانے کہاں کے رہنے والے، کسی زمانے میں واردِ اکبر آباد ہوئے تھے، کبھی کہیں کے تحصیلدار بھی ہو گئے تھے۔ زبان آور اور چالاک۔ اکبر آباد میں نوکری

کی جستجو کی، کہیں کچھ نہ ہوا۔ میرے ہاں دو ایک بار آئے تھے۔ پھر وہ خدا جانے کہاں گئے۔ میں دلی آ رہا۔ کم و بیش بیس برس ہوئے ہوں گے۔ امجد علی شاہ کے عہد میں اُن کا خط ناگاہ مجھ کو بہ سبیل ڈاک آیا۔ چوں کہ اُن دنوں میں دماغ درست اور حافظہ برقرار تھا، میں نے جانا کہ یہ وہی بزرگ ہیں۔ خط میں مجھ کو پہلے یہ مصرع لکھا

از بخت شکر دارم و از روزگار ہم

آپ سے جدا ہو کر بیس برس آوارہ پھرا۔ جے پور میں نوکر ہو گیا وہاں سے دو برس کے بعد کہاں گیا اور کیا کیا۔ اب لکھنؤ آیا ہوں۔ وزیر سے ملا ہوں۔ بہت عنایت کرتے ہیں۔ بادشاہ کی ملازمت انہی کے ذریعے سے حاصل ہوئی ہے۔ بادشاہ نے "خانی" اور "بہادری" کا خطاب دیا ہے۔ مصاحبوں میں نام لکھا ہے۔ مشاہرہ ابھی قرار نہیں پایا۔ وزیر کو میں نے آپ کا بہت مشتاق کیا ہے۔ اگر آپ کوئی قصیدہ حضور کی مدح میں اور عرضی یا خط جو مناسب جانیے، وزیر کے نام لکھ کر میرے پاس بھیج دیجیے گا تو بے شک بادشاہ آپ کو بلائیں گے اور وزیر کا خط مشعر فرمان طلب آپ کو پہنچے گا۔ میں نے اُسی عرصے میں ایک قصیدہ لکھا تھا، جس کی بیت اسم یہ ہے :

امجد علی شہ آنکہ بہ ذوقِ دعاے او

صد رہ نمازِ صبح قضا کرد روزگار

متردّد تھا کہ کس کی معرفت بھیجوں۔ توکلت علی اللہ بھیج دیا۔ رسید آگئی صرف۔ پھر دو ہفتے کے بعد ایک خط آیا کہ "قصیدہ وزیر تک پہنچا، وزیر پڑھ کر بہت خوش ہوا، بہ آئینِ شائستہ پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ میں متوقع ہوں کہ میاں بدرالدین مہر کن سے میری مہر خطابی کھدوا کر بھیج دیجیے۔ چاندی کا نگینہ مربع اور قلم جلی۔" فقیر نے سرانجام کر کے بھیج دیا۔ رسید آئی اور قصیدے کے بادشاہ تک گزرنے کی نوید، بس۔ پھر دو مہینے تک اُدھر سے کوئی خط نہ آیا۔ میں نے جو خط بھیجا، اُلٹا پھر آیا۔ ڈاک کا یہ توقیع کہ

"مکتوب الیہ یہاں نہیں"۔ ایک مدت کے بعد حال معلوم ہوا کہ اُس بزرگ کا وزیر تک پہنچنا اور حاضر رہنا سچ، بادشاہ کی ملازمت اور خطاب ملنا غلط۔ بہادری کی مہر تم سے بہ فریب حاصل کر کے مرشد آباد کو چلا گیا۔ چلتے وقت وزیر نے دو سو روپیے دیے تھے۔ ایک قاعدہ کلیہ دلّی کا سمجھ لو۔ خالق کی قدرت مقتضی اِس کی ہے کہ جو اس شہر پناہ کے اندر پیدا ہو، مرد یا عورت، خفقان و مراق اُس کی خلقت و فطرت میں ہو۔

آٹھ دس برس کے بعد ساون کے اخیر مینہ خوب برسا۔ لیکن نہ دریا جاری ہوئے نہ طوفان آیا۔ ہاں شہر کے باہر ایک دن بجلی گری۔ دو ایک آدمی، کچھ جانور تلف ہوئے، مکان گرے، دس بیس آدمی دب کر مرے۔ دو تین شخص کوٹھے پر سے گر کر مرے۔ مراقیوں نے غُل مچانا شروع کیا۔ اپنے اپنے عزیزانِ بہ سفر رفتہ کو لکھا، جابجا اخبار نویسوں نے اُن سے سن کر درجِ اخبار کیا۔ لو، اب دس بارہ دن سے مینہ کا نام نہیں۔ دھوپ آگ سے زیادہ تر تیز ہے، وہی خفقانی صاحب اب روتے پھرتے ہیں کہ کھیتیاں جلی جاتی ہیں، اگر مینہ نہ برسے گا تو پھر کال پڑے گا۔ مکانات کے گرنے کا حال یہ ہے کہ چار پانچ برس ضبط رہے۔ لٹیائی لوگ کڑی، تختہ، کواڑ، چوکھٹ، بعض مکانات کی چھت کا مسالا سب لے گئے۔ اب اُن غربا کو وہ مکان ملے تو اُن میں مرمت کا مقدور کہاں، فرمائیے مکانات کیوں کر نہ گریں۔

صبح دوشنبہ ۱۳ صفر ۱۲۷۹ھ

و ۱۱ ماہ اگست ۱۸۶۲ء

(۱۷)

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت ست بر جریدۂ عالم دوامِ ما

خداوندِ نعمت!

آج دوشنبہ چھٹے رمضان کی اور پندرہ فروری کی ہے۔ اس وقت کہ بارہ پر تین بجے ہیں، عطوفت نامہ پہنچا۔ اُدھر پڑھا، اِدھر جواب لکھا۔ ڈاک کا وقت نہ رہا۔ خط کو کومعنون کر رکھتا ہوں۔ کل سہ شنبہ سولہ فروری کو ڈاک میں بھجوا دوں گا۔ سالِ گذشتہ مجھ پر بہت سخت گزرا۔ بارہ تیرہ مہینے صاحبِ فراش رہا۔ اُٹھنا دشوار تھا۔ چلنا پھرنا کیسا؟ نہ تپ، نہ کھانسی، نہ اسہال، نہ فالج، نہ لقوہ، ان سب سے بدتر ایک صورتِ پُرکدورت یعنی احتراق کا مرض۔ مختصر یہ کہ سر سے پاؤں تک بارہ پھوڑے، ہر پھوڑا ایک زخم، ہر زخم ایک غار، ہر روز بے مبالغہ بارہ تیرہ پھائے اور پاؤ بھر مرہم درکار۔ نو دس مہینے بے خور و خواب رہا ہوں اور شب و روز بیتاب، راتیں یوں گزرتی ہیں کہ اگر کبھی آنکھ لگ گئی، دو گھڑی غافل رہا ہوں گا کہ ایک آدھ پھوڑے میں ٹیس اُٹھی، جاگ اُٹھا، تڑپا کیا، پھر سو گیا، پھر ہوشیار ہو گیا۔ سال بھر میں سے تین حصّے دن یوں گزرے پھر تخفیف ہونے لگی۔ دو تین مہینے میں لوٹ پوٹ کر اچھا ہو گیا۔ نئے سر سے رُوح قالب میں آئی، اجل نے میری سخت جانی کی قسم کھائی۔ اب اگرچہ تندرست ہوں لیکن ناتواں اور سست ہوں۔ حواس کھو بیٹھا۔ حافظے کو رو بیٹھا۔ اگر اُٹھتا ہوں تو اتنی دیر میں اُٹھتا ہوں کہ جتنی دیر میں ایک قدِ آدم دیوار اُٹھے۔ آپ کی پُرسش کے کیوں نہ قربان جاؤں کہ جب تک میرا مرنا نہ سُنا، میری خبر نہ لی۔ میرے مرگ کے مخبر کی تقریر اور مثلہ میری یہ تحریر، آدھی سچ اور آدھی جھوٹ، درصورتِ مرگ نیم مردہ اور درحالتِ حیات نیم زندہ ہوں:

در کشاکش ضعفم نگسلد رواں از تن
ایں کہ من نمی میرم، ہم ز ناتوانیہاست

اگر ان سطور کی نقل میرے مخدوم مولوی غلام غوث خاں بہادر، میر منشی لفٹنٹ

گورنری غرب و شمال، کے پاس بھیج دیجیے گا، تو ان کو خوش اور مجھ کو ممنون کیجیے گا۔

دوشنبہ ۶ رمضان ۱۲۸۰ھ ۱۵ فروری ۱۸۶۴ء

(۱۸)

پیر و مرشد!

اگر میں نے "اُمید گاہ" بہ کافِ عربی از راہِ شکوہ لکھا تو کیا گناہ؟ نہ خط کا جواب نہ قصیدے کی رسید۔ بیت:

دریں خستگی پورش از من مجوے
بود بندۂ خستہ گستاخ گوے

اور یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ ان موانع کے سبب سے میں قصیدے کی تحسین نہیں لکھ سکا، بندہ بے ادب نہیں، تحسین طلب نہیں، ایسے مجمع میں محشور ہوں کہ سوائے احترام الدولہ کے کوئی سخن داں نہیں۔ میں جو اپنا کلام آپ کے پاس بھیجتا ہوں، گویا آپ اپنے پر احسان کرتا ہوں:

وائے بر جانِ سخن، گر بہ سخن داں نہ رسد

افسوس، کہ میرا حال اور یہ لیل و نہار، آپ کی نظر میں نہیں، ورنہ آپ جانیں کہ اس بجھے ہوئے دل اور اس ٹوٹے ہوئے دل اور اس مرے ہوئے دل پر کیا کر رہا ہوں۔ نواب صاحب! اب نہ دل میں وہ طاقت، نہ قلم میں وہ زور سخن گستری کا ایک ملکہ باقی ہے، بے تامل اور بے فکر جو خیال میں آجائے وہ لکھ لوں، ورنہ فکر کی صعوبت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ بقول مرزا عبدالقادر بیدلؔ۔ شعر:

جہدہا در خورِ توانائیست
ضعف یکسر فراغ می خواہد

مُہر کا حال معلوم ہوا۔ پہلے آپ لکھ بھیجیے کہ کیا کھودا جائے گا "مہدی حسن خاں، مہدی حسین خاں بہادر" لکھ رہا ہوں۔ صرف یاد پر لکھ رہا ہوں ورنہ خط لڑکوں

نے لکھو دیا۔ یاد پڑتا ہے کہ نگینہ وہاں سے بھیجنے کو آپ نے لکھا ہے۔ سو اب میں مکرر خواہاں ہوں کہ یہ معلوم ہو جائے کہ نگینہ بھیجیے گا یا یہاں خریدا جائے گا۔ اور نقشِ نگین کیا ہو گا تاکہ شمار حروف کا مجھ کو معلوم رہے۔ اب جب آپ مجھ کو لکھیں گے، تب میں اس کا جواب لکھوں گا۔ حافظ صاحب کا پہنچنا تقریباً معلوم ہوا۔ یعنی اُن کی طرف سے آپ نے مجھ کو سلام لکھا ہے۔ سو میں بھی اُن کی خدمت میں بندگی اور جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کی جناب میں سلام عرض کرتا ہوں۔

زیادہ حدِّ ادب

(۱۹)

پیرومرشد!

آداب۔ مزاجِ مقدس: میرا جو حال آپ نے پوچھا، اس پُرسش کا شکر بجا لاتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ آپ کا بندۂ بے زرم خریدہ اچھی طرح ہے۔ ایک فصد، بائیس منضج، چار مسہل، کہاں تک آدمی کو ضعیف نہ کرے۔ بارے آفتاب عقرب میں آگیا۔ پانی بر خاب ہو گیا ہے۔ کابل و کشمیر کا میوہ بکنے لگا ہے۔ یہ ضعف، ضعفِ قسمت تو نہیں کہ ایسے ایسے امور اس کو زائل نہ کر سکیں۔

غزلوں کو پرسوں سے پڑھ رہا ہوں اور وجد کر رہا ہوں۔ خوشامد میرا شیوہ نہیں ہے۔ جو اِن غزلوں کی حقیقت میری نظر میں ہے، وہ مجھ سے سُن لیجے اور میرے داد دینے کی داد دیجیے۔ مولانا قلق نے متقدمین یعنی امیر خسرو و سعدی و جامی کی روش کو سرحدِ کمال کو پہنچایا ہے اور میرے قبلہ و کعبہ مولانا شفق اور مولانا ہاشمی اور مولانا عسکری، متاخرین یعنی صائب و کلیم و قدسی کے انداز کو آسمان پر لے گئے ہیں۔ اگر تکلّف اور تملّق سے کہتا ہوں تو مجھ کو ایمان نصیب نہ ہو۔ یہ جو آپ اپنے کلام کے حک و اصلاح کے واسطے مجھ سے فرماتے ہیں، یہ آپ میری

آبرو بڑھاتے ہیں۔ کوئی بات بے جا ہو یا کوئی لفظ ناروا ہو تو میں حکم بجا لاؤں۔

زیادہ حدِ ادب

(۲۰)

پیر و مرشد!

حضور کا توقیع خاص اور آپ کا نوازش نامہ، یہ دونوں حرزِ بازو ایک دن اور ایک وقت پہنچے۔ توقیع کا جواب دو چار دن میں لکھوں گا۔ ناسازیِ مزاجِ مبارک موجبِ تشویش و ملال ہوئی۔ اگرچہ حضرت کی تحریر سے معلوم ہوا کہ مرض باقی نہیں مگر ضعف باقی ہے۔ لیکن تسکینِ خاطر منحصر اس میں ہے کہ آپ بعد اس تحریر کے ملاحظہ فرمانے کے، اپنے مزاج کا حال پھر لکھیں۔ سینتیس روپے کی ہنڈوی پہنچی۔ اس کا بھی حال سابق کی ہی ہنڈوی کا سا ہے۔ یعنی ساہوکار کہتا ہے کہ ابھی ہم کو کالپی کے ساہوکار کی اجازت نہیں آئی، جو ہم روپیہ دیں۔ اگر سرکار کے کار پرداز وہاں کے ساہوکار سے کہ کر اجازت لکھوا بھیجیں تو مناسب ہے۔

صہبائیؔ کے تذکرے کی ایک جلد میری مِلک میں سے میرے پاس تھی، وہ میں اپنی طرف سے بہ سبیلِ ارمغان آپ کو بھیجتا ہوں، نذر قبول ہو۔ اب میں حضرت سے باتیں کر چکا۔ خط کو سرنامہ کر کر کہار کو دیتا ہوں کہ ڈاک میں دے آوے۔ بارہ پر دو بجے کتاب کا پارسل بہ طریقِ بیرنگ روانہ کروں گا۔ پیشگاہِ وزارت میں میری بندگی پہنچے۔ عرضداشت بعد اس کے پہنچے گی۔ جناب میر صاحب قبلہ میر امجد علی صاحب کو سلامِ نیاز اور جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کو سلام۔

نواب میر غلام بابا خان

(۱)

سُبحَانَ اللہِ تعَالیٰ شَانُہٗ و اَعظَمُ بُرہَانُہٗ۔ جناب مستطاب نواب میر غلام بابا خاں بہادر سے بہ توسط منشی میاں داد خاں صاحب شناسائی بہم پہنچی۔ لیکن واہ! "اول ساغر و دردی" کیا جگر خون کُن اتفاق ہے۔ پہلا عنایت نامہ جو حضرت کا مجھ کو آیا، اس میں خبرِ مرگ۔ اب میں جو اس کا جواب لکھوں اور یہ میرا پہلا خط ہوگا۔ لامحالہ مضامین اندوہ انگیز ہوں گے۔ نہ نامۂ شوق، نہ محبت نامہ، صرف تعزیت نامہ۔ صریرِ قلم ماتمیوں کے شیون کا خروش ہے، جو لفظ نکلا وہ سیاہ پوش ہے۔ ہے ہے، نواب میر جعفر علی خاں جیسا امیر روشن گہر، نام آور، روشناسِ اعیانِ ہند و انگلینڈ وسطِ جوانی یعنی چھیالیس برس کی عمر میں یوں مر جائے:

نخلِ چمن سروری افتاد زپا، ہائے

سچ تو یوں ہے کہ یہ دہر آشوب غم ہے، مجموعِ اہلِ ہند ماتم دار و سوگوار ہوں تو بھی کم ہے۔ اگرچہ میں کیا اور میری دعا کیا مگر اس کے سوا کہ مغفرت کی دعا کروں اور کیا کروں؟ قطعۂ سالِ رحلتِ نواب غفران مآب، جب دلِ خار خارِ غم سے پُر خوں ہوا ہے، یوں موزوں ہوا ہے۔

گردید نہاں، مہرِ جہاں تاب، دریغ
شد تیرہ جہاں، بچشمِ احباب، دریغ

این واقعہ راز روے زاری غالب

تاریخ رقم کرد، کہ "نواب دریغ"

از "روے زاری" "زاے ہوز" کے عدد بڑھائے جائیں تو ۱۲۸۰ھ پیدا ہوتے ہیں۔ فہذا المطلوب۔

شریکِ بزمِ ماتم، منشی میاں داد خاں صاحب کو سلام۔

یکشنبہ بست و یکم ربیع الاول ۱۲۸۰ھ

مطابق ششم ستمبر ۱۸۶۳ء

(۲)

بہ جناب نواب صاحب، جمیل المناقب، عمیم الاحسان، سَلَّمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ بعد سلام مسنون الاسلام و دعاے دوام دولت و اقبال کہ ہمیشہ وردِ زبان ہے، گھڑی کے عطیے کا شکر ہر گھڑی اور ہر ساعت بجالاتا ہوں، پہلے تو آپ دوست اور پھر امیر اور پھر سیّد۔ نظر ان تین امور پر اس ارمغان کو میں نے بہت عزیز سمجھا اور اپنے سر اور آنکھوں پر رکھا۔ خداے عالم آراے آپ کو سلامت رکھے اور ہر گھڑی آپ کا ممد و مددگار رہے۔ ظاہرا بہ وقتِ روانگی کنجی کا رکھنا سہو ہو گیا، خیر، یہاں بن جائے گی۔ والسلام بالوف الاحترام۔

شنبہ سوم دسمبر ۱۸۶۴ء خوشنودیِ احباب کا طالب غالب

(۳)

نواب صاحب، جمیل المناقب، عمیم الاحسان، امید گاہِ درویشان، زاد افضالکم۔

آپ کا بندۂ منت پذیر، غالبِ خونیں صفیر، یوں توانج ہوتا ہے کہ عنایت نامہ عزِّ ورود لایا اور مژدۂ قبول سے میرا رُتبہ بڑھایا۔

جو کچھ میرے حق میں ارشاد ہوا ہے، اگر اس کو قدردانی کہوں تو لازم آتا ہے کہ اپنے کو ایک طرح کے کمال کا مالک سمجھ لوں، البتہ آپ نے از راہِ حق پسندی سخن کی قدردانی اور میری قدر افزائی کی ہے۔

جو اغلاط فارسی دانانِ ہند کے ذہن میں راسخ ہو گئے تھے، اُن کو دفع کیا ہے تو کیا برائی کی ہے۔ بات یہ ہے کہ اوچھی پونجی والے گمنام لوگ اپنی شہرت کے لیے مجھ سے لڑتے ہیں۔ واہ واہ، اپنے نامور بنانے کو ناحق احمق بگڑتے ہیں۔

عطیۂ حضرت بہ توسطِ جناب سیف الحق پہنچا اور میں نے اس کو بے تکلف عطیۂ مرتضوی سمجھا۔ علی مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثنا آپ کا دادا اور میرا آقا۔ خدا کا احسان ہے کہ میں احسان مند بھی ہوا تو اپنے خداوند کے پوتے کا۔

آج سے کاپی لکھی جانے لگی اور تصحیح کو میرے پاس آنے لگی۔ چھاپے کے واسطے برسات کا موسم اچھا ہے۔ بس اب اس کے چھپ جانے میں دیر کیا ہے۔

صبح یکشنبہ ۱۷ ستمبر ۱۸۶۵ء[۲] نجات کا طالب غالب

(۴)

نواب صاحب، جمیل المناقب، عمیم الاحسان، سلامت۔

فقیر اسد اللہ عرض کرتا ہے کہ آپ کے خط آنے نے میری آبرو بڑھائی۔ حق تعالیٰ تمھیں سلامت رکھے۔ چھبتیس "درفشِ کاویانی" کی رسید پہنچی۔ بہ موجب ارشاد کے اب اور نہ بھیجوں گا۔

قبلہ! غرض شہرت ہے۔ اس قلمرو میں، میں نے جلدیں تقسیم کی ہیں۔ اُس ملک میں آپ بانٹ دیں۔ اتنی میری عرض قبول ہو کہ بڑودہ، گجرات میں سید احمد حسن صاحب مودودی اور میر ابراہیم علی خاں صاحب اور میر عالم خاں صاحب کو ایک ایک جلد بھجوا دیجے گا اور چھ جلدیں مولانا سیف الحق کو عطا کیجے گا کہ وہ اپنے دوستوں کو بھجوا دیں۔

خواجہ بدر الدین خاں، میرے بھتیجے نے "بوستانِ خیال" کو اردو میں لکھا ہے۔ اس کا ایک اشتہار، اور یہاں ایک اخبار نیا جاری ہونے والا ہے، اُس کے دو اشتہار، اس خط کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ آپ یا آپ کے احباب میں سے کوئی صاحب کتاب کے یا اخبار کے خریدار

ہوں تو اشتہار کے مضمون کے مطابق عمل میں لائیں۔ والسلام مع الاکرام۔ میاں سیف الحق سیاح کو سلام۔

۲۲ مارچ ۱۸۶۶ء

(۵)

بہ خدمت نواب صاحب جمیل المناقب، عمیم الاحسان، نواب میر غلام بابا خاں بہادر، زاد مجدہ۔

عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کا عنایت نامہ اور مولانا سیف الحق کا مہربانی نامہ یہ دونوں لفافے ایک دن پہنچے۔

سیف الحق کے خط سے معلوم ہوا کہ رجب کے مہینے میں شادیاں قرار پائی ہیں۔ مبارک ہو اور مبارک ہو۔ نظارۂ بزم جمشیدی سے محروم رہوں گا، مگر میرا حصہ مجھ کو پہنچ رہے گا۔ خاطر جمع ہے۔

کیوں حضرت، صاحبزادے کا اسم تاریخی پسند آگیا یا نہیں؟ نام تاریخی اور پھر سید بھی اور خان بھی "سید مہابت علی خاں" عجب ہے اگر پسند نہ آئے اور بہت عجب ہے کہ اس امر کی نہ آپ کے خط میں توضیح، نہ میاں داد خاں کے خط میں۔ خیر، یہ میں نہیں کہتا کہ خواہی نہ خواہی یہی نام رکھیے۔ پسند آنے یا نہ آنے کی تو فقیر کو اطلاع ہو جائے۔

۹ ماہ اگست ۱۸۶۶ء

جواب کا طالب غالبؔ

(۶)

ستودہ بہ ہر زبان و نامور بہ ہر دیار، نواب صاحب شفیق کرم گستر، مرتضوی تبار، نواب میر غلام بابا خاں بہادر کو مسرت بعد مسرت و جشن بعد جشن مبارک و ہمایوں ہو۔ رقعۂ گلگوں نے بہار کی سیر دکھلائی، بہ سواری ریل روانہ ہونے کی لہر دل میں آئی۔ پاؤں سے اپاہج، کانوں سے بہرا، ضعف بصارت، ضعف دماغ، ضعف دل، ضعف معدہ، ان ضعفوں پر ضعف طالع۔ کیوں کر قصد سفر کروں؟ تین چار شبانہ روز قفس میں کس طرح بسر کروں؟ گھنٹہ بھر میں دو بار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ اگر ایک ہفتے دو ہفتے کے بعد ناگاہ قولنج دورے کی شدت ہوتی ہے۔ طاقت جسم میں

حالت جان میں نہیں۔ آنا میرا سورت تک کسی صورت حیزِ امکاں میں نہیں۔

خط لکھتے لکھتے خیال میں آیا کہ جیسا سید صاحب کی ولادت کی تاریخ لکھی، سیدانی صاحب کی بسم اللہ کی بھی تاریخ لکھا چاہیے۔ مادہ "خجستہ بہار" ذہن میں آیا۔ سات عدد کم پائے "خجستہ بہار پر" ادب" کے اعداد بڑھائے۔ شمار میں "۱۲۸۳" نظر آئے۔ دوسرے ورق پر وہ قطعہ مرقوم ہے۔ بوڑھوں کی فکر کی طاقت معلوم ہے صرف جوشِ محبت سے چار مصرعے موزوں ہوئے ہیں:

گر قبول افتد زہے عز و شرف

۱۴ نومبر ۱۸۶۶ء راقم اسد اللہ غالب

سیف الحق صاحب کو سلام۔ ایک میرے دوست مصور خاکسار کا خاکہ اتار کر دربار کا نقشہ اتارنے کو اکبر آباد گئے ہیں، وہ آجائیں تو شغلِ تصویر تمام ہو کر آپ کے پاس پہنچ جائے۔ خط از راہِ احتیاط بیرنگ بھیجا ہے۔ قطعہ:

خجستہ جشنِ لُود بستاں نشینی بیگم
بہ فیضِ ہمت نواب و یمن اقبالش
چوں از پئے ادب آموزیست، خوش باشد
اگر خجستہ بہار ادب بود سالش

(۷)

نواب صاحب، جمیل المناقب، عمیم الاحسان، عالی شان، والا دودمان زاد مجدکم۔

سلام مسنون الاسلام و دعائے دوامِ دولت و اقبال کے بعد عرض کیا جاتا ہے کہ ان ایام میمنت فرجام میں جو از روے اخبار بمبئی آپ کی افزایشِ عز و جاہ کے حالات معلوم ہوئے۔ متواتر شکرِ الٰہی بجالایا اور اس ترقی کو اپنی دعا کا نتیجہ جان کر اور زیادہ خوش ہوا خصوصاً عدالت العالیہ میں فتح پانا اور حقِ حقیقی کا ظہور میں آنا، کیا کہوں کیا مسرت و شادمانی کا موجب اور کس طرح کی نشاط و انبساط کا سبب ہوا ہے۔ حق تعالیٰ یہ فتح مبارک و ہمایوں کرے۔

قطعہ

فتح سید غلام بابا خاں

خود نشانِ دوامِ اقبال ست

ہم ازیں رو بود کہ غالبؔ گفت

کہ ظفر نامۂ ابد سال ست

بہارِ باغِ جاہ و جلال جاوداں باد!

اپریل ۱۸۶۷ء

اسد اللہ خاں

(۸)

نواب صاحب جمیل المناقب، عمیم الاحسان، عنایت فرمائے مخلصاں زاد مجدہ،

شکر یاد آوری و رواں پروری بجا لاتا ہوں۔ پہلے اس سے آپ کا مودت نامہ پہنچا ہے، وہ میرے خط کے جواب میں تھا۔ اُس کا جواب نہیں لکھا گیا۔ پرسوں میاں سیف الحق کا خط پہنچا۔ خط کیا تھا خوانِ دعوت تھا۔ میں نے کھانے بھی کھائے، میوے بھی کھائے۔ ناچ بھی دیکھا، گانا بھی سنا، خدا تم کو سلامت رکھے کہ اس نالائق درویش گوشہ نشین پر اتنی عنایت کرتے ہو۔

صاحب ریاست و امارت میں ایسے ایسے جھگڑے بہت رہتے ہیں۔ میں بہ سبب فرطِ محبت، اخبار میں تمھاری افزایشِ عز و جاہ دیکھ کر، خوش ہوا اور تم کو تہنیت دی۔ "ظفر نامۂ ابد" بہت مبارک لفظ ہے۔ اِنشاءَاللہ العلیِ العظیم ہمیشہ مظفر و منصور رہو گے۔

کارت بجہاں جملہ چنان باد کہ خواہی

سہ شنبہ ۳ اپریل ۱۸۶۷ء

نجات کا طالب غالب

(۹)

بجناب نواب صاحب!

میں آپ کے اخلاق کا شاکر اور آپ کی یاد آوری کا ممنون اور آپ کے دوامِ دولت کا دعا گو ہوں۔ اگر بوڑھا اور اپاہج نہ ہوتا تو ریل کی سواری میں متقرّر آپ تک پہنچتا اور آپ کے

دیدار سے مسرت اندوز ہوتا۔ آپ میرے شفیق اور میرے محسن ہیں، خدا آپ کو ہمیشہ سلامت باکرامت رکھے۔

خط کے دیر دیر لکھنے کا سبب ضعف و نقاہت ہے۔ اگر میرے اوقات شبا روزے اور میرے حالات آپ دیکھیں تو تعجب کریں گے کہ یہ شخص جیتا کیوں کر ہے۔ صبح سے شام تک پلنگ پر پڑا رہنا اور پھر دم بہ دم پیشاب کو اٹھنا، ان مجموع مصائب میں سے ایک ادنیٰ مصیبت یہ ہے کہ ۱۲۸۳ھ شروع ہوئی۔ ۱۲۱۲ھ میری ولادت ہے۔ اب کے رجب کے مہینے سے سترھواں سال شروع ہوگا۔ سترا بہترا، بہرا بوڑھا، اپاہج آدمی ہوں۔ جو عنایت تم میرے حال پر فرماتے ہو، صرف تمھاری خوبی ہے، میں کسی لائق نہیں۔

چہارشنبہ ۲۱ مئی ۱۸۶۷ء نجات کا طالب غالب

(۱۰)

جناب سید صاحب و قبلہ!

بعد بندگی عرض کرتا ہوں کہ عنایت نامہ آپ کا پہنچا۔ آپ جو فرماتے ہیں کہ تو اپنی خیر و عافیت کبھی کبھی لکھا کر۔ آگے اتنی طاقت باقی تھی کہ لیٹے لیٹے کچھ لکھتا تھا، اب وہ طاقت بھی زائل ہوگئی۔ ہاتھ میں رعشہ پیدا ہوگیا۔ بینائی ضعیف ہوگئی۔ متصدی نوکر رکھنے کا مقدور نہیں عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی صاحب وقت پر آگئے تو میں مطلب کہتا گیا، وہ لکھتے گئے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ کل آپ کا خط آیا، آج ہی ایک دوست میرا آگیا کہ یہ سطریں لکھوا دیں۔

اور یہ آپ کبھی نہ فرمائیں کہ منشی میاں داد خاں سے تجھے قطع محبت ہوگیا ہے۔ منشی صاحب کی محبت اور اُن کے توسط سے آپ کی محبت دل و جان میں اس قدر سما گئی ہے، جیسا اہلِ اسلام میں ملکہ ایمان کا۔ پس ایسی محبت کا موقوف ہونا کبھی ممکن نہیں۔

امراضِ جسمانی کا بیان اور اخلاصِ ہم دگر کی شرح کے بعد ہجومِ غم ہائے نہانی کا ذکر کیا کروں؟ جیسا ابرِ سیاہ چھا جاتا ہے یا ٹڈی دل آتا ہے۔ بس اللہ ہی اللہ ہے۔ سیف الحق منشی میاں داد خاں کو سلام کہیے گا اور یہ خط پڑھا دیجے گا۔

روز چہارشنبہ ۶ مئی ۱۸۶۸ء نجات کا طالب غالب

منشی محمّد ابراہیم خلیل

غالبِ کمینہ، بازاری، فرومایہ کا سلام۔

خط کی پشت پر جواب لکھنے سے غرض یہ ہے کہ جس عبارت پر ساٹھ کا ہندسہ ہے۔ اُس کو ملاحظہ فرمایئے۔

جس شخص کا سینکڑوں روپیے مہینا کا صرف ہو، اُس کو دو چار آنوں میں زیر باری کا لفظ لکھنا، گالی دینے سے بد تر ہے۔ یا کوئی دوکان دار فرومایہ کسی اپنے بھائی دوکان دار کو لکھے۔ بہ ہر حال بہ موجب آپ کی رائے کے زیر بار نہیں ہوتا اور آپ کا مجموعۂ اشعار بیرنگ بھیجتا ہوں۔

جمعہ ۴ جنوری ۱۸۶۱ء

عفو کا طالب غالبؔ

نواب میر ابراہیم خاں

(۱)

پیر و مرشد جناب سید ابراہیم علی خاں صاحب کو بندگی۔ غزل پہنچتی ہے۔ خط از روے احتیاط بیرنگ بھیجا ہے۔

قبلہ! آپ کے بھائی صاحب میر عالم علی خاں صاحب مجھ پر کیوں خفا ہیں کہ اپنی غزل نہیں بھیجتے؟ یہ امر اُن کے خاطر نشان ہو جائے کہ غالب آپ کے دادا کا غلام اور خدمت بجالانے کو آمادہ ہے۔

نہم ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ

۲۱ جولائی ۱۸۶۶ء جواب کا طالب غالب

(۲)

بہ خدمت قبلہ سید احمد حسن صاحب مودودی تسلیم، و بہ جناب میر ابراہیم علی خاں بہادر کورنش مقبول باد۔

تصویر مہر تنویر مجھے پہنچی اور میں نے رسید لکھ بھیجی۔ عجب ہے کہ آپ کو اُس کے پہنچنے میں تردد ہے۔ امسال فقیر نے جو اپنی خاکساری کا خاکہ یعنی تصویر، منشی میاں داد خاں کی معرفت نذر کی ہے، یقین ہے وہ بھی پہنچی ہو گی۔ دونوں غزلیں بعد اصلاح کے بھیجتا ہوں۔ اپنی غزل

آپ رہنے دیں اور سید صاحب کی غزل اُن کو حوالے کریں۔

جمعہ ۱۷ اگست ۱۸۶۶ء — نجات کا طالب غالب

(۳)

ولی نعمت کو غالب کی بندگی۔ بہ سبب ضعف پیری کے، خدمت گزاری میں درنگ واقع ہو جائے تو معاف رہوں، قاصر کبھی نہ رہوں گا۔ انشاء اللہ العظیم۔ دو غزلوں میں سے ایک غزل بعد اصلاح پہنچتی ہے۔ دوسری غزل آئندہ ہفتہ میں پہنچ جائے گی۔

ضعف اعضا اور دوام مرض سے علاوہ اختلال حواس کا کیا حال لکھوں۔ دو تین دن ہوئے کہ قبلہ و کعبہ میر عالم علی خاں کا خط آیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ آزردہ تخلص کی دو غزلیں اصلاحی پہنچیں۔ دیکھیے اس سہو کو کہ کس کی غزلیں کس کو پہنچیں۔ مزا اس میں ہے کہ اب یہ بھی یاد نہیں آتا کہ آزردہ کا نام کیا ہے اور وہ کون ہے اور کہاں کا ہے؟ شاید اس بندۂ خدا کو حضرت کی غزلیں بھیجی ہوں گی۔ خدا کرے وہ بزرگوار میر صاحب کی غزلیں میر صاحب کی طرح میرے پاس بھیج دے تو میر صاحب کی خدمت میں بھیج دوں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ان غزلوں کو جو اب آئی ہیں، دیکھوں گا۔ یہ اکہتر برس کی عمر کی خوبی ہے۔ آپ میر صاحب قبلہ کو خط پڑھوا دیجے گا۔

۲ اکتوبر ۱۸۶۶ء — لطف و کرم کا طالب غالب

(۴)

سیّد صاحب قبلہ نواب میر ابراہیم علی خاں بہادر کو غالب علی شاہ کا سلام۔ وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے: بس شوق سے ہے .... الخ گم ہو گئی ہے۔ پھر لکھ کر بھیجیے اور قصور معاف کیجے۔ یہ غزل جو اُس غزل کے بعد بھیجی ہے، فی الحال بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔

میر صاحب قبلہ سید عالم علی خاں بہادر کی دو غزلیں پہنچیں، مگر وہ یہ لکھتے ہیں کہ میں رجب کے مہینے میں وطن کو جاؤں گا اور وہاں سے تیرے پاس آؤں گا۔ آج بہ حساب جنتری ستائیس اور از روئے رویت چھبیس رجب کی ہے۔ غزلیں اُن کی موجود، مگر بھیج نہیں سکتا۔ آپ میری

میری بے گناہی کے گواہ رہیں۔

قبلہ! ضعف نے مضمحل کر دیا ہے۔ حواس بجا نہیں۔ اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے تہتروان برس شروع ہو گیا ہے۔ غذا باعتبار آرد و برنج مفقود۔ محض صبح کو پان سات بادام کا شیرہ، بارہ بجے آب گوشت، شام کو چار کباب تلے ہوئے، بس آگے خدا کا نام۔

ہاں حضرت، جناب حکیم سید احمد حسن صاحب کی تحریر سے کچھ حال ناسازی کا اخوان واجب التعظیم سے معلوم ہوا اور وہ علم باعث توزع ضمیر ہے۔ متوقع ہوں کہ اس فساد کے رفع ہونے سے اور اپنی طمانیت خاطر سے فقیر کو آگاہی بخشئے اور اس خط کا جواب مع رسید غزل جلد از جلد ارسال فرمائیے گا۔

چار شنبہ، پنجم دسمبر ۱۸۶۶ء

رجب کی تاریخ اوپر لکھ آیا ہوں   اسد بے دست گاہ

(۵)

جناب تقدس انتساب سید صاحب و قبلہ والامناقب عالی شان، نواب سید ابراہیم علی خاں بہادر مدظلہ العالی!

بعد بندگی معروض ہے۔ حضرت سید احمد حسن خاں صاحب مدظلہ العالی کی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ کے گھر مولود مسعود پیدا ہوا۔ ایک عبارت رنگین مرتب کر کے اکمل الاخبار میں، میں نے چھپوادی ہے اور ایک رباعی اور ایک قطعہ اپنا اور ایک قطعہ سید صاحب ممدوح کا جو انھوں نے یہاں بھیجا تھا وہ بھی چھپوا دیا اور تین قطعے تاریخی بہاری لال منتظم اور میر فخرالدین مہتمم مطبع نے جو یہاں تاریخیں لکھی تھیں، وہ چھپوادیے۔ چنانچہ اپنی لکھی ہوئی رباعی اور قطعہ عرض کرتا ہوں۔ رباعی:

حق داد بہ رسید زبے انعامش
فرخ پسرے، کہ واجب است اکرامش
تاریخ ولادتش بود بے کم و بیش
ارشاد حسین خاں "کہ باشد نامش

قطعہ

غالب حال سنین ہجری
معلوم کن از "خجستہ فرزند"
چوں یک صد و بست و چار ماند
ایں ست شمار عمر دلبند

یہ تو ظاہر ہے کہ ۱۲۸۵ھ ہے۔ جب "خجستہ فرزند" کے اعداد میں سے ۱۲۵۰ لے لیے تو ایک سو چوبیس بچتے ہیں، اُن کو میں نے دعاے عمرِ نو مولود قرار دیا۔ حق تعالیٰ اس مولود کو تمھارے سامنے عمرِ طبعی کو پہنچائے۔

جولائی، اگست ۱۸۶۸ء[1]　　　　خط کی رسید کا طالب غالب

صاحبِ عالم مارہروی

(۱)

مے کنم عرض گو مکرر باش

پیر و مرشد۔ آج ہی ایک خط چودھری عبدالغفور صاحب کے نام کا روانہ کیا ہے اور اس خیال سے کہ وہ گرمیِ ہنگامۂ شادی میں اُس خط کا آپ کی نظر سے گزرانا بھول نہ جائیں، یہ خط جداگانہ آپ کو آج ہی بھیجتا ہوں۔

اصحابِ ثلثہ کی عبارت نثرِ مرجز کے باب میں اتنی ہی ہے کہ "وزن دارد و سجع ندارد" خدا کے واسطے "وزن" تقطیع شعر کو کہتے ہیں، وہ مثال کی نثر میں کہاں ہے؟ "سجع" اُس کو کہتے ہیں کہ کلماتِ فقرتین وزن میں برابر ہوں۔ یہ صنعت مثال کی نثر میں موجود ہے۔ جو ہے اُس کا سلب، جو نہیں اُس کا ثبوت کیوں کر مانوں؟ کیا آپ کی یہ مرضی ہے کہ الفاظ کے ہم وزن ہونے کو "وزن"، "تقطیع شعر کو" "سجع" مان لوں؟ میں تو نہ مانوں گا۔ آپ کو اختیار رہے یہ کلام معصوم کا نہیں کہ اس کے مسلّم نہ رکھنے سے آدمی کافر ہو جائے، زبانِ فارسی مُردے کا مال ہے، عرب کے ہاتھ یہ طریقِ یغما آیا ہے، جس طرح چاہیں صرف کریں۔

خواجہ نصیرالدین طوسی آٹھ حرف کا زبانِ فارسی میں نہ آنا لکھتے ہیں اور "دال" نقطہ دار کا ذکر

نہیں کرتے۔ اِلّا کوئی لغت فارسی ایسا بتائیے کہ جس میں "ذال" آئی ہو۔ "گزاشتن" "وگزشتن" و "پزیرفتن" "سب زے" سے ہے۔ "کاغذ" دالِ مہملہ سے ہے، اس کا "ذال" سے لکھنا اور کواغذ کو اُس کی جمع قرار دینا تعریب ہے نہ تحقیق۔ "آذر" اسم آتش بہ دالِ ابجد ہے نہ بہ ذالِ تخذ۔ کوئی لفظ متحد المخرج فارسی میں نہیں، بلکہ قریب المخرج بھی نہیں۔ "تے" ہے "طوے" نہیں۔ "سین" ہے۔ نہیں اور "صاد" نہیں۔ "ہائے ہوز" ہے "حائے حطی" نہیں۔ یہاں تک کہ "قاف" نہیں۔ اس راہ سے کہ غین متحد المخرج بلکہ قریب المخرج ہے۔ "زے" کے ہوتے "ذال" کیوں کر ہو گی؟[3]

وہ میاں صاحب ہانسی کے رہنے والے بہت چوڑے چکلے، جناب عبدالواسع فرماتے ہیں کہ "بے مراد" صحیح اور "نامراد" غلط۔ ارے تیرا ستیاناس جائے "بے مراد" اور "نامراد" میں وہ فرق ہے جو زمین و آسمان میں ہے۔ "نامراد" وہ کہ جس کو کوئی مراد، کوئی خواہش، کوئی آرزو بر نہ آوے۔ "بے مراد" وہ کہ جس کا صفحۂ ضمیر نقوشِ مدعا سے سادہ ہو، از قسم "بے مدعا" و "بے غرض" و "بے مطلب"۔ حسبۃً للہ۔ ان دونوں امروں میں کتنا فرق ہے۔ "ناپروا" اور "ناکام" اور "نادرست" اور "ناچار" کہ یہ مخفف "ناچارہ" اور "ناہار" کہ یہ مخفف "نہ اہار" ہے اور "نامراد" اور "ناانصاف" یہ سب درست ہیں۔ ہاں کہاں گئے ہانسی والے معلم؟

قافیہ شائگان کہ جس کو عرب ایطا کہتا ہے، وہ دو طرح پر ہے: خفی و جلی۔ اہلِ خرد نے خاک اُڑائی ہے اور بات بنائی ہے۔ خفی و جلی کی تفسیر میں وہ کچھ لکھا ہے کہ صاحبِ طبعِ سلیم کبھی اس کو نہ سمجھے، چہ جائے آں کہ مانے گا۔ اصل یہ ہے کہ ایطا وہ قافیہ ہے کہ جو دو حرف ایک صورت کے ہوں جیسے الفِ فاعل گویا و بینا و شنوا۔ شعر اسیر، بیت:

اے دانۂ تسبیح خیالت، دلِ دانا
سر حلقۂ مستان رخت، دیدۂ بینا

اور نون دال مضارع کا جیسا استاد کے اس مطلع میں ہے، شعر:

دل شیشہ و چشمان تو ہر گوشہ برندش
مست است، مبادا کہ بناگہ شکنندش

اور ایسا ہے الف نون جمع کا مثل چراغاں و جواناں اور ایسا ہی ہے الف نون حالیہ، مانند گریاں و خنداں۔ پس اگر یہ مطلع میں آپڑے تو ایطائے جلی ہے۔ اگر غزل یا قصیدے میں بہ طریقِ تکرار قافیہ آپڑے تو ایطائے خفی ہے۔

ائمہ فن نے وہ کچھ لکھا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر قابلِ تحقیق ہو تو میرے بیان پر غور کرو۔ اور جو عبدالواسع اور غیاث الدین اور عبدالرزاق ان ناموں کی شوکت نظر میں ہے، تو تم جانو۔ ایک شخص بھیک مانگتا ہے۔ باپ نے اُس کا نام میر بادشاہ رکھ دیا ہے۔ اہل فارسی کو اس کھتری بچے قتیل علیہ ما علیہ نے تباہ کیا۔ رہا سہا غیاث الدین رام پوری نے کھو دیا۔ ان کی سی قسمت کہاں سے لاؤں، جو صاحبِ عالم کی نظر میں اعتبار پاؤں؟ خالصاً للہ غور کرو کہ وہ خرانِ نامشخص کیا کہتے ہیں اور میں خستہ و دردمند کیا بکتا ہوں۔ واللہ نہ قتیل فارسی شعر کہتا ہے اور نہ غیاث الدین فارسی جانتا ہے۔ میرا یہ خط پڑھو۔ یہ نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی پڑھو۔ قوتِ ممیزہ سے کام لو، ان غولوں پر لعنت کرو۔ سیدھی راہ پر آجاؤ۔ اگر نہیں آتے تو تم جانو۔ تمھاری بزرگی پر اور مرزا تفتہ کی نسبت پر نظر کر کے لکھا ہے۔ نہیں کہتا کہ خواہی نہ خواہی میری تحریر کو مانو، مگر اُس کھتری بچے سے اور اُس علم سے مجھ کو کمتر نہ جانو۔ عربی کا حرف اور ہے اور فارسی کا قاعدہ اور ہے۔ سمجھو یا نہ سمجھو تم کو اختیار ہے۔ عقل کو کام فرماؤ، غور کرو، سمجھو۔ عبدالواسع پیغمبر نہ تھا۔ قتیل برہمانہ تھا، واقف غوث الاعظم نہ تھا۔ میں یزید نہیں ہوں، شمر نہیں ہوں۔ مانتے ہو مانو، نہ مانو تم جانو۔

اپریل ۱۸۵۹ء

(۲)

پیر و مرشد!

اس مطلع و حسنِ مطلع کو کیا سمجھوں اور اُس کا شکر کیوں کر بجالاؤں؟ خدا کی بندہ نوازیاں ہیں کہ مجھ ننگِ آفرینش کو اپنے خاصانِ درگاہ سے بھلا کہواتا ہے۔ ظاہرا میرے مقدر میں یہ

سعادتِ عظمیٰ تھی کہ میں اس وبائے عام میں جیتا بچ رہا۔ اللہ اللہ ایسے کشتنی و سوختنی کو یوں بچایا، اور پھر اس رتبے کو پہنچایا۔ کبھی عرش کو اپنا نشیمن قرار دیتا ہوں اور کبھی بہشت کو اپنا پائیں باغ تصور کرتا ہوں۔ واسطے خدا کے، اور اشعار نہ فرمایئے گا، ورنہ بندہ دعویٰ خدائی کرنے میں محابا نہ کرے گا۔

"کتاب افادت مآب "پنج آہنگ" نسخہ لطیف تالیف شریف[1]" اس کے آگے غلام سے کچھ نہ پڑھا گیا، مگر چودھری صاحب اور حضرت سید شاہ امیر صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب یہ تین اسم معلوم ہوئے۔ پھر بھی دوسرے اسم میں متردد ہوں کہ آیا میرا قیاس مطابق واقعہ ہے یا نہیں۔ ہاں چودھری صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب، ان دو ناموں میں تردد باقی نہیں۔ معہٰذا یہ نہ سمجھا کہ مقصود کیا ہے؟ اگر "پنج آہنگ" مطلوب ہے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ میرا ایک سبتی بھائی ہے۔ نواب ضیاء الدین خاں سلّمہ اللہ تعالیٰ، وہ میری نظم و نثر کو فراہم کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ "مجموعۂ نثر" اور "کلیاتِ نظمِ فارسی" اور "کلیاتِ نظمِ اردو" سب نسخے اُس کے کتب خانے میں تھے۔ وہ کتب خانہ[5]، ڈر کر عرض کرتا ہوں، بیس ہزار روپے کی مالیت کا ہوگا، لٹ گیا۔ ایک ورق نہیں رہا۔ ہاں چھاپے کی "پنج آہنگیں" اب بھی بکتی ہیں اور معیوب بہ دو عیب ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو بعد انطباع از قسمِ نثر تحریر ہوا ہے، وہ اُس میں نہیں، دوسرے یہ کہ کاپی نویس نے وہ اصلاح میری نثر کو دی ہے کہ میرا جی جانتا ہے۔ اگر کہوں کوئی سطر غلطی سے خالی نہیں تو اغراق ہے، بے مبالغہ یہ ہے کہ کوئی صفحہ اغلاط سے خالی نہیں۔ بہ ہر حال اگر فرمایئے تو لے کر بھیج دوں۔

مخدوم زادہ ہائے والا تبار میں پہلا نام سمجھ میں نہیں آیا، مگر پہلے اُن کی خدمت میں اور پھر حضرت سید مقبول عالم کی خدمت میں بسلام مسنون اور اشتیاقِ روز افزوں عرض کرتا ہوں۔

جولائی / اگست ۱۸۶۱ء[9]

(۳)

بعد حمدِ خداوند و نعتِ رسول اللہ[10] صلی اللہ علیہ وسلم، پہلے قبلۂ روح و رواں جناب صاحبِ عالم

صاحب کو بندگی اور حضرت مقبول عالم کی شادی کی مبارک باد۔

کیا عرض کروں کہ میرا کیا حال ہے؟ اضمحلالِ قویٰ کا حال مختصر یہ ہے کہ اگر کوئی دوست ایسا کہ جس سے تکلف کی ملاقات ہے، آجائے تو اٹھ بیٹھتا ہوں، ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ جو کچھ لکھنا ہوتا ہے وہ بھی اکثر لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ آج دوپہر کو میر عبدالعزیز صاحب آئے۔ میں بے کلاہ و بے پیرہن پلنگ پر لیٹا ہوا تھا، اُن کو دیکھ کر اٹھا۔ مصافحہ کیا۔ انھوں نے جناب شاہ عالم صاحب کا خط مع مسوداتِ اشعار دیا اور فرمایا کہ: "پرسوں جاؤں گا۔" عرض کیا گیا کہ کل آخرِ روز آپ تشریف لائیں، خط کا جواب اور اصلاحی مسودہ لے جائیں۔ وہ تشریف لے گئے۔ میں لیٹ رہا۔ دن کے سونے کی عادت نہیں ہے۔ جی میں کہا، آؤ بیکار کیوں رہو، خط کا جواب آج لکھ رکھو، اٹھے کون؟ بکس کھولے کون؟ لڑکوں کی دوات قلم مونڈھے پر پلنگ کے پاس رکھ لی۔ ادب مقتضی اس کا ہوا کہ آغازِ نامہ بہ نامِ اقدس ہو۔

حضرت! نسخۂ "قاطع برہان" تیسری چوتھی نظر میں مکمل ہو کر مسودات ایک کاتب کے حوالے ہوئے۔ آٹھ جز لکھے گئے۔ کم و بیش دو جز باقی ہیں، پرسوں تک آجائیں گے۔ بعد اُس کے انطباع کی فکر ہوگی۔ جب وہ عزیمت امضا پذیر ہو جائے گی، حضرت کی نظر سے بھی شرف پائے گی۔

حضرت سید عالم کو نیاز، خورشید عالم کو سلام۔ چودھری صاحب کو نہ سلام نہ نیاز، صرف یہ پیام کہ ہم تمھارے خط کو مفرحِ روح سمجھتے تھے، باتوں کا مزہ ملتا تھا، خیر و عافیت معلوم ہو جاتی تھی۔ وہ وظیفۂ روحانی منقطع کیوں ہوا ہے صاحب، یہ روش اچھی نہیں۔ گاہ گاہ ارسالِ رُسُل و رسائل کا طور بنا رہے۔

۱۸۶۱ء اور ۱۸۶۲ء کے درمیان

(۴)

حضرت صاحب قبلہ و کعبہ جناب صاحب عالم کو فقیر اسد اللہ کی بندگی۔

دیباچے کا عظیم آباد کو روانہ ہونا معلوم ہوا مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ لختِ جگر و نورِ بصر مولوی سید

فرزند احمد کو وہ دیباچہ پسند آیا یا نہیں؟ ہاتھ رعشہ دار، آنکھیں ضعیف البصر، حواس مسلوب ہیں۔ قصہ مختصر من کل الوجوہ غالب مغلوب ہیں۔

دو مہینے ہوئے کہ منشی ہرگوپال تفتہ بہ سواری ریل یہاں آئے، ایک شب رہے، صبح کو تشریف لے گئے۔

مخدوم زادہ شاہ عالم کو سلام اور یہ پیام کہ بطلانِ حسِ حافظہ کے سبب آپ کے اخوان کے نام بھول گیا ہوں۔ اُن سب صاحبوں کی خدمت میں اور میاں برکات حسن صاحب اور چودھری عبدالغفور صاحب کو سلام پہنچائیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ مولوی غلام غوث خاں میر منشی نے آپ کا دیباچہ اور میرا مجموعۂ نثر مرتب کر کے منشی ممتاز علی خاں کو بھیج دیا ہے۔ اب چھپوانے میں اُن کو اختیار ہے۔

۲۶ اگست ۱۸۶۶ء

اسد

(۵)

ایک شعر میں نے بہت دنوں سے کہہ رکھا ہے۔ اس خیال سے کہ میرے بعد کوئی میرا دوست میرا مرثیہ لکھے اور اس شعر کو بند قرار دے کر ترکیب بند رقم کرے۔ وہ شعر یہ ہے:

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خاں غالب مرد

دو صاحبوں کو اس کام کے واسطے اپنے ذہن میں ٹھہرایا، ایک تو نواب مصطفےٰ خاں سو انھوں نے شعر کہنے سے توبہ کی، دوسرے نواب ضیاء الدین خاں، وہ اکثر بیمار رہتے ہیں اور شعر کم کہتے ہیں۔ پس، اب میں اپنے پیر و مرشد صاحب عالم صاحب سے اس عنایت کا امیدوار ہوں کہ یہ کاغذ اپنے پاس رہنے دیں اور وقت پر ترکیب بند لکھیں۔ اللہ اللہ اللہ۔

شوال ۱۲۸۲ھ
دسمبر ۱۸۶۶ء

(۶)

دیگر از خویشتم خبر نبود تکلف برطرف
ایں قدر دانم کہ غالبؔ نام یارے داشتم

ہجومِ غم سے فراغ نہیں، عبارت آرائی کا دماغ نہیں۔ اگرچہ گوشہ نشین و خانماں خراب ہوں لیکن بحسب رابطہ ازلی کثیرالاحباب ہوں۔ اطراف و جوانب سے خطوط آتے ہیں، ادھر سے بھی اُن کے جواب لکھے جاتے ہیں۔ جو اشعار واسطے اصلاح کے آتے ہیں، بعدِ اصلاح کے بھیج دیے جاتے ہیں۔

ان صاحبوں میں سے اکثر ایسے ہیں کہ نہ میں نے انھیں، نہ انھوں نے مجھے دیکھا ہے۔ محبتِ دلی و نسبتِ روحانی سہی لیکن صاحبانِ بلادِ دور دست کیا جانیں، میرا حال کیا ہے؟ ہفتاد و یک سالہ عمر کی کتاب میں سے فصلِ آخر کی حقیقت یہ ہے کہ دس پندرہ برس سے ضعفِ سامعہ اور قلتِ اشتہا میں مبتلا ہوا اور یہ دونوں علتیں روز افزوں رہیں۔ حسِ حافظہ کا بطلان علاوہ۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی۔ یہ امراض بھی بڑھتے گئے۔ قصہ مختصر، اب سامعہ کا حال یہ ہے کہ ایک تختہ کاغذ کا مع دوات و قلم سامنے دھرا رہتا ہے، جو دوست آتے ہیں پرسشِ مزاج کے سوا اور کچھ کہنا ہوتا ہے، وہ لکھ دیتے ہیں، میں اُن کی تحریر کا جواب زبانی دیتا ہوں۔

اب غذا کی حقیقت سنیئے، کہ صبح کو آٹھ دس بادام کا شیرہ، دوپہر کو سیر بھر گوشت کا پانی، دو گھڑی دن رہے دو یا تین تلے ہوئے کباب۔ نسیان حد سے گزر گیا۔ رعشہ، دورانِ سر و ضعفِ بصر، یہ یارانِ نو آمدہ میں سے ہیں۔ میر تقی مرحوم کا مطلع وردِ زبان ہے:

مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم
القصہ نہ در پے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

خط بکس میں یا کتاب میں رکھ دیتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔ آگے لیٹے لیٹے خط لکھتا تھا،

اب رعشہ یوں بھی نہیں لکھنے دیتا۔ صاحبِ اکمل[1] الاخبار اور صاحبِ اشرف الاخبار نے جو ہمیشہ مجھ سے ملتے جلتے رہتے ہیں اور میرا حال جانتے ہیں۔ از روئے مشاہدہ میرے کلام کی تصدیق کر کے اسی اعتذار کو اپنے اخبار میں چھاپا ہے۔ کُل دیگر صاحبانِ مطبع اور راقمانِ اخبا اگر اسی عبارت کو اپنے اخبار کے اوراق میں درج کریں گے تو فقیر اُن کا احسان مند ہوگا۔ اس نگارش کی شہرت سے مقصود یہ ہے کہ احبا[2] میرے، میرے حال سے اطلاع پائیں۔ اگر خط کا جواب یا اصلاحی غزل دیر میں پہنچے تو تقاضا اور اگر نہ پہنچے تو شکایت نہ فرمائیں۔

میں دوستوں کی خدمت گزاری میں کبھی قاصر نہیں رہا اور خوشی خوشنودی سے کام کرتا رہا۔ جب بالکل نکما ہو گیا۔ نہ حواس باقی نہ طاقت، پھر اب کیا کروں۔ بہ قول خواجہ دردؔ[3]:

میں وفا کرتا ہوں، لیکن دل وفا کرتا نہیں

اگر کسی صاحب کو میری طرف سے کچھ رنج و ملال ہو تو خالصاً للہ معاف فرمائیں۔ اگر جوان ہوتا تو احباب سے دعائے صحت کا طلب گار ہوتا۔ اب جو بوڑھا ہوں تو دعائے مغفرت کا خواہاں ہوں۔

۱۸۶۶ء۔ ۱۸۶۷ء[4]

راقم[5] اسد اللہ خاں غالب

شاہ عالم

(۱)

مخدوم زادہ والا تبار، حضرت شاہ عالم سلام و دعائے درویشانہ قبول فرماویں۔ آپ کا مع الخیر وطن پہنچنا اور بزرگوں کے قدم بوس اور بھائیوں کے ہم آغوش ہونا آپ کو مبارک ہو:

یوسف از مصر بہ کنعاں آمد

تفرقۂ اوقات و سفر رام پور و شدتِ تموز مقتضی اس کی ہوئی کہ ہنوز تمھارے مسودات دیکھے نہیں گئے۔ تا نزولِ بارانِ رحمت الٰہی اور بھی چپکے بیٹھے رہو۔

اپنے ماموں صاحب کو نیاز معتقدانہ اور اپنے بھائیوں کو سلام مخلصانہ کہیے گا اور اپنے والد ماجد یعنی میرے مرشد ہم عمر و ہم فن کو وہ سلام جس سے محبت ٹپکے اور اشتیاق برسے، پہنچائیے گا، اور عرض کیجے گا کہ آرزوے دیدار حد سے گزر گئی، یا رب جب تک حضرت صاحبِ عالم کو مارہرے میں اور انور الدولہ کو کالپی میں نہ دیکھ لوں اور اُن سے ہم کلام نہ ہولوں، میری روح کے قبض کا حکم نہ ہو، لیکن ۱۲۷۷ھ میں دو مہینے باقی ہیں۔ اب کے محرم سے اُس ذی حجہ تک میرا مدعا حاصل ہو جائے۔

مشفقی مکرمی چودھری عبد الغفور صاحب کو میرا سلام شوق کہیے گا اور یہ پیام پہنچائیے گا کہ حضرت صاحبِ عالم کی تمنائے دیدار بہ قیدِ مارہرہ، کنایہ اس سے ہے کہ اور

کسی کا بھی دیدار مطلوب ہے: خواہشِ وصل مقدر ہے جو مذکور نہیں۔ اُن کے اس خط کا جواب جو پرسوں مجھ کو پہنچا ہے، "موم جامے میں لپیٹ کر بھیجوں گا۔ اِنشاءُاللہ العزیز۔

ہاں جناب، شاہ عالم صاحب! پھر روئے سخن آپ کی طرف ہے۔ جناب میر وزیر علی خاں[2] صاحب بلگرامی یہاں تشریف لائے اور میرے مسکن سے ایک تیر پرتاب کے فاصلے پر چاندنی چوک میں حافظ قطب الدین سوداگر کی حویلی میں اترے ہیں۔ مرفی صاحب کا کام اُن کے سپرد ہوا ہے۔ یعنی ڈپٹی کلکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں اور ہزار روپیے تک کا مقدمہ عدالت دیوانی کا بھی کرتے ہیں۔ لیکن ہنوز قائم مقام ہیں۔ وہ صاحب جس کا نام لکھ آیا ہوں۔ بہ طریقِ رخصت بیاٹو گیا ہے۔ ایک دن فقیر بھی اُن کے مکان پر چلا گیا تھا۔ حسنِ صورت اور حسنِ سیرت دونوں اُن میں جمع ہیں۔ آنکھیں اُن کے حسنِ صورت سے روشن ہوگئیں اور دل اُن کے حسنِ سیرت سے خوش ہوگیا۔ واہ خاکِ پاکِ بلگرام! میں نے تو وہاں کے جس بزرگوار کو دیکھا، بہت اچھا پایا۔

مئی ۱۸۶۱ء[4]

(۲)

مخدوم زادۂ عالی شان، مقدس دودمان، حضرت شاہ عالم امن وامان وعزّ شان وعلم وعمر سے برخوردار رہیں۔

ہمارے حضرت ہم کو بھول گئے، ہاں سچ ہے اُن کا لطف چودھری عبدالغفور صاحب کے جوہر مہر ومحبت کا عرض تھا۔ جوہر نہ رہا تو عرض کہاں؟ بہ ہر حال جناب حضرت صاحب عالم کو میری بندگی پہنچ جائے اور یہ سطریں اُن کی نظر سے گزر جائیں۔

بہ چودھری عبدالغفور صاحب کو سلام کہے گا اور یہ پوچھے گا کہ قصیدہ کا بعد اصلاح کے نہ پہنچنا میرا گناہ ہے یا اس کے سوا اور کوئی تصور ہے؟ اگر وہی جرم ہے تو معاف کیجے اور کوئی اور جرم بھی ہے تو مجھے اطلاع دیجے۔ ان دو پیام کی تبلیغ کے بعد پھر روئے سخن آپ کی طرف ہے۔ آپ کا خط میرے نام کا اور اُس کے ساتھ ایک خط ڈپٹی میر وزیر علی صاحب

کے نام کا پہنچا۔ وہ پڑھا، وہ بھجوا دیا۔ جو آدمی خط لے کر گیا تھا وہ دوبار جواب مانگنے کو گیا۔ پہلی بار حکم ہوا کہ کل آئیو۔ دوسری بار حضرت نہ ملے۔ میں نے اُس کے جواب سے قطع نظر کر کے اپنی خدمت گزاری کی آپ کو اطلاع دی!

یاں تحتانی لکھ چکا تھا کہ ایک پیر اسی آیا اور اُس نے خط تمھارے نام کا ٹکٹ لگا ہوا دیا اور کہا کہ ڈپٹی[1] صاحب نے سلام کہا ہے اور یہ خط دیا ہے۔ اب میں یہ خط اپنا مع اُن کے خط کے، ڈاک گھر میں بھیجتا ہوں۔ صبح کا وقت، یکشنبے کا دن ۸ صفر اور ۲۵ اگست کی ہے۔

ڈپٹی صاحب چاندنی چوک حافظ قطب الدین سوداگر کی حویلی میں رہتے ہیں۔ باقی اُن کے حالات اُن کے خط سے معلوم ہو جائیں گے۔

اپنے ماموں صاحب کی خدمت میں سلامِ نیاز اور اپنے بھائی صاحبوں کی خدمت میں فقیر کی دعا پہنچایئے گا۔ والسلام۔

یکشنبہ ۸ صفر ۱۲۷۷ھ

۲۶ اگست ۱۸۶۰ء[2]

(۳)

مخدوم زادۂ مرتضوی نژاد کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا ہے... [3] پہنچے۔ میں بارہ[4] اکتوبر ۱۸۶۵ء یعنی شنبہ حال کو رام پور میں پہنچا ہوں اور دسمبر تک اقامت کا ارادہ ہے۔ آپ جواب خط لکھیں تو رام پور "افغانان اندرون قلعہ" سرنامے پر پتا لکھیں۔

کل حضرت کا خط پہنچا۔ آج اس کا جواب لکھتا ہوں۔ میر محمد علی خوش نویس کے نام سے میرے کان آشنا نہیں۔ مگر ہاں، میر نیاز علی صاحب کو جانتا ہوں۔ خدا کرے، وہی ہوں، جو میرے خیال میں آئے ہیں۔ یہاں سے میں اس باب میں کچھ نہیں لکھ سکتا۔ بہ شرطِ حیات دلّی پہنچ کر معلوم کروں گا اور جو کچھ معلوم ہو جائے گا وہ آپ کو لکھوں گا۔ حضرت! میرے پاس میری تصنیفات سے کچھ نہیں۔ "کلیاتِ فارسی" مطبع اودھ اخبار لکھنؤ میں اور "کلیات اردو"

مطبع کان پور میں اور "دستنبو" مطبعِ روہیل کھنڈ بریلی میں موجود ہیں۔ جو صاحب، جس کے مشتاق ہیں اُس مطبع سے منگوالیں اور اگر مجھ کو یہ خدمت بجالانی چاہیے تو بہ شرطِ حیات ہر جگہ سے منگوا کر بھیج دوں گا۔

پیر و مرشد کی خدمت میں میری بندگی عرض کرو اور کہو کہ آپ کو خدا ہمیشہ سلامت باکرامت رکھے۔ آپ اتنے ہیں کہ اگر امیدِ وصال نہ ہو تو روح کو جسم سے باہر کر سکتے ہیں فقیر (؟) بہ قولِ غالب علیہ الرحمۃ :

درکشاکش ضعفم نگسلد رواں از تن

ایں کہ من نمی میرم ہم ز ناتواں ایہاست

رام پور آیا ہوں اور قلعے میں زیرِ سایۂ کاخِ والیِ شہر اترا ہوں اور اپنا یہ مقطع پڑھ رہا ہوں :

اتفاقِ سفر افتاد بہ پیری غالب

آنچہ از دست نیامد زعصا می آید

ظاہراً دسمبر تک یہیں رہوں گا۔

چودھری عبدالغفور صاحب کو کچھ نہ کہیے گا۔ اگر آپ اُن کے آگے میرا نام لیجے گا تو خفا ہو جائیں گے۔ خیر شرط ہے۔

دوشنبہ ۶ نومبر ۱۸۶۵ء　　　　　جواب کا طالب، غالب

جمادی الآخر ۱۲۸۲ھ

حکیم سیّد احمد حسن مودودیؒ

(۱)

حضرت قبلہ!

پہلے التماس یہ ہے کہ آپ سید صحیح النسب، تمام امت مرحومۂ محمد علیہ السلام کے قبلہ وکعبہ، جب آپ مجھ کو قبلہ وکعبہ لکھیں تو پھر میں آپ کو کیا لکھوں؟ خدا کے واسطے غور کیجیے کہ "قبلۂ قبلہ" اور "کعبۂ کعبہ" یہ کیا ترکیب ہے؟ چوں کہ آپ نے مجھے استاد گردانا ہے۔ اس التماس کو بھی از قسمِ اصلاح تصور کیجیے۔ زنہار "قبلۂ قبلہ" کبھی نہ لکھیے گا۔ یہ سوءِ ادب ہے بہ نسبت قبلہ۔ عیاذاً باللہ۔!

آپ کا عطوفت نامہ پہنچا۔ میرے پہلے خط کا بہ دیر پہنچنا اور اُس کی دیر رسی کا سبب مجھ کو معلوم ہوا۔ اب اس کا خیال رکھوں گا۔ یہ اب آپ کو معلوم رہے کہ آپ کے کسی خط کا جواب میرے ذمے باقی نہیں ہے۔ دو یا تین جس خط کا جواب نہیں پہنچا، اُس کو یہ سمجھیے کہ وہ خط راہ میں تلف ہوئے اور میرے پاس نہیں پہنچے:

بہارِ گلستانِ احمد حسن

یہ سجع کیا برا ہے:

دلِ حیدر و جانِ احمد حسن

یہ اُس سے بھی بہتر ہے۔ انہی دونوں میں سے ایک سجع مہر پر کھدوا لیجیے۔ غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔

۱۹ ذی الحجہ ۱۲۷۷ھ

۲۸ جون ۱۸۶۱ء

غالبؔ

(۲)

حضرت پیر و مرشد!

غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ غزل سہو سے لکھ گیا ہوں، دونوں غزلیں پہنچتی ہیں۔ جناب مولوی انصار علی صاحب سے مجھ کو تعارفِ اسمی ہے۔ اُن کو میرا اسلام کہیے اور کہیے کہ حضرت، جناب مولوی صدر الدین صاحب بہت دن حوالات میں رہے۔ کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا۔ روبکاریاں ہوئیں۔ آخر صاحبانِ کورٹ نے جان بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف، جاداد ضبط، ناچار خستہ و تباہ لاہور گئے۔ فنانشل کمشنر اور لفٹنٹ گورنر نے از راہِ ترحم نصف جاداد واگذاشت کی۔ اب نصف جاداد پر قابض ہیں۔ اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ کرایے پر معاش کا مدار ہے۔ اگرچہ یہ آمد اُن کے گزارے کو کافی ہے۔ کس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بی بی، تیس چالیس روپے مہینے کی آمد، لیکن چوں کہ امام بخش چپڑاسی کی اولاد اُن کی عترت ہے اور وہ دس بارہ آدمی ہیں۔ لہٰذا فراغ بال سے نہیں گزرتی۔ ضعفِ پیری نے بہت گھیر لیا ہے۔ عشرۂ تاسعہ کے اواخر میں ہیں۔ خدا سلامت رکھے غنیمت ہیں۔

یکشنبہ ۱۹ جنوری ۱۸۶۲ء

غالبؔ

(۳)

پیر و مرشد!

تین برس عوارضِ احتراقِ خون میں ایسا مبتلا رہا ہوں کہ اپنے جسم و جان کی بھی خبر نہیں رہی۔

آپ کے خطوط آئے ہوں گے۔ کوئی خط پڑھ لیا ہوگا۔ کوئی عنوان ناکشودہ پڑا رہا ہوگا۔ البتہ حاجی مصطفےٰ خاں کا آنا مجھ کو یاد ہے۔ یقین کرتا ہوں کہ انھوں نے از روے مشاہدہ میری خستگیِ تن کا حال حضرت کو لکھا ہوگا۔ اب میں اپنی زبان سے یہ کیوں کر کہوں کہ اچھا ہوں، مگر بیمار اور عوارض میں گرفتار نہیں ہوں۔ بوڑھا، بہرا، اپاہج، بدحواس، ناتواں، فلک زدہ آدمی ہوں۔ عہد کرتا ہوں کہ جب آپ کا خط آئے گا، اُس کا جواب لکھوں گا۔ جب غزل آئے گی اُس کو دیکھ کر پھر بھیجوں گا، مگر حضرت کے مسکن کا پتا بھول گیا ہوں۔ یہ خط تو مصطفےٰ خاں سوداگر کو بھیج دیتا ہوں، وہ آپ کو بھجوا دیں گے۔ آیندہ جو عنایت نامہ ڈاک میں آئے اُس میں مسکن و مقام و شہر کا نام لکھا جائے۔

۲۴ جولائی ۱۸۶۵ء نجات کا طالب غالب

(۴)

حضرت پیر و مرشد!

ان دنوں میں اگر فقیر کے عرائض نہ پہنچے ہوں یا ارشاد کے جواب ادا نہ ہوئے ہوں تو موجبِ ملالِ خاطرِ اقدس نہ ہو:

اتفاقِ سفر افتادہ بہ پیری غالب
آنچہ از پاے نیامد، ز عصا می آید

رام پور کی سرکار کا فقیرِ تکیہ دار، روزینہ خوار ہوں۔ رئیسِ حال نے مسند نشینی کا جشن کیا۔ دعاگوے دولت کو درِ دولت پر جانا واجب ہوا۔ ہفتم اکتوبر کو دلّی سے رام پور کو روانہ ہوا۔ بعد قطعِ منازلِ ستہ وہاں پہنچا۔ بعد اختتامِ بزم، عازمِ وطن ہوا۔ ہشتم جنوری کو دلّی پہنچا۔ عرضِ راہ میں بیمار ہوا۔ پانچ دن مرادآباد میں صاحبِ فراش رہا۔ اب جیسا فرسودہ رواں ناتواں تھا، ویسا ہوں۔ جوابِ خطوطِ مجتمعہ لکھ سکتا ہوں؟ بہ ہر حال ایسا ہوں۔

نواب میر جعفر علی مبرور مغفور کا خاندان، سبحان اللہ:

این سلسلہ از طلائے ناب است

این خانہ تمام آفتاب است

نواب میر غلام بابا خاں میرے دوست اور میرے محسن ہیں۔ راہ و رسم، نامہ و پیام مدت سے باہم دگر جاری ہے۔ آپ کا حکم بے تکلف مانوں گا۔ جناب ابراہیم علی خاں صاحب اور حضرت میر علی خاں صاحب کی خدمت گزاری کو اپنا فخر و شرف جانوں گا۔

اِس وقت بکس کھولا ہے۔ خطوطِ اطراف و جوانب دیکھ رہا ہوں۔ پہلے حضرت کے خط کا جواب بہ طریقِ اختصار لکھا ہے۔ اب جب اُس کا جواب آئے گا، تب فقیر حکم بجالائے گا۔

چار شنبہ، ۱۷ جنوری ۱۸۶۶ء اسد اللہ

(۵)

پیر و مرشد!

آپ کو میرے حال کی بھی خبر ہے؟ ضعف نہایت کو پہنچ گیا۔ رعشہ پیدا ہو گیا۔ بینائی میں بڑا فتور پڑا۔ حواس مختل ہو گئے۔ جہاں تک ہو سکا احباب کی خدمت بجا لایا۔ اوراقِ اشعار لیٹے لیٹے دیکھتا تھا اور اصلاح دیتا تھا۔ اب نہ آنکھ سے اچھی طرح سوجھے، نہ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا جائے۔ کہتے ہیں کہ شاہ شرف بو علی قلندر کو بہ سبب کبرسن کے، خدا نے فرض اور پیمبر نے سنّت معاف کر دی تھی، میں متوقع ہوں کہ میرے دوست خدمتِ اصلاحِ اشعار مجھ پر معاف کریں۔ خطوطِ شوقیہ کا جواب جس صورت سے ہو سکے گا، لکھ دیا کروں گا۔

زیادہ حدِ ادب۔

۸ اپریل ۱۸۶۶ء راقم۔ اسد اللہ خاں غالب

(۶)

پیر و مرشد!

یکم محرم کا خط کل اٹھارہ محرم کو پہنچا۔ آج انیس کو جواب لکھتا ہوں۔ آپ پر اور میر ابراہیم

علی خاں اور میر عالم علی خاں پر میری جان نثار ہے۔ مثنوی ما مضیٰ۔ اب ایک ایک غزل آپ تینوں صاحب بھیج دیا کیجے۔ اُسی طرح میں فرداً فرداً بعد اصلاح بھیج دیا کروں گا، مگر میرے قبلہ و کعبہ واسطے خدا کے، شجرۂ منظومہ ارسال نہ فرمائیے گا۔ اُس کی اصلاح میری حدِ وسع سے باہر ہے۔ میرا شیوہ نہیں ہے خط بیرنگ بھیجنا۔ یہ خط عمداً بیرنگ بھیجتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ پیڈ کے تلف ہونے کا احتمال ہے اور بیرنگ کا نہیں۔

شنبہ دوم جون ۱۸۶۶ء اسد اللہ

(۷)

سید صاحب و قبلہ!

عنایت نامہ مع قصیدہ پہنچا۔ پس و پیش ایک رافت نامہ پیر و مرشد سید ابراہیم علی خاں بہادر اور ایک عطوفت نامہ قبلہ و کعبہ سید عالم خاں بہادر کا پہنچا۔ میں علی کا غلام اور اولادِ علی کا خانہ زاد، لیکن بوڑھا، ناتواں اور مسلوب الحواس اور بے سروسامان، خدمت بجا لانے میں عذر کروں تو گنہ گار۔ درنگ و توقف کا مضائقہ نہیں۔ لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا۔

خداوندِ نعمت! کیا تم دلّی کو آباد اور قلعے کو معمور اور سلطنت کو بہ دستور سمجھے ہوئے ہو جو حضرت شیخ کا کلام اور صاحب زادہ شاہ قطب الدین ابن مولانا فخر الدین علیہ الرحمتہ کا حال پوچھتے ہو؟ آں دفتر را گاؤ خورد و گاؤ را قصاب برد و قصاب در راہ مرد۔

بادشاہ کے دم تک یہ باتیں تھیں۔ خود میاں کالے صاحب مغفور کا گھر اس طرح تباہ ہوا کہ جیسے جھاڑو پھیر دی۔ کاغذ کا پرزا، سوتے کا تار، پشمینے کا بال باقی نہ رہا۔ شیخ کلیم اللہ جہان آبادی رحمتہ اللہ علیہ کا مقبرہ اُجڑ گیا۔ مقبرہ کیا ایک اچھے گاؤں کی آبادی تھی۔ اُن کی اولاد کے لوگ تمام اُس موضع میں سکونت پذیر تھے۔ اب ایک جنگل ہے اور میدان میں قبر۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ وہاں کے رہنے والے اگر گولی سے بچے ہوں گے تو خدا ہی جانتا ہوگا کہ کہاں ہیں؟ اُن کے پاس شیخ کا کلام بھی تھا، کچھ تبرکات بھی تھے۔ اب جب وہ لوگ ہی نہیں تو کس سے پوچھوں

کیا کروں؟ کہیں سے یہ مدعا حاصل نہ ہو سکے گا۔

سید صاحب قبلہ! کیوں تکلیف کرتے ہیں؟ اگر یہی مرضی ہے تو اتحاف وابد آ تکلف محض ہے۔ فقیر بے سوال ہوں۔ اگر کچھ بھیج دیں گے رد نہ کروں، اگر نہ بھیجیں گے طلب نہ کروں گا۔ کم و بیش پر نظر نہ کریں، جتنے کا چاہیں نوٹ خط میں لپیٹ کر بھیج دیں۔ والسلام۔

روز شنبہ یکم ستمبر ۱۸۶۶ء از اسد اللہ

(۸)

قبلہ!

کل ڈاک کے ہرکارے نے کُل دو خط ایک بار پہنچائے۔ ایک آپ کا خط مع غزل اور ایک نواب میر ابراہیم علی خاں کا خط مع غزل۔ آج تین باتیں ضروری لکھنی تھیں۔ اس واسطے یہ خط آج روانہ کرتا ہوں۔ ایک بات یہ کہ غزل کا کاغذ واپس بھیجتا ہوں۔ نہ اس کو پھاڑ سکوں، نہ پانی میں دھو سکوں۔ شہیدی کی غزل ان قافیوں میں بہ تغیرِ ردیف ایسی ہے کہ اب ان قافیوں کا باندھنا ہرگز نہ چاہیے۔ آپ اور غزل لکھیے، اس کو ہرگز دیوان میں نہ رکھیے۔

یہ بھی اس ضمن میں لکھنا مناسب ہے کہ میر ابراہیم علی خاں صاحب نے اپنی اصلاحی غزل کی رسید کل کے خط میں لکھ بھیجی۔ آپ اپنے خط میں کس راہ سے لکھتے ہیں کہ وہ غزل اصلاحی مانگتے ہیں؟ اسی فصل میں یہ بھی اطلاع دیتا ہوں کہ آپ کی یہ غزل "سُلا کر سوئے" اور "نہا کر سوئے" اور تاریخ ہائے بنائے مسجد دیکھ کر اور اصلاح دے کر آج پانچواں دن ہے کہ ڈاک میں بھیج چکا ہوں۔

دوسری یہ بات ہے کہ آپ سید صاحب کا حال مفصل لکھیے۔ ایسا کئے لاکھ کا ملک بڑودے کی سرکار سے ہمارے محسن کو ملا ہے کہ اُن سے دو لاکھ روپیے نذرانہ مانگا جاتا ہے؟ آگے اُس راج میں حسام الدین حسین خاں اور شرف الدین حسین خاں بڑے معزز اور مکرم متوسل تھے اور سیر حاصل جاگیریں رکھتے تھے۔ کیا سید ابراہیم علی خاں صاحب اُسی خاندان میں سے ہیں؟ اور ہاں

یہ بھی لکھیے کہ میر عالم علی خاں کو اُن سے اور آپ کو ان دونوں صاحبوں سے کیا قرابت ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ جب نوٹ بھیجیے تو اہلِ کلکتہ کی طرح آدھا آدھا دوبار کر کے نہ بھیجے گا۔ میرے نام کا لفافہ جس شہر سے چلے، اُسی شہر کے ڈاک گھر میں رہ جائے تو رہ جائے، ورنہ دلّی کے ڈاک خانے میں پہنچ کر کیا امکان ہے کہ تلف ہو۔

۲۵ دسمبر ۱۸۶۶ء — اسد

(۹)

حضرت!

یہ آپ کے جدِ امجد کا غلام تو مر لیا۔ کثرتِ احکام، تواترِ ورودِ اشعار، پھر یہ ہنجار کہ سو روپے کے نوٹ کی رسید سو بار مانگتے ہو۔ میر ابراہیم علی خاں کی غزل جس کا ایک شعر یہ ہے :

علی علی جو کہا، تا سحر تو یوں سمجھے

کہ ذوالفقار سے کٹتی ہے اب ہماری رات

بعد اصلاح بھیج چکا ہوں اور آپ اُس کا تقاضا کیے جاتے ہیں۔ غزلیں آپ کی برستی ہیں، کہاں تک دیکھوں؟ آپ کی غزلوں کے ساتھ اور غزلیں بھی گم ہو جاتی ہیں۔ بہتّر برس کا آدمی، پھر رنجور دائمی، غذا یک قلم مفقود۔ آٹھ پہر میں ایک بار آبِ گوشت پی لیتا ہوں، نہ روٹی نہ بوٹی، نہ پلاؤ، نہ خشکا۔ آنکھ کی بینائی میں فرق، ہاتھ کی گیرائی میں فرق۔ رعشہ مستولی، حافظہ معدوم۔ جہاں جو کاغذ رہا، وہ وہیں رہا۔ میر عالم خاں صاحب کی دو غزلیں آئی ہوئی کہیں رکھ کے بھول گیا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ نوٹ عطیہ سید صاحب کا، آپ کے خط میں پہنچا۔ روپیہ وصول ہوا۔ معاً خرچ ہوا۔ اُن کی ایک غزل "ساری رات" "ہماری رات" جس کا ایک شعر اوپر لکھ آیا ہوں۔ بعد اصلاح بھیج چکا ہوں اور کوئی غزل اُن کی اب میرے پاس نہیں اور جناب میر عالم علی خاں کی دو غزلیں، یاد ہے کہ آئی ہیں، اگر مل جائیں گی تو بعد اصلاح بھیجوں گا۔

آپ کی غزلیں شمار سے باہر ہیں۔ بکس میں دیکھوں گا، کتابوں میں ڈھونڈوں گا۔ مدعا یہ کہ آپ اور دونوں سید صاحب اس کا التزام کریں کہ ایک غزل اپنے خط میں بھیجیں۔ جب وہ غزل

اور اُس خط کا جواب پہنچ لے، تب دوسری غزل خط میں ملفوف ہو کر بھیجی جائے اور خط ہر صاحب کا جدا ہو۔ آپ یہ میرا خط خود غور سے پڑھ لیں اور دونوں سید صاحبوں کو پڑھوا دیں۔ از روے احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔

۱۸ اکتوبر ۱۸۶۶ء

اسد یک رنگ

(۱۰)

سید صاحب و قبلہ حکیم سید احمد حسن صاحب کو غالب نیم جاں کا سلام پہنچے۔ وہ جو آپ نے سنا ہے کہ اب غالب کو مرض سے افاقت ہے، سو محض غلط ہے۔ آگے ناتواں تھا، اب نیم جاں ہوں۔ خط نہیں لکھ سکتا۔ ایک لڑکے سے یہ چند سطریں لکھوا دی ہیں جو میں کہتا گیا ہوں، وہ غریب لکھتا گیا ہے۔

آپ سید ہیں اور بزرگ ہیں۔ میرے حق میں دعا کریں کہ اب بہتر برس سے آگے نہ بڑھوں اور اگر کچھ زندگی اور ہے تو حق تعالیٰ تھوڑی سی صحت اور طاقت عنایت کرے تاکہ دوستوں کی خدمت بجا لاتا رہوں۔

۲ جولائی ۱۸۶۷ء

غالب

(۱۱)

جناب سید صاحب و قبلہ سید احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کی بندگی مقبول ہو اور یہ عرض بھی قبول ہو کہ جناب معلیٰ القاب نواب ابراہیم علی خاں بہادر کی خدمت میں میری بندگی عرض کریں۔

بارے یہ صورتِ تصویر دونوں صاحبوں کی خدمت میں میرا پہنچنا معلوم ہوا اگرچہ اس صورت میں چلنا پھرنا، خدمت بجا لانی نہیں ہو سکتی، مگر خیر، حضرت کے پیشِ نظر حاضر رہوں گا۔ عنایت کی نظر رہے میرے حال پر۔

یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ نواب صاحب قبلہ کے ہاں اس مہینے میں لڑکا پیدا ہونے والا ہے، مجھ کو تاریخ تولد کا خیال رہے گا۔ جب آپ کی تحریر سے نویدِ تولد معلوم کر لوں گا، تب قطعہ یا رباعی جو کچھ ہو گئی ہو گی، وہ بھیج دوں گا اور یہ جو آپ نے اپنی اور نواب صاحب کی غزلوں کی اصلاح کے واسطے لکھا ہے، مجھے اس حکم کی تعمیل بہ دل منظور ہے۔ جس مہینے تک میں زندہ ہوں اُس مہینے تک خدمت بجا لاؤں گا۔

۱۷ جولائی ۱۸۶۷ء

منشی سخاوت حسین

مشفقی مکرمی منشی سخاوت حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ!

سبحان اللہ! آپ کے خط کا جواب نہ لکھوں۔ اپنے کو نفرین کروں، اگر شتاب نہ لکھوں۔ اِس وقت ڈاک کے ہرکارے نے تمھارا خط دیا۔ اِدھر پڑھا اُدھر جواب لکھنے کا قصد کیا۔ میں ایک شخص گوشہ نشین، فلک زدہ، اندوہ گیں، نہ اہلِ دنیا نہ اہلِ دیں۔ مجھ سے نکمے آدمی کا جو کوئی مشتاق ہو، اُس کے خط کا جواب لکھنا کیوں مجھ پر شاق ہو۔ ظاہرا تم خود مجمعِ حسنِ اخلاق ہو ورنہ کیوں تم کو میرا اس قدر اشتیاق ہو۔ ہاں ایک بری بھلی شاعری اُس کا حال یہ ہے کہ آگے جو کچھ کہا سو کہا، اب شاعر بھی نہیں رہا۔ بہ ہر حال تمھاری فقیر نوازی کا شکر گزار اور طالبِ دیدار ہوں۔

چاشتگاہ دوشنبہ ۴ فروری ۱۸۶۱ء — نجات کا طالب غالب

منشی بہاری لال مشتاقؔ

(۱)

سعادت مند باکمال، منشی بہاری لال کو بہ یمنِ تاثیرِ دعاے غالبِؔ خستہ حال، عمر و دولت و اقبال فراواں ہو۔

منشی من بھاون لال تمھارے والد ماجد کا انتقال موجبِ رنج و ملال ہوا۔ اگرچہ اُس رہروِ جادۂ فنا سے میری ملاقات نہ تھی، لیکن تمھارے تنہا اور بے مربّی رہ جانے کا میں نے بہت غم کھایا۔ خدا اُن کو بخشے اور تم کو صبر عطا کرے۔

۲۶ فروری ۱۸۶۵ء

غالبؔ

(۲)

برخوردار بہاری لال!

مجھ کو تم سے جو محبت ہے، اُس کے دو سبب ہیں: ایک تو یہ کہ تمھارے خال فرخ فال منشی مکند لال میرے بڑے پرانے یار ہیں۔ خوش خو، شگفتہ رو، بذلہ گو، دوسرے تمھاری سعادت مندی اور خوبی اور حلم اور بہ قدر حال علم، اردو نظم و نثر میں تمھاری طبع کی روانی اور تمھارے قلم کی گل فشانی، مگر چوں کہ تم کو مشاہدۂ اخبارِ اطراف اور خود اپنے مطبع کے اخبار کی عبارت کا شغلِ تحریر ہمیشہ رہتا ہے۔ بہ تقلید اور انشا پردازوں کے تمھاری عبارت میں بھی املا کی غلطیاں ہوتی

ہیں۔ میں تم کو جا بہ جا آگاہ کرتا رہتا ہوں۔ خدا چاہے تو املا کی غلطی کا ملکہ زائل ہو جائے، مگر بہاری لال! اس نونہالِ باغِ دولت یعنی حکیم غلام رضا خاں کے دوامِ صحبت کو اپنے طالع کی یاوری سمجھو۔ یہ دانشمند ستودۂ خوے امیر نامور ہونے والا اور مراتبِ اعلیٰ کو پہنچنے والا ہے۔ اس کی ترقی کے ضمن میں تمھاری بھی ترقی ہونے والی ہے:

بیا دامانِ صاحب دولتے گیر
کہ مرد از صاحبِ دولت شود پیر

میاں! سچ تو یوں ہے کہ "اکمل المطابع"، "اجمل المطابع" بھی ہے۔ حکیم غلام نبی خاں من جملۂ خوبانِ روزگار ہیں۔ نکو خوے اور نیکو کردار ہیں۔ میر فخر الدین آزاد منش اور سعادت مند نوجوان ہیں۔ کم گفتار اور مرنج و مرنجان ہیں۔ تم چاروں شخص پیکرِ صدق و صفا مہر و ولا کے چار عنصر ہو۔ جہاں آفریں۔ تم چاروں صاحبوں کو خوشنود و دل شاد اور "اکمل المطابع" کو بارونق اور آباد رکھے۔

۷ جون ۱۸۶۸ء   غالب

ظہیر الدین کی طرف سے اُن کے چچا کے نام

جناب فیض مآب چچا صاحب قبلہ و کعبۂ دو جہاں کے حضور میں کورنش و تسلیم پہنچاتا ہوں اور سو ہزار زبان سے اس توپ کے مرحمت فرمانے کا شکر بجا لاتا ہوں۔ سُبحان اللہ! کیا توپ ہے۔ جس کی آواز سے رعد کا دم بند اور رنجک کے رشک سے بجلی کو رنج، گولا اُس کا خدا کا قہر، دھواں اُس کا دریائے آتش کی لہر۔ استغفر اللہ، کیا باتیں کرتا ہوں۔ جھوٹ سے دفتر بھرتا ہوں۔ کیسی رنجک، کیسا دھواں، کیسا گولا، کیسا چھرّا، کیسا گراب۔ یہ وہ توپ ہے کہ بغیر ان عوارض کے صرف اُس کی آواز سے رستم کا زہرہ ہو جائے آب۔ بارود ہو تو رنجک اڑے، آگ دکھائیں تو دھواں ہو۔ گولا، چھرّا کچھ اُس میں بھریں تو ظاہر میں کہیں نشان ہو۔ صرف آواز پر مدار ہے۔ نئی ترکیب اور نیا کاروبار ہے۔ ایک آواز اور اُس میں یہ اعجاز کہ دوست کو فتح کی شلک کی صدا سنائے۔ دشمن سنے تو ہیبت سے اس کا کلیجا پھٹ جائے۔ آواز کا صدمہ اگرچہ صدائے صور سے دونا ہے، مگر ہمیں یہی کہتے بن آتی ہے کہ صور کا نمونہ ہے۔ کیا خدا کی قدرت ہے، دیکھو تو یہ کیسی ندرت ہے۔ توپ کا گولا توپ ہی میں رہ جائے اور جو قلعہ زد پر آئے وہ ڈھے جائے۔ دانا آدمی زنجیری گولا اس کو کہتا ہے کہ توپ میں سے نکل کر پھر وہیں اُلجھ رہتا ہے۔ اچھے میرے چچا جان، یہ توپ کس نے بنائی ہے اور تمھارے ہاتھ کہاں سے آئی ہے؟ جو دیکھتا ہے وہ حیران ہوتا ہے۔ اب شہر میں ہر جگہ اس کا بیان ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ آپ کو ہمارے سر پر سلامت رکھے اور ہمیشہ بہ دولت و اقبال و عزّ و کرامت رکھے۔

" لو میاں ظہیر الدین ہم نے مسودہ دیکھ کر بھیج دیا ہے۔ تم اس کو اپنے ابا سے پڑھ لو اور اس کی نقل کرا کر اپنے چچا جان کو بھیج دو۔ "

سیّد بدر الدّین احمد کاشفؔ المعروف بہ فقیر

(۱)

مخدوم و مکرم جناب فقیر صاحب کی خدمتِ عالی میں عرض کیا جاتا ہے کہ بہت دن سے آپ نے مجھ کو یاد نہیں کیا اور مجھ کو کچھ آپ کا حال معلوم نہیں۔

بابو صاحب خدا جانے کہاں ہیں اور کس کام میں ہیں؟ اُن کا بھی کچھ حال مجھ کو معلوم نہیں۔ منشی ہرگوپال تفتہ کی تحریر سے بابو صاحب کا حال اکثر اور تمھاری خیر و عافیت گاہ گاہ دریافت ہو جاتی تھی۔ سو وہ بہت دنوں سے علی گڑھ میں ہیں۔ اگرچہ خط اُن کے آتے رہتے ہیں مگر اُن کو بھی بابو صاحب کا حال معلوم نہیں، اور تم سے تو بُعد ہی ہے، پھر تمھاری خیر و عافیت کیا لکھیں۔

بہ ہر حال مقصود اِس تحریر سے یہ ہے کہ نواب میر علی نقی خاں صاحب آپ سے ملیں گے۔ یہ بہت عالی خاندان ہیں۔ نواب ذوالفقار خاں اور نواب اسد خاں کی اولاد میں سے ہیں اور تمھارے ماموں صاحب یعنی نواب محمد میر خاں مغفور کے بڑے دوست ہیں۔ اب یہ نوکری کی جستجو کو نکلے ہیں۔ آپ اُن کی تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں اور راج کا حال سب اُن پر ظاہر کریں اور اہالیِ سرکار سے اُن کو ملوا دیں، اور بابو صاحب سے جو اُن کو ملوائیے تو یہ میرا خط جو آپ کے نام کا ہے، جناب بابو صاحب کو پڑھوا دیجے۔ کیا خوب ہو کہ یہ اُس سرکار میں نوکر ہو جاویں اور اگر نوکری کی صورت نہ بنے تو راج سے اُن کی رخصت بہ آئینِ شائستہ عمل میں آوے۔

نواب اسد خاں، عالم گیر کے وزیر تھے اور فرخ سیر اُن کا بیٹھایا ہوا تھا۔ جب فرخ سیر نے ذوالفقار خاں کو مار ڈالا تو از روئے کتبِ تاریخ، ظاہر ہے کہ سلطنت کیسی برہم ہو گئی۔ اور خود فرخ سیر پر کیا گزری۔ قصہ کوتاہ ان کی تقریب میں جو مدارج آپ صرف کریں گے اور جس قدر آپ اُن کی بہبود میں کوشش کریں گے، احسان مجھ پر ہوگا۔

زیادہ زیادہ۔

۱۸۵۳ء — اسد اللہ

(۲)

حضرت مخدوم و مکرم و معظم جناب فقیر صاحب دامت برکاتہم۔ بعد بندگی عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کا عنایت نامہ پہنچا، حال معلوم ہوا۔ بابو صاحب کے واسطے میرا دل بہت جلا۔ زمانہ ان دنوں میں اُن سے بر سرِ امتحان ہے۔ پروردگار اُن کو سلامت رکھے اور صبر و شکیب عطا کرے۔ علاقہ مساعدت روزگار کی وہ صورت، شدائد رنج سفر کی وہ حالت، ناسازیِ مزاج کا وہ رنگ۔ ان سب باتوں سے علاوہ یہ کتنی بڑی مصیبت ہے کہ جوان داماد مر جاوے اور بیٹی بیوہ ہو جاوے۔ مرگ و زیست کا سر رشتہ خدا کے ہاتھ ہے، آدمی کیا کرے، دل پر میرے جو گزری ہے وہ میرا دل جانتا ہے۔ ہاں بہ حسبِ ظاہر تعزیت نامہ لکھنا چاہیے۔ حیران ہوں کہ اگر خط لکھوں تو کس پتے سے لکھوں؟ ناچار ابھی تامل ہے جب وہ بھرت پور آ جائیں تو آپ اُن کے آنے کی مجھ کو اطلاع دیجیے گا، کچھ لکھ بھیجوں گا۔

نواب علی نقی خاں صاحب کے خط کے جواب میں جو آپ نے مجھ کو لکھا تھا۔ وہ مجھ کو یاد ہے گا۔ جب نواب صاحب آ جائیں گے، میں اُن کو سمجھا دوں گا۔

آپ ہندی اور فارسی غزلیں مانگتے ہیں۔ فارسی غزل تو شاید ایک بھی نہیں کہی۔ ہاں ہندی غزلیں قلعے کے مشاعرے میں دو چار لکھی تھیں۔ سو وہ یا تمھارے دوست حسین مرزا صاحب کے پاس ہوں گی، یا ضیاءالدین خاں صاحب پاس۔ میرے پاس کہاں؟ آدمی کو یہاں اتنا

توقف نہیں کہ وہاں سے دیوان منگوا کر نقل اُتروا کر بھیج دوں۔

سید محمد صاحب کو اور اُن کے دونوں بھائیوں کو میری دعا پہنچے۔

نگاشتۂ چارشنبہ ۱۳ ربیع الثانی ۱۲۷۱ھ

مطابق ۳ جنوری ۱۸۵۵ء اسداللہ

(۳)

حضرت!

آپ کے خط کے جواب لکھنے میں درنگ اس راہ سے ہوئی کہ میں منتظر رہا، میاں کے آنے کا۔ اب جو وہ مجھ سے مل گئے اور ان کی زبانی سارا حال سن لیا تو جواب لکھنے بیٹھا۔ بنو صاحب، ایک منشی محمد تقی ہی تو نہیں، یہاں تو سارا وہن ہے۔ محمد تقی ایک، اُس کی دو بہنیں، تین۔ منشی آغا جان کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا، چار۔ یہ سات مدعی۔ ایک ان میں سے سید کی بی بی بھی سہی۔ نہ وہ حکام ہیں جن کو میں جانتا تھا، نہ وہ عملہ ہے جس سے میری ملاقات تھی، نہ وہ عدالت کے قواعد ہیں جن کو پچاس برس میں نے دیکھا ہے۔ ایک کونے میں بیٹھا ہوا نیرنگِ روزگار کا تماشا دیکھ رہا ہوں۔ یا حافظ، یا حفیظ! ورد زبان ہے۔

تمھارے بھائی غلام حسین خاں مرحوم کا بیٹا۔ حیدر حسن خاں، خدا ہی ہے جو بچے، آج تیرھواں دن ہے کہ نہ تپ مفارقت کرتی ہے، نہ دست بند ہوتے ہیں، نہ قے موقوف ہوتی ہے۔ چارپائی کاٹ دی ہے۔ حواس زائل ہو گئے ہیں۔ انجام اچھا نظر نہیں آتا۔ کام تمام ہے۔ والسلام والاکرام۔

مرقومۂ ۲۴ ذیعقدہ ۱۲۷۹ھ

۱۳ مئی ۱۸۶۳ء عافیت کا طالب غالب

(۴)

سید صاحب جمیل المناقب عالی خاندان سعادت و اقبال توامان!

مجھ کو اپنی یاد سے غافل اور سید احمد کی خدمت گزاری سے فارغ نہ سمجھیں، پر کیا کروں

صورتِ مقدمہ عجیب وغریب ہے۔ یہ بہنیں اور اِن کا بھائی باہم موافق رہیں گے تو کوئی صورت نکل آئے گی۔ صامت وناطق، سیم وزر، روپیہ اشرفی، سنتا ہوں کہ کچھ نہیں، ہاں جاداد۔ سو، سید کے اظہار سے معلوم ہوا کہ وہ تقسیم نہ ہوگی۔ کرایہ اُس کا تقسیم ہو جائے گا۔ میں رائے کیا دوں اور سمجھاؤں کیا؟ کئی دن ہوئے کہ میں حسین مرزا صاحب کے ہاں گیا تھا۔ وہاں میاں بھی بیٹھا تھا۔ باہم اُن دونوں صاحبوں میں یہی باتیں ہو رہی تھیں، وہ بھی میری مانند حیرت زدہ تھے۔ قضا و قدر پر چھوڑدو۔ نیرنگِ تقدیر کے تماشائی رہو، گھاٹا نہیں، ٹوٹا نہیں، نقد مال کا پتا نہیں! املاک کا کرایہ بٹ رہے گا، گھبراتے کیوں ہو؟ یہ دلّی والوں کی خفقانیت کے حالات ہیں۔

تمھارا بھتیجا یعنی سید رحسن خاں بچ گیا۔ عوارض کی آندھی دفع ہوگئی۔ توقع زیست کی قوی ہے۔ صرف طاقت کا آنا باقی ہے۔ صدمہ بڑا اٹھایا ہے۔ مہینا بھر میں جیسے تھے ویسے ہو جائیں گے۔ اِنْشَاءَ اللّٰہ العَلیِّ العَظِیْم۔

صبح دوشنبہ ۲۵ مئی ۱۸۶۳ء

(۵)

پیر و مرشد!

آج نواں دن ہے حسین مرزا صاحب کو الور گئے۔ اگر ہوتے تو اُن سے پوچھتا کہ حضرت میرا دیوان کس مطبع میں طبع ہوا اور حاشیے اُس پر کس نے چڑھائے۔ خدا جانے حسین مرزا نے کیا کہا اور حضرت کیا سمجھے۔ اب یہ حقیقت مجھ سے سنیے۔ ۱۸۶۲ء یعنی سالِ گذشتہ میں "قاطعِ برہان" چھپی۔ پچاس جلدیں میں نے مول لیں اور یہ وہ زمانہ ہے کہ آپ دلّی آئے ہیں۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ یہ تمھارے کس کام کی ہے، تمھیں نہ دی۔ تم مانگتے اور میں نہ دیتا تو گنہ گار تھا۔ اب کوئی جلد باقی نہیں ہے۔ رہا دیوان، اگر ریختہ کا منتخب کہتے تو وہ اس عرصے میں دلّی اور کان پور دو جگہ چھاپا گیا اور تیسری جگہ آگرے میں چھپ رہا ہے۔ فارسی کا دیوان بیس

پچیس برس کا عرصہ ہوا، جب چھپا تھا، پھر نہیں چھپا، مگر ہاں سالِ گزشتہ میں منشی نول کشور نے شہاب الدین خاں کو لکھ کر کلیاتِ فارسی جو ضیا الدین خاں نے غدر کے بعد بڑی محنت سے جمع کیا تھا، وہ منگا لیا اور چھاپنا شروع کیا، وہ پچاس جز ہیں، یعنی کوئی مصرع میرا اُس سے خارج نہیں، اب سنا ہے کہ وہ چھپ کر تمام ہو گیا ہے۔ روپیے کی فکر میں ہوں، ہاتھ آجائے تو پینسٹھ روپیے بھیج کر بیس جلدیں منگواؤں۔ جب آجائیں گی ایک آپ کو بھیج دوں گا۔

نواب محی الدین خاں صاحب کا حال سن کر جی بہت خوش ہوا، میری طرف سے سلام نیاز کے بعد مبارک باد دینا۔

جون ۱۸۶۳ء

منشی عبد اللطیف

(۱)

برخوردار نورِ چشم عبد اللطیف سَلّمہُ اللہُ تعالیٰ!

بعد دعاے دوامِ دولت و طولِ عمر معلوم کریں کہ بھائی صاحب کے کہنے سے معلوم ہوا کہ تمھارے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ بہت مجھ کو خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تم کو مبارک کرے اور تم کو تمھارے باپ کے سایۂ عطوفت اور اس کو تمھارے ظلِ رافت میں سلامت رکھے۔ اس کی اولاد تم کو دکھلاوے۔

معلوم ہے کہ بھائی صاحب دورے کو گئے ہیں۔ اُن کے نام کا خط تمھارے خط کے ساتھ بے لفافہ بھیجتا ہوں اس کو پڑھ لینا اور قطعۂ تاریخ کی نقل لے لینا اور خط کو اپنی عرضی میں ملفوف کر کے اپنے والد ماجد کو بھیج دینا اور جو نام رکھو اس سے مجھ کو اطلاع دینا۔ میں چاہتا ہوں کوئی نام ایسا ملے کہ جس کے اعداد سے سالِ ولادت ظاہر ہو۔ والدعا۔

مرسلہ دوشنبہ، ۱۰ مارچ ۱۸۵۱ء   از اسد اللہ

(۲)

صاحب!

آگے تمھارا ایک خط، پھر بارہ کتابوں اور ایک جنتری کا پارسل پہنچا۔ بعد اُس کے کل ایک خط اور آیا۔ ریڈ صاحب کے وہاں آنے کا حال معلوم ہوا آج چھے دسمبر کی ہے۔ سات

کو بہ موجب تمھارے لکھنے کے وہ وہاں سے جانے والے ہیں اور مجھ کو معلوم ہے کہ میرٹھ آئیں گے۔ دو دن کے بعد بہ مقام میرٹھ خط روانہ کروں گا۔ خاطر جمع رکھو۔

وہ صاحب مہر جیسا لکھیں مجھ کو اطلاع دینا، رہی تمھاری مہر، اُس کا کچھ خیال نہ کرو۔ وہ جس طرح تم نے لکھا ہے، بن جائے گی۔ مگر بھائی، ۱۸۵۸ء میں دن کے باقی رہے ہیں۔ آج چھٹے دسمبر کی ہے۔ چوبیس پچیس دن باقی ہیں ۱۸۵۹ء میں، جنوری کے مہینے میں خدا چاہے تو کھد جائے گی۔ تم میرے بجائے فرزند ہو۔ میرے بھتیجے ہو۔ جو تمھارا کام ہو بے تکلف کہو، شرم کیا اور تکلف کیوں، یہ مہر کا کھدنا کون سا کام ہے۔

مرزا حاتم علی صاحب ملیں تو میرا اسلام کہنا اور مرزا تفتہ کو خط لکھو تو میری سفارش لکھنا، وہ مجھ سے خفا ہو گئے ہیں اور خط نہیں لکھتے۔

۶ دسمبر ۱۸۵۸ء

دو شنبہ ۲۹ ربیع الآخر ۱۲۷۵ھ

غالب

منشی شیو نارائن آرام

(۱)

گمانِ زیست بود بر منت زِ بے دردی
بداست مرگ ولے بدتر از گمانِ تو نیست

مجھے زندہ سمجھتے ہو جو نثرِ فارسی کی فرمایش کرتے ہو؟ غنیمت نہیں جانتے کہ مردہ کچھ لکھ کر بھیج دیتا ہے۔

پنسن اگرچہ ملے گا پر دیکھیے کب ملے گا۔ اُس کے ملنے تک کیا ہو گا اور اُس کے ملنے سے میرا کیا کام نکلے گا؟ قطعِ نظر ان امور سے، اُس وجہِ قلیل کو کس بستی میں بیٹھ کر کھاؤں گا؟ یہ شہر اب شہر نہیں، قہر ہے۔

قصیدے کے اشعار ابھی کیوں بھیجو، جب زیبِ انطباع پا چکے، تب ایک مُہر مجھ کو بھیج دینا۔

میں نے بعد توطیہ و تمہیدِ آغازِ مئی ۱۸۵۷ء سے اپنی سرگذشت لکھی ہے اور بہ حیثیت اقتضائے مقام وقائع بھی اس میں درج کیے ہیں۔ شیوۂ لزوم مالا یلزم مرعی رکھا ہے، یعنی عبارت فارسی بے آمیزش لفظِ عربی لکھی ہے اور فارسی بھی وہ فارسیِ قدیم کہ جس کا اب پارس کے بلاد میں بھی نشان نہیں، تا بہ ہندوستان چہ رسد؟ چالیس صفحے لکھ چکا ہوں۔ اتمام میں

انتظار یہی ہے کہ پنشن کا مقدمہ طے ہو چکے، ملے یا جواب ملے اور میں بہ ہر حال کسی جگہ اقامت گزیں ہوں۔ ہاں اُس کے وقوع تک جو کچھ قابلِ تحریر جوانب اجانب سے معلوم ہوگا، وہ ناچار لکھ دوں گا۔ یہاں کوئی چھاپے خانہ نہیں ہے۔ اگر اجازت دو گے تو بعد اختتام اِن اوراق کو تمھارے پاس بھیج دوں گا تاکہ ہزار جلد منطبع ہو کر اُجڑی ہوئے قلمروِ ہند میں پھیل جائیں:

مگر صاحب دلے روزے بہ رحمت

کند در حقِ ایں مسکیں دعاے

شیر زماں خاں اپنے باپ کی رہائی کی فکر میں میرٹھ گئے ہیں، کس واسطے کہ وہ غریب یہاں کی حوالات میں سے تحقیقات کے لیے وہاں بھیجا گیا۔

یکشنبہ ۱۸ جولائی ۱۸۵۸ء غالبِ بے نوا

(۲)

صاحب!

خط پہنچا، اخبار کا لفافہ پہنچا، لفافوں کی خبر پہنچی، آپ نے کیوں تکلیف کی؟ لفافے بنانا، دل کا بہلانا ہے، بے کار آدمی کیا کرے؟ بہ ہر حال جب لفافے پہنچ جائیں گے، ہم آپ کا شکر بجالائیں گے:

ہر چہ از دوست می رسد، نیکوست

یہاں آدمی کہاں ہے کہ اخبار کا خریدار ہو۔ مہاجن لوگ جو یہاں بستے ہیں، وہ یہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ گیہوں کہاں سستے ہیں۔ بہت سخی ہوں گے تو جنس پوری تول دیں گے۔ کاغذ روپیہ مہینے کا کیوں مول لیں گے؟

کل آپ کا خط آیا۔ رات بھر میں نے فکرِ شعر میں خونِ جگر کھایا۔ اکیس شعر کا قصیدہ کہہ کر تمھارا حکم بجالایا۔ میرے دوست خصوصاً مرزا تفتہ جانتے ہیں کہ میں فنِ تاریخ کو نہیں

جانتا۔ اس قصیدے میں ایک روشِ خاص سے اظہار ۱۸۵۵ء کا کردیا ہے۔ خدا کرے تمھارے پسند آوے۔ تم خود قدر دانِ سخن ہو اور تین اُستاد اس فن کے تمھارے یار ہیں، میری محنت کی داد مل جائے گی:

قصیدہ

ملاذِ کشور و لشکر، پناہِ شہر و سپاہ
جنابِ عالیِ ایلن برونِ والا جاہ

بلند رتبہ وہ حاکم، وہ سرفراز امیر
کہ باج تاج سے لیتا ہے جس کا طرفِ کلاہ

وہ محضِ رحمت و رافت کہ بہرِ اہلِ جہاں
نیابتِ دمِ عیسیٰ کرے ہے جس کی نگاہ

وہ عینِ عدل، کہ دہشت سے جس کی پرسش کی
بنے ہے شعلۂ آتش انیسِ پرِ کاہ

زمیں سے سودۂ گوہر اُٹھے بجائے غبار
جہاں ہو توسنِ حشمت کا اُسکے جولاں گاہ

وہ مہرباں ہو، تو انجم کہیں، "الٰہی شکر"
وہ خشمگیں ہو، تو گردوں کہے، "خدا کی پناہ"

یہ اُس کے عدل سے اضداد کو ہے آمیزش
کہ دشت و کوہ کے اطراف میں بہ ہر سرِ راہ

ہزبر، پنجے سے، لیتا ہے کام شانے کا
کبھی جو ہوتی ہے اُلجھی ہوئی دُمِ روباہ

نہ آفتاب، ولے آفتاب کا ہم چشم
نہ بادشاہ، ولے مرتبے میں ہمسرِ شاہ

خدا نے اُس کو دیا ایک خوب رو فرزند
ستارہ جیسے چمکتا ہوا بہ پہلوئے ماہ

زہے ستارۂ روشن، کہ جو اُسے دیکھے
شعاعِ مہرِ درخشاں ہو اُس کا تارِ نگاہ

خدا سے ہے یہ توقع کہ عہدِ طفلی میں
بنے گا شرق سے تا غرب اِس کا بازی گاہ

جوان ہو کے کرے گا یہ، وہ جہاں بانی
کہ تابع اُس کے ہوں روز و شبِ سپید و سیاہ

کہے گی خلق اسے داورِ سپہر شکوہ
لکھیں گے لوگ اسے خسروِ ستارہ سپاہ

عطا کرے گا خداوندِ کارساز اسے
روانِ روشن و خوئے خوش و دلِ آگاہ

ملے گی اس کو عقلِ نہفتہ داں، کہ اسے
پڑے نہ قطعِ خصومت میں احتیاجِ گواہ

یہ ترکتاز سے برہم کرے گا کشورِ روس
یہ لے گا بادشہِ چیں سے چھین تخت و کلاہ

سنینِ عیسوی اٹھارہ سو اور اٹھاون | یہ چاہتے ہیں جہاں آفریں سے شام و پگاہ
کہ جتنے سینکڑوں ہیں سب ہزار ہو جاویں | دراز اس کی ہو عمر اس قدر سخن کو تباہ
امیدوارِ عنایت شیو نارائن | کہ آپ کا ہے نمک خوار اور دولت خواہ
یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں عز و جاہ کے ساتھ | تمھیں اور اس کو سلامت رکھے سدا اللہ

۱۸۵۸ء

(۳)

شفیق میرے، مکرم میرے، منشی شیونرائن صاحب!

تم ہزاروں برس سلامت رہو۔ تمھارا مہربانی نامہ اِس وقت پہنچا اور میں نے اِسی وقت جواب لکھا۔ بات یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ دو جزیا چار جز کی کتاب ہو۔ چھے جز سے کم نہ ہو۔ مسطر دس گیارہ سطر کا ہو مگر حاشیہ تین طرف بڑا رہے۔ شیرازے کی طرف کا کم ہو۔ یہ باتیں سب مرزا تفتہ کو لکھ چکا ہوں۔ اُس یارِ بے پروا نے تم سے شاید کچھ نہیں کہا۔ اس کے سوا یہ ہے کہ کاپی کی تصحیح ہو، غلط نامے کی حاجت نہ پڑے، آپ خود متوجہ رہیے گا اور منشی نبی بخش صاحب کو اگر کہیے گا تو وہ بھی آپ کے شریک رہیں گے اور مرزا تفتہ تو مالک ہی ہیں۔

کاغذ شیورام پوری ہو، خیر، مگر سفید و مہرہ کیا ہوا اور لعاب دار ہو۔ پھر یہ ہو کہ حاشیے پر جو لغات کے معنی لکھے جائیں تو اُس کی طرزِ تحریر اور تقسیم دل پسند اور نظر فریب ہو۔ حاشیے کی قلم بہ نسبت متن کی قلم کے خفی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اِن جلدوں میں سے دو جلدیں ولایت کو جائیں گی۔ ایک جناب فیض مآب ملکۂ معظمۂ انگلستان کی نذر اور ایک میرے آقائے قدیم لارڈ الن برا بہادر کی نذر اور چار جلدیں یہاں کے چار حاکموں کی نذر کروں گا۔ مرزا تفتہ کو پانچ جلدوں کو لکھا تھا لیکن اب چھے جلدیں تیار کر دیجیے گا، یعنی شیرازہ اور جلد اور جدول اور ان چھے جلدوں کی جو لاگت پڑے، روپیہ جلد سے لے کر دو روپیہ جلد تک، وہ مجھ سے منگوا بھیجیے گا۔ میں بہ مجردِ طلب کے، فوراً ہنڈوی بھیج دوں گا۔ ایک خریدار بہ پچاس

جلد کے وہاں پہنچے ہیں، واسطے خدا کے مرزا تفتہ سے کہیے کہ اُن سے ملیں۔ یعنی راجا امید سنگھ بہادر اندور والے۔ وہ "چھلی اینٹ" میں پولیس کے پچھواڑے رہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ آپ کا خط آ گیا اور مرزا تفتہ نے مجھے پارسل کی رسید نہیں لکھی۔ اب میرا خط فارسی اپنے نام کا اور یہ خط، دونوں خط، اُن کو دکھا دیجیے گا اور راجا امید سنگھ سے ملنے کو کہیے گا اور ہاں صاحب یہ اُن کو تاکید کیجیے گا کہ وہ رباعی جو میں نے لکھ بھیجی ہے۔ اُس کو سب سے پہلے جہاں اُس کا نشان دیا ہے، اُسی فقرے کے آگے ضرور ضرور لکھ دیجیے گا اور وہ رباعی بیسویں صفحے میں اس فقرے کے آگے ہے۔ "نے نے اختر بخت خسرو در بلندی بجائے رسید کہ رُخ از خاکیاں نہفت" تم اُن کو یاد دلا کر اُن سے لکھوا لینا، ضرور۔ ضرور۔

یہ جو تم نے لکھا کہ صاحب نے سُن کر اُس کو پسند کیا، میں حیران ہوں کہ کون سا مقام تم نے پڑھا ہوگا۔ کیوں کر کہوں کہ صاحب اس عبارت کو سمجھے ہوں گے، اس کی جو حقیقت ہو، مفصل لکھو۔ زیادہ زیادہ۔

سہ شنبہ ۳۱ ماہ اگست ۱۸۵۸ء

ضروری جواب طلب　　　　　　　　　　　　　　راقم اسد اللہ

(۴)

مہاراج!

سخت حیرت میں ہوں کہ منشی ہرگوپال صاحب نے مجھ کو خط لکھنا کیوں چھوڑا اگر مجھ سے خفا ہیں، تو کیوں خفا ہیں اور اگر شہر میں نہیں تو کہاں گئے اور کیوں گئے ہیں اور کب تک آئیں گے؟ آپ مہربانی فرما کر یہ امور مجھ کو لکھ بھیجیے۔ اس سے علاوہ ایک رباعی مرزا تفتہ کو بھیجی ہے اور اُن کو لکھا ہے کہ اُس کو "دستنبو" میں فلاں جگہ درج کر دینا اور ایک دو فقرے بھائی منشی نبی بخش صاحب کو لکھے ہیں اور اُن کو بھی "دستنبو" میں لکھ دینے کا محل بتا دیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں صاحبوں نے میرے کہنے پر عمل کیا اور

انھوں نے نظم کو اور انھوں نے نثر کو کتاب کے حاشیے پر چڑھا دیا یا نہیں؟ تم سے بہ ہزار آرزو خواہش کرتا ہوں کہ اگر وہ رباعی اور وہ فقرے حاشیے پر چڑھ گئے ہیں تو مجھ کو اُن کے لکھے جانے کی اطلاع دیجیے کہ تشویش رفع ہو اور اگر اُن دونوں صاحبوں نے بے پروائی کی ہے، تو واسطے خدا کے، آپ مرزا تفتہ سے رباعی اور منشی نبی بخش صاحب سے دونوں فقرے لے لیجیے اور محلِ تحریر میرے خط سے معلوم کر کے اُن کو جا بجا حاشیے پر رقم کیجیے اور مجھ کو اطلاع دیجیے۔ ضرور۔ ضرور۔ ضرور۔

اور ایک اور کام آپ کو کرنا چاہیے، کہ شاید تیسرے صفحے کے آخر میں یا چوتھے صفحے کے اوّل میں یہ فقرہ ہے۔ "اگر دردم دیگر بہ نہیب مباش بہم برزند۔" "نہیب" کا لفظ عربی ہے؛ یہ سہو سے لکھا گیا ہے، اُس کو چھیل ڈالیے گا اور اس کی جگہ "نوائے مباش" بنا دیجیے گا۔ حقیقت لکھ کر اب سوالات الگ الگ لکھتا ہوں۔

پہلا سوال:۔ مرزا تفتہ کا حال اور اُن کے خط کے نہ آنے کی وجہ لکھیے۔

دوسرا سوال:۔ مرزا تفتہ نے اگر رباعی "دستنبو" کے حاشیے پر لکھ دی ہے تو اُس کی اطلاع ورنہ اُن کے نام کے خط سے رباعی اور تحریر کا محل معلوم کر کے، آپ حاشیے پر لکھ دیں اور مجھ کو اطلاع دیں۔

تیسرا سوال:۔ منشی نبی بخش صاحب نے اگر میری بھیجی ہوئی نثر درج کر دی ہے تو اُس کی اطلاع، ورنہ وہ نثر اُن سے لے کر اور محل معلوم کر کے حاشیۂ کتاب پر لکھ دیجیے اور مجھ کو لکھ بھیجیے۔

چوتھا سوال:۔ آپ، جس طرح اوپر لکھ آیا ہوں "نہیب" کی جگہ "نوائے مباش" کا لفظ بنا کر مجھ پر عنایت کیجیے۔

پانچواں سوال:۔ خریدار پچاس جلدوں کے پہنچے، مرزا تفتہ سے ملے، روپیہ بہ پچاس جلد کی قیمت کا دیا یا ہنوز یہ امور وقوع میں نہیں آئے؟ اس کی اطلاع ضرور

دیجیے۔

چھٹا سوال :۔ چھاپا شروع ہو گیا یا نہیں؟ اگر شروع نہیں ہوا تو کیا سبب؟

متوقع ہوں کہ میرے یہ سب کام از راہِ عنایت بنا کر ان چھے سوال کا جواب، اسی طرح جدا جدا لکھیے اور ضرور لکھیے اور جلد لکھیے۔

روز جمعہ سوم ستمبر ۱۸۵۸ء　　　　راقم اسد اللہ خاں

(۵)

برخوردار نورِ چشم منشی شیو نرائن کو معلوم ہو کہ میں کیا جانتا تھا کہ تم کون ہو۔ جب یہ جانا کہ تم ناظر بنسی دھر کے پوتے ہو تو معلوم ہوا کہ میرے فرزندِ دلبند ہو۔ اب تم کو مشفق و مکرم لکھوں تو گنہ گار۔

تم کو ہمارے خاندان اور اپنے خاندان کی آمیزش کا حال کیا معلوم ہے، مجھ سے سنو، تمھارے دادا کے والد عہدِ نجف خاں وہمدانی میں میرے نانا صاحب مرحوم خواجہ غلام حسین خاں کے رفیق تھے۔ جب میرے نانا نے نوکری ترک کی اور گھر بیٹھے تو تمھارے پردادا نے بھی کمر کھولی اور پھر کہیں نوکری نہ کی۔ یہ باتیں میرے ہوش سے پہلے کی ہیں۔ مگر جب میں جوان ہوا تو میں نے یہ دیکھا کہ منشی بنسی دھر، خاں صاحب کے ساتھ ہیں۔ اور انھوں نے جو کھیم گاؤں اپنی جاگیر کا سرکار میں دعویٰ کیا ہے تو بنسی دھر اُس امر کے منصرم ہیں اور وکالت اور مختاری کرتے ہیں۔ میں اور وہ ہم عمر تھے۔ شاید منشی بنسی دھر مجھ سے ایک دو برس بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں۔ انیس بیس برس کی میری عمر اور ایسی ہی عمر اُن کی۔ باہم شطرنج اور اختلاط اور محبت۔ آدھی آدھی رات گزر جاتی تھی۔ چونکہ گھر اُن کا بہت دور نہ تھا، اس واسطے جب چاہتے تھے، چلے جاتے تھے۔ بس ہمارے اور اُن کے مکان میں مچھیا رنڈی کا گھر اور ہمارے دو کٹرے درمیان تھے۔ ہماری بڑی

حویلی وہ ہے کہ جواب لکھمی چند سیٹھ نے مول لی ہے۔ اسی کے دروازے کی سنگین بارہ دری پر میری نشست تھی اور پاس اُس کے ایک کھٹیا والی حویلی' اور سلیم شاہ کے تکیے کے پاس دوسری حویلی اور کالے محل سے لگی ہوئی ایک اور حویلی اور اُس سے آگے بڑھ کر ایک کٹرا کہ وہ گڈریوں والا مشہور تھا اور ایک کٹرہ کہ وہ کشمیرن والا کہلاتا تھا' اُس کٹرے کے ایک کوٹھے پر میں پتنگ اُڑاتا تھا اور راجا بلوان سنگھ سے پتنگ لڑا کرتے تھے۔ واصل خاں نامی ایک سپاہی' تمھارے دادا کا پیش دست رہتا تھا اور وہ کٹروں کا کرایہ اوگاہ کر اُن کے پاس جمع کرواتا تھا۔

بھائی تم سنو تو سہی' تمھارا دادا بہت کچھ پیدا کر گیا ہے۔ علاقے مول لیے تھے اور زمینداراا اپنا کر لیا تھا' دس بارہ ہزار روپیے کی سرکار کی مالگزاری کرتا تھا۔ آیا وہ سب کارخانے تمھارے ہاتھ آئے یا نہیں؟ اس کا حال ازروے تفصیل' جلد مجھ کو لکھو۔

روز سہ شنبہ ۱۹ اکتوبر ۱۸۵۸ء' وقتِ ورودِ خط۔ اسداللہ

(۶)

نورِ بصر' لختِ جگر' منشی شیو نرائن کو دعا پہنچے۔ خط اور رپورٹ کا لفافہ پہنچا اور سب حال تمھارے خاندان کا دریافت ہوا۔ سب میرے جگر کے ٹکڑے ہیں اور تم اپنے دودمان کے چشم و چراغ ہو۔ العلم طاقتہٗ شوق سے لکھو۔ آخر کے صفحے کی دو سطریں ازروے مضمون سراسر کتاب کے مضمون کے خلاف ہیں۔ میں نے سرکار کی فتح کا حال نہیں لکھا' صرف اپنی پندرہ مہینے کی سرگذشت لکھی ہے۔ تقریباً شہر و سپاہ کا بھی ذکر آگیا ہے اور وہ اپنی سرگذشت جو میں نے لکھی ہے۔ سو ابتداے گیارہ مئی ۱۸۵۷ء سے اکتیس جولائی ۱۸۵۸ء تک لکھی ہے۔ شہر ستمبر میں فتح ہوا۔ اُس کا بھی بیان ضمناً آگیا' خوب ہوا جو تم نے مجھ سے پوچھا' ورنہ بڑی قباحت ہوتی۔ اب میں جس طرح

سے کہوں سو کرو۔ پہلے سونچو، کہ تقسیم یوں ہے کہ تین سطریں اوپر اور تین سطریں نیچے اور بیچ میں ایک سطر، اس میں کتاب کا نام۔ کیوں میاں، تقسیم یوں ہی ہے؟ اب میں دوسرے صفحے پر ساتوں سطریں لکھ دیتا ہوں، اُس کو ملاحظہ کرو اور میرا کہنا مانو ورنہ کتاب کی حقیقت غلط ہو جائے گی اور مطبع پر بات آئے گی۔ اس صفحے میں دو ایک باتیں اور سمجھا دوں کہ وہ ضروری ہیں۔ سنو، میری جان، "نوابی" کا مجھ کو خطاب ہے۔ "نجم الدولہ" اور اطراف و جوانب کے امراسب مجھ کو "نواب" لکھتے ہیں بلکہ بعض انگریز بھی۔ چنانچہ صاحب کمشنر بہادر دہلی نے جو، اب ان دنوں میں ایک روبکاری بھیجی ہے تو لفافے پر "نواب اسد اللہ خاں" لکھا لیکن یہ یاد رہے "نواب" کے لفظ کے ساتھ "مرزا" یا "میر" نہیں لکھتے، یہ خلافِ دستور ہے۔ یا "نواب اسد اللہ خاں لکھو یا "مرزا اسد اللہ خاں" لکھو اور "بہادر" کا لفظ تو دونوں حال میں واجب اور لازم ہے۔

ستمبر ۱۸۵۸ء[1]

(۷)

برخوردار اقبال نشان منشی شیونرائن کو بعد دعا کے معلوم ہو، تمھارے دو خط متواتر پہنچے۔ میرے بھی دو خط لس دپلیٹ پہنچے ہوں گے۔ موافق اُس تحریر کے عمل کیا ہوگا۔ دو جلدیں پرتکلف اور پانچ جلدیں بہ نسبت اُس کے کم تکلّف مرزا حاتم علی صاحب کے عہدۂ اہتمام میں ہیں۔ اُس سے ہم کو اور تم کو کچھ کام نہیں۔ وہ جیسی چاہیں بنوا کر بھیج دیں۔ تم ایک جلد، بس زیادہ صرف کیوں کرو؟ اپنے طور پر، اپنی طرف سے جیسی چاہو، بنوا کر بھیج دو۔ میں تم کو اپنے پیارے یار ناظر بنسی دھر کی نشانی جانتا ہوں۔ اُس کو تمھاری نشانی جان کر اپنی جان کے برابر رکھوں گا۔ باقی حال اپنے خاندان اور تمھارے خاندان[2] کا اور باہم مل کر اپنا اور بنسی دھر کا بڑے ہونا سب تم کو لکھ چکا ہوں، مکرر کیوں لکھوں ؟

بادشاہ کی تصویر کی یہ صورت ہے کہ اجڑا ہوا شہر، نہ آدمی نہ آدم زاد، مگر ہاں دو ایک مصوروں کی آبادی کا حکم ہو گیا ہے، وہ رہتے ہیں، سو وہ بھی بعد اپنے گھروں کے لٹنے کے آباد ہوئے ہیں۔ تصویریں بھی ان کے گھروں میں سے لٹ گئیں۔ کچھ جو رہیں، وہ صاحبانِ انگریز نے بڑی خواہش سے خرید کرلیں۔ ایک مصور کے پاس ایک تصویر ہے، وہ تیس روپیے سے کم کو نہیں دیتا۔ کہتا ہے کہ تین تین اشرفیوں کو میں نے صاحب لوگوں کے ہاتھ بیچی ہیں۔ تم کو دو اشرفی کو دوں گا۔ ہاتھی دانت کی تختی پر وہ تصویر ہے، میں نے چاہا کہ اُس کی نقل کاغذ پر اُتار دے، اُس کے بھی بیس روپے مانگتا ہے اور پھر خدا جانے اچھی ہو یا نہ ہو۔ اتنا صرفِ بے جا کیا ضرور ہے۔ میں نے دو ایک آدمیوں سے کہہ رکھا ہے، اگر کہیں سے ہاتھ آجائے گی تو لے کر تم کو بھیج دوں گا، مصوروں سے خرید کرنے کا نہ خود مجھ میں مقدور، نہ تمھارا نقصان منظور۔

اب چھاپا تمام ہو گیا ہو گا۔ وہ پانچ اور دو سات کتابیں جو مرزا صاحب کی تحویل میں وہ اور وہ ایک جلد جو تم نے مجھ کو دینی کی ہے وہ، یہ سب لوح اور جلد کی درستی کے بعد پہنچ جائیں گی؛ مگر وہ چالیس کتابیں سراسری جو مجھے چاہییں ہیں وہ تو آج کل میں روانہ کر دو اور ہاں، میری جان، یہ چالیس کتابوں کا پشتارا کیوں کر پہنچے گا اور اور محصول اس کا کیا ہو گا؟ اور یہ بھی تو بتاؤ کہ وہ دس جلدیں رائے اُمید سنگھ کے پاس کہاں بھیجی جائیں گی؟ مرزا تفتہ ہاترس کو جاتے ہوئے اُن کا اندور نہ ہونا اور شاید پھر آگرے اور دلّی کا آنا مجھ کو لکھ چکے ہیں۔ ان باتوں کا جواب مجھ کو لکھو تصویر کے باب میں جو کچھ لکھو، وہ کروں اور ان مقدمات سے اطلاع پاؤں۔ جواب جلد لکھو اور مفصل لکھو۔

نگاشتہ و رواں داشتہ ۳ شنبہ ۲۳ اکتوبر ۱۸۵۸ء

از غالب

(۸)

برخوردار کامگار کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ "دستنبو" کے آغاز کی عبارت از روے

احتیاط دو بار ارسال کی ہے، یقین ہے کہ پہنچ گئی ہوگی اور چھاپی گئی ہوگی اور آپ نے اُسی عبارت سے اشتہار بھی اخبار میں چھاپا ہوگا یا اب چھاپیے گا۔

بہ ہر حال، اس شہر کے اخبار سُنیے؛ حکم ہوا ہے کہ دو شنبے کے دن پہلی تاریخ نومبر کو رات کے وقت سب خیر خواہانِ انگریز اپنے اپنے گھروں میں روشنی کریں اور بازاروں میں اور صاحب کمشنر بہادر کی کوٹھی پر بھی روشنی ہوگی۔ فقیر بھی اس تہی دستی میں کہ اٹھارہ مہینے سے پنسن مقرری نہیں پایا، اپنے مکان پر روشنی کرے گا، اور ایک قطعہ پندرہ بیت کا لکھ کر صاحب کمشنر شہر کو بھیجا ہے۔ آپ کے پاس اُس کی نقل بھیجتا ہوں؛ اگر تمھارا جی چاہے تو اس کو چھاپ دو۔ اور جس نمبر میں یہ چھاپا جائے، وہ نمبر میرے دیکھنے کو بھیج دینا۔ اور اب فرمایئے کہ میں کتابوں کے آنے کا کب تک انتظار کروں:

قطعہ

دریں روزگارِ ہمایوں و فرخ
کہ گوئی بود روزگارِ چراغاں
شدہ گوش پر نور چوں چشم بینا
ز آوازۂ اشتہارِ چراغاں
مگر شہر دریاے نور است کاینجا
نگہ گشتہ ہر سو دو چارِ چراغاں
بسر بردہ بر چرخ مہر منور
ہمہ روز در انتظارِ چراغاں
گواہ من اینک خطوط شعاعی
کہ دارد دلش خار خارِ چراغاں

دریں شب روا باشد از چرخ گرداں
کند گنج انجم نثارِ چراغاں
نبودہ ست و در دہر زیں پیش ہرگز
بدیں روشنی روے کارِ چراغاں
شد از فیض شاہنشہِ انگلستاں
فزوں رونق کاروبارِ چراغاں
جہاندار وکٹوریا، کز فروغش
ز آتش دمد لالہ زارِ چراغاں
زعدلش چناں گشت پروانہ ایمن
کہ شد دیدبانِ حصارِ چراغاں
بفرمان سرجان لارنس صاحب
شد ایں شہر آئینہ دارِ چراغاں
بدہلی فلک رتبہ ساندرس صاحب
برآراست نقش و نگارِ چراغاں
شد از سعی ہنری اجرٹن بہادر
رواں ہر طرف جوئبارِ چراغاں
سخن سنج غالب زِروے عقیدت
دعا مے کند در بہارِ چراغاں
کہ بادا فزوں سال عمرِ شہنشہ
بروے زمیں از شمارِ چراغاں

اکتوبر ۱۸۵۸ء

میاں! تمھارے کمال کا حال معلوم کر کے میں بہت خوش ہوا؛ اگر مجھ کو کبھی انگریزی لکھوانا ہو گا تو یہاں سے اُردو میں لکھ کر بھیج دوں گا تم وہاں سے انگریزی لکھ کر بھیج دیا کرنا۔

قصۂ "قاصدانِ شاہی" میں نے دیکھا۔ اصلاح کے باب میں سوچا کہ اگر سب فقروں کو مقفیٰ اور عبارت کو رنگین بنانے کا قصد کروں تو کتاب کی صورت بدل جائے گی اور شاید تم کو بھی یہ منظور نہ ہو؛ ناچار اس پر قناعت کی کہ جو الفاظ ٹکسال باہر تھے' وہ بدل ڈالے۔ مثلاً "وے" کہ یہ گنوارو بولی ہے۔ "وہ" یہ ٹھیٹ اُردو ہے "کرانا" یہ بیرون جات کی بولی ہے "کروانا" یہ فصیح ہے "راجے" یہ غلط ہے' "راجا" صحیح ہے۔ کہیں کہیں روابط و ضمائر نامربوط تھے۔ اُن کو مربوط کر دیا ہے۔ اور ایک جگہ "گھنے لسے" یہ لفظ میری سمجھ میں نہ آیا' اُس کو تم سمجھ لینا۔ باقی اور سب مربوط اور خوب اور صاف ہے۔ حاجت اصلاح کی نہیں۔ صاحب! کتابیں کب روانہ ہوں گی؟ دوالی بھی ہو لی۔ اگر گنگا جانے کا قصد ہو تو بھائی میری کتابیں بھیج کر جانا! اور ہاں یہ میں نہیں سمجھا کہ مرزا مہر کی بنوائی ہوئی سات کتابیں بھی انھیں کتابوں کے ساتھ بھیجو گے یا وہ اپنے طور پر جدا روانہ کریں گے؟ وہ تم نے اپنی بنوائی ہوئی کتاب کا آٹھ دن کا وعدہ کیا تھا اور اُس وعدے سے یہ بات تراوش کرتی تھی کہ سادہ کتابیں پہلے روانہ ہوں گی' اور وہ ایک کتاب ہفتے کے بعد؛ سو وہ ہفتہ بھی گزر گیا۔ یقین ہے کہ اب وہ سب یک جا پہنچیں اور شاید کل پرسوں آ جائیں۔

وہ لمبر اخبار کا جو تم نے مجھ کو بھیجا تھا۔ اس میں اڈمنسٹن صاحب کے لفٹنٹ گورنر ہونے کی اور بہت جلد آگرے آنے کی خبر لکھی تھی' یہاں مجھ کو کئی باتیں پوچھنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ چیف سکرتر نواب گورنر جنرل کے تھے' جب یہ لفٹنٹ گورنر ہوئے تو اب وہاں چیف سکرتر کون ہو گا؟۔ یقین ہے کہ ولیم میور صاحب اس عہدے پر مامور ہوں۔ پس۔

اگر یوں ہی ہے تو ان کے محکمے میں سکرتر کون ہوگا؟

دوسری بات یہ کہ میر منشی اُن کے تو وہی منشی غلام غوث خاں صاحب رہیں گے، یقین ہے کہ اُن کے ساتھ آویں۔

تیسری یہ بات کہ گورنر جنرل کے فارسی دفتر کے میر منشی ایک بزرگ تھے، بلگرام کے رہنے والے، منشی سید جان خاں، آیا اب بھی وہی ہیں یا اُن کی جگہ کوئی اور صاحب ہیں؟ ان سب باتوں میں سے جو آپ کو معلوم ہوں، وہ، اور جو نہ معلوم ہو، اُس کو معلوم کر کے مجھ کو لکھیے اور جلد لکھیے اور ضرور لکھیے۔ یقین تو ہے کہ تم سمجھ گئے ہو کہ میں کیوں پوچھتا ہوں۔ کتابیں جا بجا بھیجنی ہیں، جب تک نام اور مقام معلوم نہ ہو تو کیوں کر بھجواؤں؟ جواب لکھو اور شتاب لکھو۔ کتابیں بھیجو اور جلد بھیجو۔

سہ شنبہ ۹ نومبر ۱۸۵۸ء

(۱۰)

برخوردار کامگار منشی شیونرائن! طال عمرہ وزاد قدرہ۔

کل جمعے کے دن بارہ نومبر کو بتیس کتابیں آگئیں۔ میں بہت خوش ہوا اور تم کو دعائیں دیں۔ خط تمھارے نام کا ابھی میرا کہار ڈاک میں لے گیا ہے۔ اس رقعے کی تحریر سے مقصود یہ ہے کہ میاں عبدالحکیم بہت نیک بخت اور اشراف اور ہنرمند آدمی ہیں۔ "دلی گزٹ" میں حرفوں کے چھاپے کا کام کیا کرتے تھے۔ چونکہ وہ چھاپا خانہ اب آگرے میں ہے، یہ بھی وہیں آتے ہیں۔ تمھارے پاس حاضر ہوں گے۔ ان پر مہربانی رکھنا، بھلا وہ شہر بیگانہ ہے۔ اُن کو تمھاری خدمت میں شناسائی رہے گی تو اچھی بات ہے۔ صحافی کا کام بھی بہ قدرِ ضرورت کر سکتے ہیں۔ شاید اگر "دلی گزٹ" میں ان کا طور

درست نہ ہو تو اُس صورت میں بہ شرط گنجایش اپنے مطبع میں ان کو رکھ لینا۔

نگاشتہ شنبہ ۱۳ نومبر ۱۸۵۸ء راقم۔ اسد اللہ

(۱۱)

صاحب!

تمھارا خط آیا، دل خوش ہوا۔ دیکھیے مرزا مہر کب روانہ کرتے ہیں اگر بھیج چکے ہیں تو یقین ہے کہ آج یہاں آ پہنچیں۔ آج نہ آئیں، کل آئیں۔ کل سے میں شام تک راہ دیکھتا ہوں۔

"مہرِ نیم ماہ" نہیں اُس کا نام "مہرِ نیم روز" ہے اور وہ سلاطینِ تیموریہ کی تواریخ ہے، اب وہ بات ہی گئی گزری، بلکہ وہ کتاب اب چھپانے کے لائق ہے، نہ چھپوانے کے قابل۔

اُردو کے خطوط جو آپ چھاپا چاہتے ہیں یہ بھی زائد بات ہے، کوئی رقعہ ایسا ہوگا کہ جو میں نے قلم سنبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہوگا، ورنہ صرف تحریر سرسری ہے اس کی شہرت میری سخن وری کے شکوہ کے منافی ہے اس سے قطع نظر کیا ضرور ہے کہ ہمارے آپس کے معاملات اوروں پر ظاہر ہوں؟ خلاصہ یہ کہ ان رقعات کا چھاپا میرے خلافِ طبع ہے۔

محررۂ پنجشنبہ ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء

(۱۲)

برخوردار اقبال نشان کو دعا پہنچے۔ کل جمعے کے دن انیس نومبر ۱۸۵۸ء کو سات کتابوں کے دو پارسل پہنچے، واقعی کتابیں جیسا کہ میرا جی چاہتا تھا، اُسی روپ کی ہیں۔ حق تعالیٰ مرزا مہر کو سلامت رکھے۔ رقعوں کے چھاپنے کے باب میں ممانعت لکھ چکا ہوں، البتہ اس باب میں میری رائے پر تم کو اور مرزا تفتہ کو عمل کرنا ضرور ہے۔

مطلبِ عمدہ جو اس خط کی تحریر سے منظور ہے، وہ یہ ہے کہ جو کتاب تم نے بنوائی ہے اور میں نے تم کو لکھا تھا کہ پہلے ورق کے دوسرے صفحے پر انگریزی عبارت لکھ کر بھیجنا، خدا کرے وہ عبارت تم نے نہ لکھی ہو، اگر لکھ دی ہو تو ناچار اور اگر نہ لکھی ہو تو اب نہ لکھنا اور صفحہ سادہ رہنے دینا اور اسی طرح میرے پاس بھیج دینا۔ یہ بھی معلوم رہے کہ اب ان کتب کی تقسیم اُس کتاب کے آنے تک ملتوی رہے گی اور وہ کتاب میرے پاس جلد پہنچ جائے تو بہتر ہے۔

۲۰ نومبر ۱۸۵۸ء

جواب طلب، بلکہ کتاب طلب۔

(۱۴۳)

صاحب!

تم کندھولی سے کب آئے؟ اور جب آئے تو وہ میرا خط بیرنگ کہ جس میں سات روپیے کی ہنڈوی ملفوف تھی، پایا یا نہیں پایا؟ اگر پایا، موافق اُس تحریر کے عمل کیوں نہ فرمایا؟ اور اُس خط میں ایک مطلب جواب طلب تھا۔ اُس کا جواب کیوں نہ بھجوایا؟ اچھا اگر تم ایک آدھ دن کے واسطے کندھولی گئے تھے تو کارپردازانِ مطبع نے خط لے کر رکھ چھوڑا ہوگا اور جب تم آئے ہوگے تو وہ خط تمھیں دیا ہوگا، پھر کیا سبب جو تم نے جواب نہ لکھایا ابھی کندھولی سے تم نہیں آئے؟ یا وہ خط میرا تلف ہوگیا؟ تاریخ تحریرِ خط مجھے یاد نہیں۔ اب یہ لکھتا ہوں کہ اگر خط پہنچا تو مجھ کو خط کی اور ہنڈوی کی رسید اور میرے سوال کا جواب لکھو اور اگر خط نہیں پہنچا تو اُس کی تدبیر بتاؤ کہ اب میں ساہوکار سے کیا کہوں اور ہنڈوی کا مثنے اکس طرح سے مانگوں؟ جواب طلب، شتاب طلب

روز سہ شنبہ ۳۰ نومبر ۱۸۵۸ء ازاسدِ مضطرب

صاحب!

تم خط کے جواب نہ بھیجنے سے گھبرا رہے ہو گے۔ حال یہ ہے کہ قلم بنانے میں میرا ہاتھ انگوٹھے کے پاس سے زخمی ہو گیا اور ورم کر آیا۔ چار دن روٹی بھی مشکل سے کھائی گئی ہے۔ بہ ہر حال اب اچھا ہوں۔ "پنج آہنگ" تم نے مول لے لی، اچھا کیا۔ دو چھاپے ہیں۔ ایک بادشاہی چھاپا خانے کا اور ایک منشی نورالدین کے چھاپا خانے کا۔ پہلا ناقص ہے دوسرا سراسر غلط ہے۔ کیا کہوں تم سے، ضیاء الدین خاں جاگیردار لوہارو، میرے سبتی بھائی اور میرے شاگردِ رشید ہیں۔ جو نظم و نثر میں، میں نے کچھ لکھا، وہ انھوں نے لیا اور جمع کیا، چنانچہ کلیاتِ نظمِ فارسی بہ تن پچپن جز اور "پنج آہنگ" اور "مہر نیمروز" اور "دیوان ریختہ" سب مل کر سوا سو جز مطلا اور مذہب اور انگریزی ابری کی جلدیں الگ الگ کوئی ڈیڑھ سو دو سو روپیے کے صرف میں بنوائیں۔ میری خاطر جمع، کہ کلام میرا سب یک جا فراہم ہے۔ پھر ایک شاہزادے نے اُس مجموعۂ نظم و نثر کی نقل لی۔ اب دو جگہ میرا کلام اکٹھا ہوا۔ کہاں سے یہ فتنہ برپا ہوا اور شہر لٹے۔ وہ دونوں جگہ کا کتاب خانہ خوانِ یغما ہو گیا۔ ہر چند میں نے آدمی دوڑائے، کہیں سے اُن میں سے کوئی کتاب ہاتھ نہ آئی۔ وہ سب قلمی ہیں۔ غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ قلمی فارسی کا کلیات، قلمی ہندی کا کلیات، قلمی "پنج آہنگ"، قلمی "مہر نیمروز" اگر کہیں ان میں سے کوئی نسخہ بکتا ہوا آوے تو اُس کو میرے واسطے خرید کر لینا اور مجھ کو اطلاع کرنا۔ میں قیمت بھیج کر منگوا لوں گا۔

جناب ہنری اسٹورٹ ریڈ صاحب کو ابھی میں خط نہیں لکھ سکتا۔ اُن کی فرمایش ہے اردو نثر کی، وہ انجام پائے تو اُس کے ساتھ اُن کو خط لکھوں۔ مگر بھائی! تم غور کرو۔ اُردو میں، میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کروں گا؟ اور اُس عبارت میں معنیِ نازک کیوں کر بھروں گا۔؟ ابھی تو یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں، کون سی بات، کون سی کہانی،

کون سا مضمون تحریر کروں اور کیا تدبیر کروں۔ تمھاری رائے میں کچھ آئے تو مجھ کو بتاؤ۔

ایک قرینے سے مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ شاید گورمنٹ سو دو سو "دستنبو" کی خریداری کرے گی۔ اور ان نسخوں کو ولایت بھیجے گی۔ کیا بعید ہے کہ ہفتے دو ہفتے میں تمھارے پاس الہ آباد سے حکم پہنچے۔

صبح روز شنبہ ۱۱ دسمبر ۱۸۵۸ء

(۱۵)

بھائی!

یہ بات تو کچھ نہیں کہ تم خط کا جواب نہیں لکھتے۔ خیر، دیر سے لکھو، اگر شتاب نہیں لکھتے۔ تمھارا خط آیا۔ اُس کے دوسرے دن میں نے جواب بھجوایا۔ آج تک تم نے اس کا جواب نہ بھیجا۔ حال آں کہ اُس میں جواب طلب باتیں تھیں، یعنی میں نے اپنی نظم و نثر کی کتب کا حال تم کو لکھ کر تم سے یہ استدعا کی تھی کہ قلمی جو نسخہ تمھارے ہاتھ آجائے، وہ تم خرید کر کے مجھے بھیج دینا۔

ریڈ صاحب کے باب میں، میں نے یہ لکھا تھا کہ جب کچھ اُردو کی نثر ان کے واسطے لکھ لوں گا تو "دستنبو" کی خریداری کی خواہش کروں گا۔ معہذا تم سے صلاح پوچھی تھی کہ کس حکایت اور کس روایت کو فارسی سے اردو کروں؟ تم نے اس بات کا بھی جواب نہ لکھا۔

سید حفیظ الدین احمد کی مہر کے کھدوانے کو تم نے لکھا تھا کہ ملتوی رہے پھر اُس کا بھی کچھ بیورا نہ لکھا۔ میں اُس کو ابھی کچھ نہیں سمجھا۔ اُس کو یکسو کرو، ہاں، ناں، لکھ بھیجو۔

تمھاری مہر بدرالدین علی خاں کو دی گئی ہے۔ یقین تو یہ ہے کہ اسی دسمبر مہینے میں تمھارے پاس پہنچ جائے اور ۱۸۵۸ء سنہ کھدے۔ شاید کچھ دیر ہو تو جنوری ۱۸۵۹ء میں کھدے۔ اس سے زیادہ درنگ نہ ہوگی۔ تم کو روپیہ حرف، آٹھ آنے حرف سے کیا علاقہ؟ تم کو اپنی مہر سے کام۔

سچ تو کہو، کیا پھر کندھولی گئے ہو؟ کیا کر رہے ہو؟ کس شغل میں ہو؟ یا مجھ سے خفا ہو؟ اگر خفا ہو تو اور کچھ نہ لکھو، خفگی کی وجہ لکھو۔ بہر حال اس خط کا جواب شتاب بھیجو اور اسی خط میں بعد اِن سب باتوں کے جواب کے، مولوی قمرالدین خاں کا حال لکھو کہ وہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں؟ برسرکار ہیں یا بیکار ہیں؟ اچھا، میرا بھائی اس خط کے جواب میں درنگ نہ ہو زیادہ کیا لکھوں؟

مرسلۂ چہار شنبہ ۱۵ دسمبر ۱۸۵۸ء غالب

(۱۶)

برخوردار!

آج اس وقت تمھارا خط مع لفافوں کے لفافے کے آیا۔ دل خوش ہوا۔ بھائی، میں اپنے مزاج سے ناچار ہوں۔ یہ لفافے ازمقام و درمقام و تاریخ و ماہ مجھ کو پسند نہیں۔ آگے جو تم نے مجھے بھیجے تھے، وہ بھی میں نے دوستوں کو بانٹ دیے۔ اب یہ لفافوں کا لفافہ اس مراد سے بھیجتا ہوں کہ اُن کے عوض یہ لفافے جو "درمقام وازمقام" سے خالی ہیں، جن میں تم اپنے خط بھیجا کرتے ہو، مجھ کو بھیج دو اور یہ لفافے اُس کے عوض مجھ سے لے لو اور اگر اُس طرح کے لفافے نہ ہوں تو اُن کی کچھ ضرورت نہیں۔

مُہر کے واسطے، صاحب، زمرد کا نگینہ اور پھر چنے کی دال کے برابر اور ہشت پہلو، اس اجڑے شہر میں کہاں ملے گا؟ عقیق بہت خوش رنگ، سیاہ یا سرخ، جیسا تم نے

آگے لکھا ہے ہشت پہلو ہوگا۔ یہ مُہر میری طرف سے تم کو پہنچے گی۔ تم کو چار آنے حرف، چھے آنے حرف سے کچھ مدعا نہیں۔ آپ اپنی مُہر چاہو زمرد پر، چاہو الماس پر کھدواؤ۔ میں تو عقیق کی مہر تم کو دوں گا۔ رہی وہ دوسری مُہر، جب تمھاری مُہر کھد چکے گی، جس طرح تم کہوگے، کھد جائے گی۔

میاں! کیا قرینہ بتاؤں گورمنٹ کی خریداری کا؟ ایک بات ایسی ہے کہ ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خدا کرے اُس کا ظہور ہو جائے۔ ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔

جناب ریڈ صاحب، صاحبی کرتے ہیں۔ میں اردو میں اپنا کمال کیا ظاہر کر سکتا ہوں۔ اُس میں گنجایش عبارت آرائی کی کہاں ہے؟ بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ میرا اردو بہ نسبت اوروں کے اردو کے فصیح ہوگا۔ خیر، بہ ہر حال کچھ کروں گا اور اردو میں اپنا زورِ قلم دکھاؤں گا۔

قے کا ہونا اور دستوں کا آنا یہ چاہتا ہے کہ تم نے رات کو بُری قسم کی شراب مقدار میں زیادہ پی ہوگی۔ کچھ تبرید کرو اور شراب زیادہ نہ پیا کرو۔

میرا رقعہ تمھارے نام کا اور تفتہ کا رقعہ تمھارے نام کا، حسب الحکم تمھارے، واپس بھیجا جاتا ہے۔ میں نے تفتہ کا خفا ہونا اسی طرح لکھا تھا، جیسا تم کو تمھارا خفا ہونا لکھا تھا۔ بھلا وہ میرے فرزند کی جگہ ہیں، مجھ سے خفا کیا ہوں گے۔ اُس دن سے آج تک دو تین خط اُن کے آ چکے ہیں۔ چنانچہ ایک خط ابھی تمھارے خط کے ساتھ ڈاک کا ہرکارہ دے گیا ہے۔

محررۂ شنبہ ۱۸ دسمبر ۱۸۵۸ء غالب

(۱۷)

اب ایک امرِ خاص کو سمجھو۔ دو جلدیں "دستنبو" کی مجھ کو لکھنؤ بھیجنی ہیں اور

میرے پاس کوئی جلد نہیں ہے۔ اب جو تم سے منگواؤں اور یہاں سے لکھنؤ بھجواؤں تو ایک قصہ ہے۔ یہ صاحب لوگ اطراف و جوانب سے مجھ پر فرمایشیں بھیجتے ہیں، تم سے بہ قیمت کوئی نہیں منگواتا۔ چالیس جلدیں پہلی اور بارہ یہ حال کی، سب تقسیم ہوگئیں۔ ان دونوں صاحبوں کی خاطر مجھ کو بہت عزیز ہے۔ ایک روپیے کے بتّیس ٹکٹ اور دو آنے کے دو ٹکٹ اس خط میں ملفوف کرکے تم کو بھیجتا ہوں۔ دو پارسل الگ الگ لکھنؤ کو ارسال کرو۔ آنے آنے کا ٹکٹ اُس پر لگا دو۔ ایک پارسل پر یہ لکھو:

"ایں پارسل بہ صیغۂ بیم فلٹ پاکٹ، اسٹامپ پیڈ۔ در لکھنؤ بہ محلہ نخاس در امام باڑہ اکرم اللہ خاں بہ مکان مرزا عنایت علی بہ خدمت میر حسین علی صاحب بہ رسد۔ مرسلۂ شیو نرائن مہتمم مطبع مفید خلائق از آگرہ۔" دوسرے پارسل پر یہی عبارت، مگر مکان کا پتا، نام اور:

"در لکھنؤ بہ احاطۂ خانساماں، متصل تکیہ شیر علی شاہ، بہ مکانات مولوی عبدالکریم مرحوم بہ خدمت مولوی سراج الدین احمد صاحب بہ رسد۔"

سمجھ لیے؟ یعنی دو پارسل اسٹامپ پیڈ، دونوں لکھنؤ کو۔ ایک بنام میر حسین علی اور ایک بنام مولوی سراج الدین احمد، بہ سبیلِ ڈاک روانہ کردو۔ اور ہاں صاحب، اُن دونوں پارسلوں کی روانگی کی تاریخ مجھ کو لکھ بھیجو، تاکہ میں اپنے خط میں اُن کو اطلاع دوں۔

ایک امر اور ہے اگر تم بھی اس رائے کو پسند کرو۔ یعنی جس طرح سے تم نے ایک جلد ہنری اسٹورٹ ریڈ صاحب کو اپنی طرف سے بھیجی ہے، اسی طرح دو جلدیں ان دونوں صاحبوں کو، جن کا نام کاغذ میں لکھا ہوا ہے بھیج دو، مگر اپنی ہی طرف سے، میرا اُس میں اشارہ نہ پایا جائے اور یہ دونوں صاحب بالفعل دلّی میں وارد ہیں۔ یہ بات ایسی نہیں ہے کہ خواہ نہ خواہی اس کو کیا ہی چاہیے، ایک صلاح ہے اور نیک صلاح ہے۔ مناسب جانو کرو ورنہ جانے دو۔

میاں! اردو کیا لکھوں؟ میرا یہ منصب ہے کہ مجھ پر اردو کی فرمائش ہو؟ خیر ہوئی، اب میں کہانیاں قصے کہاں ڈھونڈتا پھروں؟ کتاب نام کو میرے پاس نہیں۔ پنسن مل جائے، حواس ٹھکانے ہو جائیں تو کچھ فکر کروں۔ پیٹ پڑے روٹیاں تو سبھی گلاں موٹیاں۔

زیادہ زیادہ۔

روز سہ شنبہ ۴ جنوری ۱۸۵۹ء

جواب طلب غالب

(۱۸)

پرسوں اور کل، دو ملاقاتیں جناب آرنلڈ صاحب بہادر سے ہوئیں۔ کیا کہوں کہ مجھ پر بے سابقہ معرفت کیا عنایت فرمائی۔ میں یہ جانتا ہوں کہ گویا مجھ کو مول لے لیا۔ آج وہ یہاں اور ہیں، کل جائیں گے۔ "دستنبو" تمھاری بھیجی ہوئی اُن کے پاس نہیں پہنچی۔ ناچار ایک "دستنبو" اور ایک "پنج آہنگ" اپنے پاس سے اُن کی نذر کر آیا ہوں۔

لکھنؤ کے دونوں پارسلوں کی رسید مجھ کو آج تک نہیں آئی۔ آخر رسید تو تم کو پارسلوں کی ملی ہوگی۔ ڈاک میں سے معلوم کر کے مجھ کو لکھ بھیجو۔ دیر نہ کرو ورنہ میں مشوش رہوں گا۔

نگاشتۂ صبح شنبہ ۱۵ جنوری ۱۸۵۹ء از غالب

(۱۹)

بھائی!

میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ آج میرے پاس لکھنؤ کے ایک پارسل کی رسید آ گئی۔ دوسرا ابھی یقینی پہنچ گیا ہوگا۔ خاطر جمع رکھو۔

جناب آرنلڈ صاحب بہادر آج تشریف لے گئے۔ سُنتا ہوں کہ کلکتے جائیں گے۔ میم اور بچوں کو ولایت بھیج کر پھر آئیں گے۔ مجھ سے وہ سلوک کر گئے ہیں اور مجھ پر وہ احسان کر گئے ہیں کہ قیامت تک ان کا شکر گزار رہوں گا۔ مرزا حاتم علی صاحب مہرؔ اگر آجائیں تو اُن کو میرا سلام کہنا۔ مرزا تفتہؔ کو اگر کبھی خط لکھو تو میری دعا لکھنا۔

مرقومۂ دوشنبہ ہفدہم جنوری ۱۸۵۹ء — غالب

(۲۰)

صاحب!

میں ہندی غزلیں بھیجوں کہاں سے؟ اردو کے دیوان چھاپے کے ناقص ہیں۔ بہت غزلیں اُس میں نہیں ہیں۔ قلمی دیوان جو اتم اور اکمل تھے، وہ لٹ گئے۔ یہاں سب کو کہہ رکھا ہے کہ جہاں بکتا ہوا نظر آجائے، لے لو؛ تم کو بھی لکھ بھیجا، اور ایک بات اور تمھارے خیال میں رہے کہ میری غزل پندرہ سولہ بیت کی بہت شاذونادر ہے، بارہ بیت سے زیادہ اور نو شعر سے کم نہیں ہوتی۔ جس غزل کے تم نے پانچ شعر لکھے ہیں، یہ نو شعر کی ہے۔ ایک دوست کے پاس اردو کا دیوان چھاپے سے کچھ زیادہ ہے، اُس نے کہیں کہیں سے مسودات متفرق بہم پہنچا لیے ہیں۔ چنانچہ "پنہاں ہوگئیں"، "ویراں ہوگئیں"، یہ غزل مجھ کو اسی سے ہاتھ آگئی ہے۔ اب میں نے اس کو لکھا ہے اور تم کو یہ خط لکھ رہا ہوں، خط لکھ کر رہنے دوں گا۔ جب اُس کے پاس سے ایک غزل یا دو غزل آجائے گی۔ تو اِسی خط میں ملفوف کر کے بھیج دوں گا۔ یہ خط یا آج روانہ ہو جائے یا کل۔

میں نے ایک قصیدہ اپنے محسن و مربیِّ قدیم جناب فریڈرک اڈمنسٹن صاحب لفٹننٹ گورنر بہادر غرب و شمال کی مدح میں اور ایک قصیدہ جناب منٹگمری لفٹننٹ گورنر بہادر ملک پنجاب کی تعریف میں لکھا ہے۔ اگر کہو تو یہ بھیج دوں، مگر فارسی ہیں اور

چالیس چالیس، پینتالیس پینتالیس شعر ہیں۔

کتب "دستنبو" کے بک جانے سے میں خوش ہوا۔ خدا کرے جس کو دی ہو۔ دو تین غلطیاں جو معلوم ہیں، وہ بنا دی ہوں۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ صاحب لوگوں نے خریدیں یا ہندوستانیوں نے لیں؟ تم یہ بات مجھ کو ضرور ضرور لکھو۔ دیکھو صاحب، تم گھبراتے تھے، آخر یہ جنس پڑی نہ رہی اور بک گئی! بھائی! ہندوستان کا قلمرو بے چراغ ہو گیا۔ لاکھوں مر گئے، جو زندہ ہیں اُن میں سینکڑوں گرفتارِ بند بلا ہیں۔ جو زندہ ہے، اُس میں مقدور نہیں۔ میں ایسا جانتا ہوں کہ یا تو صاحبانِ انگریز کی خریداری آئی ہو گی یا پنجاب کے ملک کو یہ کتابیں گئی ہوں گی۔ پورب میں کم بکی ہوں گی۔

میاں! میں تم کو اپنا فرزند جانتا ہوں۔ خط لکھنے نہ لکھنے پر موقوف نہیں ہے تمھاری جگہ میرے دل میں ہے۔ اب میں طبع آزمائی کرتا ہوں اور جو غزل تم نے بھیجی ہے اس کو لکھتا ہوں۔ خدا کرے نو کے نو شعر یاد آجائیں:

غزل

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ، تو کیا ہے؟
تمھیں کہو، کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجتِ رفو کیا ہے؟

جلا ہے جسم جہاں، دل بھی جل گیا ہو گا
کریدتے ہو جو اب راکھ، جستجو کیا ہے؟

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا، تو پھر لہو کیا ہے؟

وہ چیز جس کے لیے ہو ہمیں بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفام مشکبو کیا ہے؟
پیوں شراب، اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے؟
یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تجھ سے
وگرنہ خوفِ بد آموزیِ عدو کیا ہے؟
رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہو بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے؟
ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے؟

⁂

یہ تمھارا اقبال ہے کہ نو شعر یاد آ گئے۔ ایک غزل یہ اور دو غزلیں وہ، جو آیا چاہتی ہیں۔ تین ہفتے کا گودام تمھارے پاس فراہم ہو گیا۔ اگر منگواؤ گے تو قصیدے بھی دونوں بھیج دوں گا۔

مرقومۂ سہ شنبہ ۱۹ ماہ اپریل ۱۸۵۹ء

(۲۱)

بھائی!

حاشا ثم حاشا، اگر یہ غزل میری ہو: "اسد اور لینے کے دینے پڑے"، اس غریب کو میں کچھ کیوں کہوں؟ لیکن اگر یہ غزل میری ہو تو مجھ پر ہزار لعنت۔ اس سے آگے ایک شخص نے یہ مطلع میرے سامنے پڑھا اور کہا کہ قبلہ آپ نے کیا خوب مطلع کہا ہے:

اسدؔ اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر، شاباش! رحمت خدا کی

میں نے یہی اُن سے کہا کہ اگر یہ مطلع میرا ہو، تو مجھ پر لعنت۔ بات یہ ہے کہ ایک شخص میر امانی اسدؔ ہو گزرے ہیں۔ یہ مطلع اور یہ غزل ان کے کلامِ معجز نظام میں سے ہے اور تذکروں میں مرقوم ہے۔ میں نے تو کوئی دو چار برس ابتدا میں اسدؔ تخلص رکھا ہے، ورنہ غالبؔ ہی لکھتا رہا ہوں۔ تم طرزِ تحریر اور روشِ فکر پر بھی نظر نہیں کرتے؟ میرا کلام اور ایسا مزخرف، یہ قصہ تمام ہوا۔

وہ غزل جو تمھارے پاس پہنچ گئی ہے۔ چھاپنے سے پہلے ایک نقل اُس کی مرزا حاتم علی مہرؔ کو دے دینا۔ جس دن یہ میرا خط پہنچے، اسی دن وہ غزل نقل کر کے اُن کو بھیج دینا۔ "دستنبو" کی خریداری کا حال معلوم ہو گیا۔ میرا بھی یہی گمان تھا کہ لاہور کے ضلع میں گئی ہوں گی۔ جناب مکلوڈ صاحب فنانشل کمشنر پنجاب نے بہ ذریعہ صاحب کمشنر دہلی مجھ سے منگوائی تھی۔ ایک جلد اُن کو بھی بھیج چکا ہوں۔

قصیدے میں نے دو لکھے ہیں۔ ایک اپنے مربیِّ قدیم جناب فریڈرک اڈمنسٹن صاحب بہادر کی تعریف میں اور ایک جناب منٹگری صاحب بہادر کی مدح میں۔ ایک بچپن کا شعر کا، ایک چالیس بیت کا، اور پھر فارسی، اُن کو ریختے کی غزلوں میں کیا چھاپو گے، جانے بھی دو۔ رہیں غزلیں سابق کی، وہ جو میرے ہاتھ آتی جائیں گی، بھجواتا جاؤں گا۔ میاں تمھاری جان کی قسم نہ میرا اب ریختہ لکھنے کو جی چاہے، نہ مجھ سے کہا جائے۔ اس دو برس میں صرف وہ پچیس تیس شعر بہ طریقِ قصیدہ تمھاری خاطر سے لکھ کر بھیجے تھے، سوائے اُس کے اگر میں نے کوئی ریختہ کہا ہوگا، تو گنہ گار۔ بلکہ فارسی غزل بھی واللہ نہیں لکھی۔ صرف یہ دو قصیدے لکھے ہیں۔ کیا کہوں کہ دل و دماغ کا کیا حال ہے؟ پرسوں ایک

خط تمھیں اور لکھ چکا ہوں؛ اب اُس کا جواب نہ لکھنا۔ والدعا۔
چار شنبہ ۲۶ اپریل ۱۸۵۹ء[1]

(۲۲)

برخوردار منشی شیو نرائن کو دعا پہنچے۔ خط تمھارا مع اشتہار کے پہنچا۔ یہاں کا حال یہ ہے کہ مسلمان امیروں میں تین آدمی: نواب حسن علی خاں، نواب حامد علی خاں، حکیم احسن اللہ خاں۔ سو ان کا حال یہ ہے کہ روٹی ہے تو کپڑا نہیں۔ معہٰذا یہاں کی اقامت میں تذبذب، خدا جانے کہاں جائیں، کہاں رہیں۔ حکیم احسن اللہ خاں نے "آفتابِ عالم تاب" کی خریداری کرلی ہے۔ اب وہ مکرر حالاتِ دربارِ شاہی کیوں لیں گے؟ سوائے ساہوکاروں کے یہاں کوئی امیر نہیں ہے۔ وہ لوگ اس طرف کیوں توجہ کریں گے؟ تم ادھر کا خیال دل سے دھو ڈالو۔ رہا نام اُس رسالے کا تاریخی، جانے دو "تخیرِ ہند غوغائے سپاہ"، "فتنۂ محشر" ایسا کوئی نام رکھو۔

اب تم یہ بتاؤ کہ رئیس رام پور کے ہاں بھی تمھارا اخبار یا "معیار الشعرا" جاتا ہے یا نہیں؟ اب کے تمھارے "معیار الشعرا" میں، میں نے یہ عبارت دیکھی تھی۔ کہ امیر شاعر اپنی غزلیں بھیجتے ہیں۔ ہم کو جب تک ان کا نام و نشان معلوم نہ ہوگا، ہم اُن کے اشعار نہ چھاپیں گے۔ سو میں تم کو لکھتا ہوں کہ یہ میرے دوست ہیں اور امیر احمد ان کا نام ہے اور امیرؔ تخلص کرتے ہیں۔ لکھنؤ کے ذی عزت باشندوں میں ہیں اور وہاں کے بادشاہوں کے روشناس اور مصاحب رہے ہیں۔ اور اب وہ رام پور میں نواب صاحب کے پاس ہیں۔ میں ان کی غزلیں تمھارے پاس بھیجتا ہوں۔ میرا نام لکھ کر ان غزلوں کو چھاپ دو۔ یعنی "غزلیں غالبؔ نے ہمارے پاس بھیجیں اور اُس کے لکھنے سے اُن کا نام اور اُن کا حال معلوم ہوا۔" نام اور حال وہ جو میں اوپر لکھ آیا۔ اُس کو اب کے "معیار الشعرا" میں چھاپ کر ایک دو ورقہ یا چہار ورقہ رام پور اُن کے پاس بھیج دو۔ اور سرنامے پر یہ لکھو کہ: "در رام پور بر در

دولت حضور رسیدہ بہ خدمت مولوی امیر احمد صاحب امیرؔ تخلص بہ رسد"۔ اور مجھ کو اس کی اطلاع دو۔ اور اس امر کی بھی اطلاع دو کہ رام پور کو تمھارا اخبار جاتا ہے یا نہیں؟

مرسلہ یکشنبہ ۱۲ جون ۱۸۵۹ء

(۲۳)

برخوردار نورچشم منشی شیونرائن کو دعا پہنچے۔ صاحب! میں تو منتظر تمھارے آنے کا تھا، کس واسطے کہ منشی بہاری لال بھائیوں میں ہیں ماسٹر رام چندر کے، انھوں نے پرسوں مجھ سے کہا تھا کہ منشی شیونرائن دو تین دن میں آیا چاہتے ہیں۔ آج صبح کو ناگاہ تمھارا خط آیا۔ اب مجھ کو اس کا پوچھنا تم سے ضرور ہوا کہ آنے کی تمھاری خبر جھوٹ تھی یا ارادہ تھا اور کسی سبب سے موقوف رہا؟

بابو ہرگوبند سہائے کا میں بڑا احسان مند ہوں۔ حق تعالیٰ اس کوشش کے اجر میں اُن کو عمر و دولت دے۔ سعادت مند اور نیک بخت آدمی ہیں۔

تمھاری خواہش کو میں اچھی طرح سمجھا نہیں۔ مصرع تم نے لکھا اور وہ چھاپا گیا۔ ہزار پانسو دو ورقعے چھپ گئے۔ اب جو مصرع اور کہیں سے بہم پہنچے گا وہ کس کام آئے گا؟ خود لکھتے ہو کہ پہلا جز تم کو بھیجا ہے۔ صبر کرو، وہ جز آنے دو۔ میں اُس کو دیکھ لوں یقین ہے کہ قلمی ہوگا۔ اُس کو دیکھ کر اور مضامین کو سمجھ کر مصرع بھی تجویز کر دوں گا۔ مگر اتنا تم اور بھی لکھو کہ آیا یوں منظور ہے کہ اُس مصرع کی جگہ اور مصرع لکھو یا یہی چاہتے ہو کہ یہ بھی رہے اور وہ بھی رہے؟

خط تمھارا آج آگیا ہے یم فلٹ پاکٹ یا آج شام کو یا کل شام تک آجائے گا۔

سہ شنبہ ۲۰ جولائی ۱۸۵۹ء

(۲۴)

برخوردار کو بعد دعا کے معلوم ہو، تمھارا خط پہنچا اور خط سے کئی دن پہلے رسالہ "بغاوت ہند" پہنچا۔ تمھاری تصمیمِ عزیمت سے میں خوش ہوا۔ اللہ اللہ اپنے یار بنسی دھر کے پوتے کو دیکھوں گا۔

رسالہ "بغاوت ہند" ماہ بہ ماہ اور "معیار الشعرا" ہر مہینے میں دو بار پہنچتا رہے، باقی گفتگو عند الملاقات ہو رہے گی۔

اپنے شفیقِ دلی ماسٹر رام چندر صاحب کو تمھارے آنے کی اطلاع دی۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ جو رقعہ انھوں نے میرے رقعے کے جواب میں لکھا ہے، وہ تم کو بھیجتا ہوں، پڑھ لینا؛ اگر "دستنبوئیں" باقی ہوں تو دو اپنے ساتھ لیتے آنا۔

شنبہ ۲۳ جولائی ۱۸۵۹ء غالب

(۲۵)

میاں!

یہ کیا معاملہ ہے؟ ایک خط اپنی رسید کا بھیج کر پھر تم چپکے ہو رہے۔ نہ "معیار الشعرا" نہ "بغاوتِ ہند"، نہ میرے خط کا جواب، نہ ہنڈوی کی رسید۔ برخوردار نواب شہاب الدین خاں نے اگست سے دسمبر تک پنج ماہا "معیار الشعرا" و "بغاوت ہند" کا بھیجا ہے۔ یعنی تین روپے بارہ آنے مجھ کو دیے اور میں نے ہنڈوی لکھوا کر وہ ہنڈوی اپنے خط میں لپیٹ کر تم کو بھیجی۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ خط پہنچا یا نہیں پہنچا؟ جب اِن مطالبِ جزئی کا یہ حال ہے تو کتاب اور انگریزی عرضی کا تو ابھی کیا ذکر ہے؟ خدا کے واسطے ان سب مقاصد کا جواب جدا جدا لکھو۔ آج اگست کی سترہ، بدھ کا دن ہے۔ پہلا نمبر "معیار الشعرا" کا بھی نہیں آیا۔ یہ ہے کیا؟ مہر تمھاری کھدنی شروع ہو گئی ہے اسی اگست کے مہینے میں تمھارے پاس پہنچ جائے گی۔ اچھا میرا بھائی، اس خط کا جواب جلد پاؤں اور کتاب اور

عرضی کا بھی اگر تقاضا کروں تو بعید نہیں، مگر آج شام تک اس خط کو رہنے دوں گا۔ اگر تمھارا خط یا "معیار الشعرا" یا "بغاوتِ ہند"، کوئی لفافہ شام تک آیا تو اس خط کو پھاڑ ڈالوں گا؛ ورنہ کل صبح ڈاک میں بھجوا دوں گا۔ اپنے والد کو دعا اور اشتیاقِ دیدار کہہ دینا۔

مرقومۂ چہار شنبہ ۱۷ ماہ اگست ۱۸۵۹ء وقت دوپہر

(۲۶)

کیوں میری جان، تم نے خط لکھنے کی قسم کھائی ہے یا لکھنا ہی بھول گئے ہو؟ شہر میں ہو یا نہیں ہو؟ تمھارے مطبع کا کیا حال ہے؟ تمھارا کیا طور ہے؟ تمھارے چچا کا مقدمہ کیوں کر فیصل ہوا؟ میرا کام تم نے کس طرح درست کیا؟ کروگے یا نہیں؟ "معیار الشعرا" کا پارسل پہنچ گیا۔ "بغاوتِ ہند" کا پارسل ابھی نہیں آیا۔ ان سب مطالب کا جواب لکھو اور شتاب لکھو۔

محررۂ پنجشنبہ ۲۲ ستمبر ۱۸۵۹ء

(۲۷)

میری جان! دو جلدیں "بغاوتِ ہند" کی پرسوں میرے پاس پہنچیں۔ اُس وقت برخوردار مرزا شہاب الدین خاں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک جلد اُن کو دی، ایک میں نے رہنے دی۔ کل ایک پارسل اور میرے نام کا آیا، میں خوش ہوا کہ ولایت کی عرضی اور "دستنبو" کا پارسل ہوگا۔ دیکھا تو وہی دو جلدیں "بغاوتِ ہند" کی ہیں۔ حیران رہ گیا کہ یہ کیا؟ بظاہر اہتمامانِ ارسال نے از راہِ سہو دوبارہ بھیج دی ہیں۔ چاہتا تھا کہ لفافہ بدل کر ڈبل ٹکٹ لگا کر بھیج دوں۔ پھر سوچا کہ پہلے تم کو اطلاع کروں۔ شاید یہیں کسی اور کو دلوا دو۔ بس اب تمھارے کہنے کا انتظار ہے۔ جو کہو سو کروں۔ کہو تم کو نہ بھیج

دوں، کہو کہیں اور تمھاری طرف سے بھیج دوں۔ میرے کسی کام کے نہیں۔ والدعا۔

مرقومۂ ۲۰ اکتوبر ۱۸۵۹ء راقم اسداللہ

(۲۸)

برخوردار منشی شیونرائن کو بعد دعا کے معلوم ہو، کیا میرے خط نہیں پہنچے کہ جواب اُدھر سے نہیں آتا؟ دو مجلد "بغاوت ہند" کے زیادہ پہنچے ہیں۔ اُس کے واسطے تم سے پوچھا گیا تھا، اُس کا بھی جواب نہ آیا۔ میں نے یوسف علی خاں عزیز کے خط میں کچھ عبارت تمھارے نام لکھی تھی۔ کیا انھوں نے تم کو نہ پڑھائی ہوگی؟ اُس کا بھی تم نے کچھ جواب نہ لکھا۔ ولایت کی عرضی اور کتاب کے باب میں تو میں کچھ کہتا ہی نہیں، جو اُس کا جواب مانگوں۔ کچھ مجھ سے خفا ہوگئے ہو تو ویسی کہو۔ یہ خط تم کو بیرنگ بھیجتا ہوں تا کہ تم کو تقاضا معلوم ہو۔

اے لو، ایک اور بات سنو، تمھارا تو یہ حال کہ مجھ کو خط لکھنے کی گویا تم نے قسم کھائی ہے اور میری یہ خواہش کہ نواب گورنر جنرل بہادر کی خبر جو وہاں تم کو معلوم ہوا کرے، مجھ کو لکھا کرو۔ خصوصاً اکبرآباد میں آ کر جو کچھ واقع ہو، وہ مفصل لکھو۔ آیا جناب لفٹنٹ گورنر بہادر بھی ساتھ آئیں گے یا جدا جدا آ کر یہاں فراہم ہو جائیں گے؟ دربار کی صورت، خیرخواہوں کے تقسیم انعام کی حقیقت، کوئی نیا بندوبست جاری ہو اُس کی کیفیت، یہ سب مراتب مجھ کو لکھا کرو۔ دیکھو، خبردار! اس امر میں تساہل نہ کرنا۔ اب کیا سنتے ہو؟ لکھنؤ سے کہاں آئے ہیں؟ کانپور، فرخ آباد ہوتے ہوئے آگرے آئیں گے۔ کہاں، کہاں کون کون رئیس آ ملے گا۔ لکھنؤ کے دربار کا حال جو کچھ سنا ہو، وہ لکھو؛ اگرچہ یہاں لوگوں کے ہاں اخبار آتے رہتے ہیں اور میری بھی نظر سے گزر جاتے ہیں، مگر میں چاہتا ہوں کہ تمھارے خط سے آگہی پاتا رہوں۔ تم جو لکھوگے منقح اور مفصل لکھوگے۔ یقین ہے کہ برادرزادۂ عزیز یعنی تمھارے والد ماجد نے مرزا یوسف علی خاں کے کام کی درستی لالہ جوتی پرشاد کی سرکار میں کر دی ہوگی، اس کی بھی

اطلاع ضرور ہے۔

صبح چار شنبہ ۲ نومبر ۱۸۵۹ء

جواب کا طالب غالب

(۲۹)

برخوردار!

دو خط آئے اور آج یکشنبہ ۱۳ نومبر کو لفافہ اخبار آیا۔ یہ "اودھ اخبار" بھائی ضیاالدین خاں صاحب کے ہاں آتا ہے اور وہ میرے پاس بھیج دیا کرتے ہیں۔ اس کی حاجت نہیں۔ اپنے اور میرے ٹکٹ کیوں برباد کرو۔ میرا مقصود اسی قدر ہے کہ فرخ آباد کے اخبار بہ سبب قرب کے وہاں معلوم ہوتے ہوں گے۔ جو سنو، وہ مجھ کو لکھو اور جب نواب معلی القاب آگرے میں آ جائیں تو اپنا مشاہدہ مجھ کو لکھتے رہو۔ بس غرض اتنی ہی ہے۔

آج کا اخبار لفافہ بدل کر آج ہی بھیج دیتا ہوں اور دونوں کتابیں، "بغاوت ہند" پرسوں بھیج چکا ہوں۔

تمھارے والد کی طرف سے مجھ کو بڑی تشویش ہے، دعا کر رہا ہوں خدا میری دعا قبول کرے اور اُن کو شفائے کامل دے۔ میری دعا اُن کو پہنچا دینا۔

مرزا یوسف علی خاں عزیز کا حال معلوم ہوا۔ یہ عالی خاندان اور ناز پروردہ آدمی ہیں۔ اُن کو جو راحت پہنچاؤ گے اور جو اِن کی خدمت بجالاؤ گے اس کا خدا سے اجر پاؤ گے۔ زیادہ سوائے دعا کے کیا لکھوں؟

روز یکشنبہ ۱۳ نومبر ۱۸۵۹ء

از غالب

(۳۰)

برخوردار منشی شیو نرائن کو دعائے دوام دولت پہنچے۔ کل تمھارا خط پہنچا، دل خوش ہوا۔ باقر علی خاں اور حسین علی خاں یہ دو میرے پوتے ہیں اور تم بھی میرے پوتے ہو

لیکن چوں کہ تم عمر میں بڑے ہو تو پہلے تم اور بعد میں تمھارے یہ۔

میں حسب الطلب نواب صاحب کے دوستانہ یہاں آیا ہوں اور اپنی صفائی گورمنٹ سے بہ ذریعہ اِن کے چاہتا ہوں، دیکھوں کیا ہوتا ہے۔؟

کتاب اور عرضی اواسطِ ماہِ جنوری میں ولایت کو روانہ کرکے یہاں آیا ہوں۔ چھے ہفتے میں جہاز پہنچتا ہے۔ یقین ہے کہ پارسل ولایت پہنچ گیا ہوگا:

به بینم که تا کردگارِ جہاں

دریں آشکارا چه دارد نہاں

اپنے والد کو میری دعا کہہ دینا۔ مرزا یوسف علی خاں کو میری دعا کہنا اور کہنا کہ میں تمھاری فکر سے فارغ نہیں ہوں اگر خدا چاہے تو کوئی راہ نکل آئے۔

سہ شنبہ ۱۳ مارچ ۱۸۶۰ء غالب

(۳۱)

برخوردار اقبال آثار منشی شیونرائن کو بعد دعا کے معلوم ہو کر ایک نسخہ "بغاوتِ ہند" کا اور ایک دو ورقہ "معیار الشعرا" کا معرفت برخوردار مرزا شہاب الدین خاں کے پہنچا؛ اور آج چار شنبہ چودہ مارچ کی ہے کہ ایک نسخہ "بغاوتِ ہند" بھیجا ہوا تمھارا رام پور پہنچا۔ خدا تم کو جیتا رکھے۔

اب میں شنبے کے دن سترہ مارچ کو دلی روانہ ہوں گا۔ تم کو بہ طریقِ اطلاع لکھا ہے۔ اب بہ دستور ارسالِ خطوط دلی کو رہے، یہاں نہ بھیجنا۔

ہاں بھائی ان دنوں میں برخوردار مرزا یوسف علی خاں وہاں آئے ہوئے ہیں آج ہی اُن کا خط مجھ کو پہنچا ہے۔ تم ضرور اُن سے ملنا۔ منشی امیر علی صاحب کے ہاں وہ اُترے ہوئے ہیں، اُن کو بلا کر میری دعا کہنا اور کہنا کہ اچھا ہے، دلی چلے آؤ۔ وہاں جو مجھ سے

ملو گے تو زبانی سب کلام ہو رہے گا۔ اور اگر وہ ہاترس گئے ہوں، تو یہ رقعہ جو تمھارے نام کا ہے، ایک کاغذ میں لپیٹ کر ٹکٹ لگا کر ہاترس کو شیخ کریم بخش چوکیداروں کے دفعہ دار کے گھر کے پتے سے بھیج دینا۔ ضرور ضرور۔

روان داشتہ، چہار شنبہ ۱۴ مارچ ۱۸۶۰ء وقت دوپہر　　　　از غالب

(۳۲)

میاں!

دیوان کے میرٹھ میں چھاپے جانے کی حقیقت سُن لو؛ تب کچھ کلام کرو۔ میں رام پور میں تھا کہ ایک خط پہنچا، سرنامے پر لکھا تھا: "عرضداشت عظیم الدین احمد، من مقام میرٹھ"۔ واللہ باللہ، اگر میں جانتا ہوں کہ عظیم الدین کون ہے اور کیا پیشہ رکھتا ہے۔ بہرحال پڑھا۔ معلوم ہوا کہ ہندی دیوان اپنی سوداگری اور فائدہ اُٹھانے کے واسطے چھاپا چاہتے ہیں۔ خیر، چپ ہو رہا۔ جب میں رام پور سے میرٹھ آیا، بھائی مصطفیٰ خاں صاحب کے ہاں اُترا۔ وہاں منشی ممتاز علی صاحب میرے دوستِ قدیم مجھ کو ملے، انھوں نے کہا کہ اپنا اردو کا دیوان مجھ کو بھیج دیجیے گا۔ عظیم الدین، ایک کتاب فروش، اس کو چھاپا چاہتا ہے۔ اب تم سنو، دیوان ریختہ اتم و اکمل کہاں تھا؟ مگر ہاں میں نے غدر سے پہلے لکھوا کر نواب یوسف علی خاں بہادر کو رام پور بھیج دیا تھا۔ اب جو میں دلی سے رام پور جانے لگا، تو بھائی ضیاالدین خاں صاحب نے مجھ کو تاکید کر دی تھی کہ تم نواب صاحب کی سرکار سے دیوانِ اردو لے کر اس کو کسی کاتب سے لکھوا کر مجھ کو بھیج دینا۔ میں نے رام پور میں کاتب سے لکھوا کر بہ سبیلِ ڈاک ضیاالدین خاں کو دلی بھیج دیا تھا۔

آمدم بر سرِ مدعاے سابق۔ اب جو منشی ممتاز علی صاحب نے مجھ سے کہا تو مجھے یہی کہتے بن آئی کہ اچھا، دیوان تو میں ضیاالدین خاں سے لے کر بھیج دوں گا، مگر کاپی کی

تصحیح کا ذمہ کون کرتا ہے؟ نواب مصطفیٰ خان نے کہا کہ "میں"۔ اب کہو میں کیا کرتا؟ دلی آ کر ضیاء الدین خاں سے دیوان لے کر، ایک آدمی کے ہاتھ نواب مصطفیٰ خاں کے پاس بھیج دیا۔ اگر میں اپنی خواہش سے چھپواتا تو اپنے گھر کا مطبع چھوڑ کر پرائے چھاپے خانے میں کتاب کیوں بھجواتا؟ آج اسی وقت میں نے تم کو یہ خط لکھا اور اسی وقت بھائی مصطفیٰ خاں صاحب کو ایک خط بھیجا ہے اور اُن کو لکھا ہے: "اگر چھاپا شروع نہ ہوا ہو، تو نہ چھاپا جائے اور دیوان جلد میرے پاس بھیجا جائے"۔ اگر دیوان آگیا تو فوراً تمھارے پاس بھیج دوں گا۔ اور اگر وہاں کاپی شروع ہو گئی ہے تو میں ناچار ہوں، میرا کچھ قصور نہیں ہے۔ اور اگر سرگذشت کو بھی سن کر مجھ کو گنہگار ٹھہراؤ، تو اچھا، میرا بھائی، میری تقصیر معاف کیجیو۔ رمضان اور عید کا قصہ لگا ہوا ہے۔ یقین ہے کہ کاپی شروع نہ ہوئی ہو اور دیوان میرا میرے پاس آئے آئے اور تم کو پہنچ جائے۔

انیس یا بیس جنوری ۱۸۶۰ء کتاب اور دونوں عرضیاں ولایت کو روانہ کر کے رام پور گیا ہوں۔ تین مہینے کی جہاز کی آمد و رفت ہے، سو گزر چکی ہے۔ خواہی اسی مہینے میں، خواہی آغاز ماہِ آیندہ یعنی مئی میں جواب کے آنے کا مترصد ہوں۔ دیکھیے آئے یا نہ آئے۔ آئے تو خاطر خواہ آئے یا ایسا ہی سرسری آئے۔

اپریل ۱۸۶۰ء

(۳۴)

صاحب میں تمہارا گنہگار ہوں تمہاری کتاب میں نے دوبار لکھی ہے
بڑی کوشش اور محنت سے اسکو وہاں نہ چھپنے دیا اور منگوا لیا
آج بیر کے دن ۲۵ جون کو پارسل کے ڈاک میں روانہ کیا ہے
لواب میری تقصیر معاف کرو اور مجھ سے راضی ہو جاؤ اور اپنی رضامندی
کے مجھے اطلاع دو یہ کتاب یعنی دیوان ریختہ تمکو میں نے دیڈالا

ابر اس کے مالک تم ہو میں نہیں کہتا کہ چھاپو میں نہیں کہتا کہ نہ چھاپو
جو تمہاری خوشی ہو سو کرو اگر چھاپو تو بیس جلد کا خریدار مجھکو لکھ لو
اور اچھا میرا میاں زرا تصحیح کا بہت خیال رکھیو ۱۲

صاحب!

میں تمھارا گنہگار ہوں۔ تمھاری کتاب میں نے دبا رکھی ہے۔ بڑی کوشش اور محنت سے اس کو وہاں نہ چھپنے دیا اور منگوا لیا۔ آج پیر کے دن پچیس جون کو پارسل کی ڈاک میں روانہ کیا ہے۔ لو اب میری تقصیر معاف کرو اور مجھ سے راضی ہو جاؤ اور اپنی رضامندی کی مجھے اطلاع دو۔

یہ کتاب یعنی دیوانِ ریختہ تم کو میں نے دے ڈالا۔ اب اس کے مالک تم ہو۔ میں نہیں کہتا کہ چھاپو، میں نہیں کہتا کہ نہ چھاپو، جو تمھاری خوشی ہو، سو کرو۔ اگر چھاپو تو بیس جلد کا خریدار مجھ کو لکھ لو۔ اور اچھا، میرا میاں، ذرا تصحیح کا بہت خیال رکھیو۔

دوشنبہ ۲۵ جون ۱۸۶۰ء

(۳۴)

میاں!

تمھاری باتوں پر ہنسی آتی ہے۔ یہ دیوان جو میں نے تم کو بھیجا ہے، اتم و اکمل ہے۔ وہ اور کون سی دو چار غزلیں ہیں، جو مرزا یوسف علی خاں عزیز کے پاس ہیں اور اس دیوان میں نہیں؟ اس طرف سے آپ اپنی خاطر جمع رکھیں کہ کوئی مصرع میرا اس دیوان سے باہر نہیں۔ معہذا اُن سے بھی کہوں گا اور وہ غزلیں اُن سے منگا کر دیکھ لوں گا۔

تصویر میری لے کر کیا کرو گے؟ بے چارہ عزیز کیوں کر کھنچوا سکے گا؟ اگر ایسی ہی

ضرورت ہے تو مجھ کو لکھو، میں مصوّر سے کھنچوا کر تم کو بھیج دوں۔ نہ نذر درکار نہ نیاز۔ میں تم کو اپنے فرزندوں کے برابر چاہتا ہوں اور شکر کی جگہ ہے کہ تم فرزندِ سعادت مند ہو۔ خدا تم کو جیتا رکھے اور مطالبِ عالیہ کو پہنچائے۔

سہ شنبہ ۳ جولائی سنہ ۱۹۶۰ء غالب

(۳۵)

میاں!

میں جانتا ہوں کہ مولوی میر نیاز علی صاحب نے وکالت اچھی نہیں کی۔ میرا مدعا یہ تھا کہ وہ تم پر اس امر کو ظاہر کریں کہ دلّی میں ہندی دیوان کا چھپنا پہلے اُس سے شروع ہوا ہے کہ حکیم احسن اللہ خاں صاحب تمھارا بھیجا ہوا فرما مجھ کو دیا اور وہ جو میں نے یہاں کے مطبع میں چھاپنے کی اجازت دی تھی، یہ سمجھ کر دی تھی کہ اب تمھارا ارادہ اس کے چھاپنے کا نہیں۔ غور کرو، میرٹھ کے چھاپے خانے والے محمد عظیم نے کس عجز و الحاح سے دیوان لیا تھا اور میں نے نظر تمھاری ناخوشی پر بہ جبر اس سے پھیر لیا۔ یہ کیوں کر ہو سکتا تھا کہ اور کو چھاپنے کی اجازت دوں؛ تم نے جو خط لکھنا موقوف کیا، میں سمجھا کہ تم خفا ہو۔ میں نے مولوی نیاز علی صاحب سے کہا کہ برخوردار شیو نرائن سے میری تقصیر معاف کروا دینا۔

بھائی، خدا کی قسم میں تم کو اپنا فرزندِ دلبند سمجھتا ہوں۔ اس دیوان اور تصویر کا ذکر کیا ضرور ہے؛ رام پور سے وہ دیوان صرف تمھارے واسطے لکھوا کر لایا۔ دلّی میں تصویر بہ ہزار جستجو بہم پہنچا کر مول لی اور دونوں چیزیں تم کو بھیج دیں۔ وہ تمھارا مال ہے، چاہو اپنے پاس رکھو، چاہو کسی کو دے ڈالو، چاہو پھاڑ کر پھینک دو۔ تم نے "دستنبو" کی جدول اور جلد بنوا کر ہم کو سوغات بھیجی تھی؛ ہم نے اپنی تصویر اور اردو کا دیوان تم کو

بھیجا۔ میرے پیارے دوست ناظر بنسی دھر کی تم یادگار ہو:

اے گل بہ تو خرسندم، تو بوے کسے داری

۱۰ جنوری ۱۸۶۲ء خوشنودی کا طالب غالب

(۳۶)

برخوردار منشی شیو نرائن کو دعا کے بعد معلوم ہو، تصویر پہنچی، تحریر پہنچی۔ سنو میری عمر ستر برس کی ہے اور تمھارا دادا میرا ہم عمر اور ہم باز تھا اور میں نے اپنے نانا صاحب خواجہ غلام حسین مرحوم سے سُنا کہ تمھارے پردادا کو اپنا دوست بتاتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں بنسی دھر کو اپنا فرزند سمجھتا ہوں۔ غرض اس بیان سے یہ ہے کہ سو سوا سے برس کی ہماری تمھاری ملاقات ہے، پھر آپس میں نامہ و پیام کی راہ و رسم نہیں اور اس راہ و رسم کے مسدود ہونے کا حاصل یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کے حال کی خبر نہیں۔ اگر تم کو میرے حال سے آگاہی ہوتی تو مجھ کو بہ سبیلِ ڈاک کبھی اکبرآباد نہ بلاتے۔

لو اب میری حقیقت سنو۔ چھٹا مہینا ہے کہ سیدھے ہاتھ میں ایک پھنسی ہوئی پھنسی نے صورت پھوڑے کی پیدا کی۔ پھوڑا پک کر، پھوٹ کر، ایک زخم، زخم کیا ایک غار بن گیا۔ ہندوستانی جراحوں کا علاج رہا۔ بگڑتا گیا، دو مہینے سے کالے ڈاکٹر کا علاج ہے۔ سلائیاں دوڑ رہی ہیں، استرے سے گوشت کٹ رہا ہے، بیس بائیس دن سے صورت افاقت کی نظر آنے لگی ہے۔

اب ایک اور داستان سنو۔ غدر کے رفع ہونے اور دلّی کے فتح ہونے کے بعد میرا پنشن کھلا، چڑھا ہوا روپیہ دام دام ملا۔ آیندہ کو بہ دستور بے کم و کاست جاری ہوا۔ مگر لارڈ صاحب کا دربار اور خلعت جو معمولی و مقرری تھا مسدود ہو گیا۔ یہاں تک کہ صاحب سکرتر بھی مجھ سے نہ ملے اور کہلا بھیجا۔ کہ اب گورنمنٹ کو تم سے ملاقات کبھی منظور نہیں۔

میں فقیر متکبر، مایوس، دائمی ہو کر اپنے گھر بیٹھ رہا اور حکامِ شہر سے بھی ملنا میں نے موقوف کر دیا۔ بڑے لاٹ صاحب کے ورود کے زمانے میں نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب بھی دلّی میں آئے۔ دربار کیا۔ خیر کرو، مجھ کو کیا؟ ناگاہ دربار کے تیسرے دن بارہ بجے چپراسی آیا اور کہا کہ نواب لفٹنٹ گورنر نے یاد کیا ہے۔ بھائی یہ آخر فروری ہے اور میرا حال یہ ہے کہ علاوہ اُس دائیں ہاتھ کے زخم کے، سیدھی ران میں اور بائیں ہاتھ میں ایک ایک پھوڑا جدا ہے، حاجتی میں پیشاب کرتا ہوں، اٹھنا دشوار ہے، بہ ہر حال سوار ہوا، گیا۔ پہلے سکرٹر بہادر سے ملا۔ پھر نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تصور میں کیا، بلکہ تمنا میں بھی جو بات نہ تھی، وہ حاصل ہوئی۔ یعنی عنایت سی عنایت، اخلاق سے اخلاق۔ وقتِ رخصت خلعت دیا اور فرمایا کہ یہ ہم تجھ کو اپنی طرف سے ازراہِ محبت دیتے ہیں اور مژدہ دیتے ہیں کہ لاٹ صاحب کے دربار میں بھی تیرا نمبر اور خلعت کھل گیا۔ انبالے جا، دربار میں شریک ہو، خلعت پہن۔ حال عرض کیا گیا۔ فرمایا۔ خیر، اور کبھی کے دربار میں شریک ہونا۔ اس پھوڑے کا برا ہو، انبالے نہ جا سکا۔ آگرے کیوں کر جاؤں؟ بابو ہرگوبند سہائے صاحب کو سلام۔ مضمون واحد۔

۳ مئی ۱۸۶۳ءؔ

منشی نبی بخش حقیر

(۱)

صاحب بندہ!

میاں نسیم اللہ یہاں آئے اور وہ حکمت امام الدین خاں سے اور فلسفہ مولوی صدرالدین سے پڑھتے تھے۔ ناگاہ از روے اضطرار کول کو چلے گئے۔ وقتِ وداع کہتے تھے کہ والد کی بیماری کی خبر وطن سے آئی ہے، ناچار میں جاتا ہوں اور کتبِ درسی یہیں چھوڑے جاتا ہوں۔ بعد حصولِ افاقتِ مریض پھر آؤں گا۔ آج تک وہ معاودت کر کر نہیں آئے۔ آپ از راہِ مہربانی اُن کا حال اور اُن کے والدِ ماجد کی صحت و مرض کا حال منشی ہر گوپال تفتہ سے معلوم کر کر مجھ کو لکھیے۔ ضرور ضرور۔ فقط۔

۹ مارچ ۱۸۴۸ء

(۲)

بندہ پرور!

بہت دنوں سے میرا دھیان آپ میں لگا ہوا تھا۔ بارے آپ

کے خط آنے سے بہت خوشی اور فرحت حاصل ہوئی۔ یہ آپ نے کیا لکھا ہے کہ میں بدایوں کے حکیم کی دوا کر رہا ہوں، تیری بنائی ہوئی دوا ابھی نہیں کر سکتا۔ آپ غور تو کیجیے میں نے تو دوا نہیں بنائی۔ ایک ترکیب پانی کے مدبّر کرنے کی عرض کی ہے۔

صاحبانِ امراضِ سوداویہ مزمنہ کو اس پانی کا پینا نفع کرتا ہے اور نفع اس کا برسوں میں ظاہر ہوتا ہے، اور اس پانی کے استعمال کے زمانے میں دوا کو ممانعت نہیں۔ جو دوا چاہیے کھائیے جو غذا چاہیے، تناول فرمائیے۔ صرف یہ پانی کب دوا ہو سکتا ہے۔ آپ شوق سے اس پانی کو شروع کیجیے اور دوا طبیب کی بدستور کیے جائیے اور غذا موافق طبیب کے کھائے جائیے۔ پانی جب پیجیے تب یہی پانی پیجیے۔ جہاں جائیے آدمی کو حکم کیجیے کہ ایک صراحی اس پانی کی لے لیوے اور یہ بھی آپ کے خیال میں رہے کہ اگر ناگاہ کوئی ضرورت لاحق ہو اور یہ پانی موجود نہ ہو اور آپ اور پانی بہ حسبِ ضرورت پی لیویں تو بھی محلِ اندیشہ نہیں ہے۔ منشی ہرگوپال تفتہ کے باب میں جو کچھ لکھا تھا، معلوم ہوا۔ خدا کی قسم، مجھ کو اُن سے ہرگز ملال نہیں ہوا۔ بلکہ مجھ کو یہ غم تھا کہ کہیں وہ اپنی غلط فہمی سے مجھ سے ملول نہ ہوئے ہوں۔ بہ ہر حال اس گفتگو میں منشی صاحب نے ایک فقرہ اپنی مدح میں بڑھوا لیا یعنی سپہرِ سخن را ماہِ دو ہفتہ۔ آپ ان سے میرا سلام کہیے گا اور یہ کہیے گا کہ میں تم سے راضی اور خوش ہوں۔ یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے راضی رہو اور مجھ کو اپنا خدمت گزار سمجھو۔ رباعیاں آپ کی بھیجی ہوئی میرے پاس موجود ہیں۔ بعد اصلاح کے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ گھبرائیے نہیں اور خاطر جمع رکھیے۔

"مُغاں شیوہ بانواں"۔ "بانو" بادشاہ کی بیوی کو کہتے ہیں اور الف نون جمع کا ہے، یعنی بیبیاں۔ "مُغاں شیوہ" کی وہ ترکیب ہے جو "گُل رخسار" اور "ماہ جبیں" کی ترکیب ہے یعنی وہ شخص کہ جس کا رخسار مانندِ گُل کے ہے اور پیشانی چاند کی سی ہے اور شیوہ مُغاں کا سا ہے۔ مُغ آتشکدہ کا کارفرما، اور چونکہ بادشاہانِ پارس آتش پرست تھے تو وہ خدمتِ آتش کردن

کی عمائدو اکابر و اشراف و علما کو دیتے تھے اور شراب کو چونکہ وہ بہت عمدہ چیز اور پاک اور متبرک جانتے تھے اور ہر سفلہ اور فرومایہ کو نہیں پینے دیتے تھے، یہ بھی مغوں کی تحویل میں رہتی تھی تاکہ وہ جس کو لائق سمجھیں اور اہل جانیں اُس کو بہ قدرِ مناسب دیں۔ بہ ہر حال وہ لوگ یعنی مغ بہت خوب صورت اور خوش سیرت، عالم فاضل، طرحدار، بذلہ گو، حریف ظریف ہوا کرتے تھے۔ اس راہ سے پارسیوں نے "مغاں شیوہ" مدح معشوقوں کی ٹھہرائی ہے، یعنی چالاک اور خوش بیان اور طرحدار اور نزچھا اور بانکا مانند مغوں کے اور اس کا نظیر ہندوستان میں یہ ہے کہ جیسے کسو بیگم یا عمدہ عورت کو کہیں کہ فلانی بیگم یا فلانی عورت میں کتنا ڈومنی پن نکلتا ہے۔ قصہ مختصر "مغاں شیوہ" اُس محبوب کو کہتے ہیں کہ جو بہت گرم اور شوخ اور شیریں حرکات اور چالاک ہو۔ "مغاں شیوہ بانواں"، "مغاں شیوہ دلبراں"، "مغاں شیوہ شاہداں"، خواہی بہ جمع، خواہی بہ انفراد ترکیب مقلوب ہے، یعنی "بانوے مغاں شیوہ" یا "بانوانِ مغاں شیوہ"۔ قس علیٰ ہذا اور الفاظ۔

مدح جناب سید الشہدا میں قطع ہے:

معذوری ار ز حادثہ رنجی ازاں کہ نیست
از نازکی بہ طبع گوارا گریستن
مسکیں نہ دیدۂ ز مغاں شیوہ بانواں
در خوابگاہِ بہمن و دارا گریستن[۳]

حاصلِ معنی یہ کہ شاعر اپنے نفس کو یا کسو اور کو مخاطب کر کر کہتا ہے کہ تو معاف ہے۔ اگر وقائع و حوادثِ دہر سے آزردہ ہوتا ہے اس واسطے کہ تو بہت نازک ہے اور گریہ و زاری کی شدت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ بیان بہ سبیلِ طعنہ و تعریض واقع ہے جیسا کہ دوسرے بیت میں کہتا ہے کہ اے شخص تو نے خوابگاہِ بہمن و دارا میں پری زاد و نازک و مغاں شیوہ بیگمات کو رونے پیٹنے نہیں دیکھا کہ کیسے بادشاہانِ جلیل القدر

کی بیبیاں تھیں اور کیسی طرح دارو نازک کہ جیسے مغ ہوتے ہیں اور پھر ان پر کیا مصیبتیں گزریں، ظاہراً تو نے یہ قصہ کتبِ تواریخ میں نہیں دیکھا اور وجہ بہمن و دارا کے نام خاص کی یہ ہے کہ بہمن ابن اسفندیار کو آغازِ شباب میں اژدہا نگل گیا ہے اور دارا ابن داراب ابن بہمن عین جوانی میں سکندر کی لڑائی میں اپنے دو مصاحبوں کے ساتھ مارا گیا۔

والسلام والاکرام۔

نگاشتۂ یکشنبہ چارم جون ۱۸۴۸ء اسداللہ

(۳)

شفیق میرے! مشفق میرے! کرم فرما میرے! عنایت گستر میرے! تمھارے ایک خط کا جواب مجھ پر قرض ہے، کیا کروں سخت غمزدہ اور ملول رہتا ہوں۔ مجھ کو اب اس شہر کی اقامت ناگوار ہے اور موانع اور عوائق ایسے فراہم ہوئے ہیں کہ نکل نہیں سکتا۔ خلاصہ میرے رنج والم کا یہ ہے کہ میں اب صرف مرنے کی توقع پر جیتا ہوں۔ ہیہات :

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
نا امیدی اس کی دیکھا چاہیے

آج اسی ہجومِ غم واندوہ میں تمھارا اور تمھارے بچوں کا خیال آگیا۔ بہت دن گزرے کہ نہ تمھارا حال معلوم اور نہ پیاری بھتیجی زکیہ کا حال معلوم۔ نہ منشی عبداللطیف اور نصیرالدین کی حقیقت معلوم۔ دعاگو ہوں تمھارا اور ثناخواں ہوں تمھارا۔ بہ ہر حال لڑکوں کو دعا کہہ دینا، اور اگر مولانا تفتہ ہوں تو ان کو سلام کہنا اور کہنا کہ بھائی دو ایک جز تمھارے اس کارنامے کے دیکھے ہیں۔ آیندہ مجھ کو کثرتِ غم وہم سے

فرصت دیکھنے کی نہیں ملی۔

نگاشتہ نہم و فرستادہ دہم جنوری ۱۸۵۰ء — از اسد اللہ

(۴)

بھائی صاحب!

بندۂ گنہگار حاضر ہوا ہے اور بندگی عرض کرتا ہے اور عفوِ تقصیر کا آرزو مند ہے دو خط آپ کے آئے ہیں اور اُن کا جواب لکھ نہیں سکا۔ ظاہراً شیخ وزیر الدین نے عرض کیا ہوگا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ میرا اور آپ کا لہو ملتا ہے۔ جب وہاں احتراق کی شدتیں ہیں تو یہاں اُس کا ظہور کیوں کر نہ ہو، ایک مدت سے میرا پاؤں پھل رہا تھا، چھوٹے چھوٹے دانے بطریقِ دائرہ کفِ پا کے محیط تھے۔ ناگاہ جیسے ایک قوم میں سے ایک شخص امیر ہو جائے۔ ایک دانہ اُن دانوں میں سے بڑھ گیا، اور پک گیا اور پھوڑا ہو گیا اور وہ قریب ٹخنے کی ہڈی کے تھا۔ قیاس کیجیے کیا حال ہوگا۔ عید کے دن بادشاہ کے ساتھ عیدگاہ نہ جا سکا۔ دوسرے دن لنگ لنگاں قلعے گیا اور عید کی نذر دی۔ آخر کار تپ چڑھی اور صداعِ شدید عارض ہوا۔ وہ پھوڑا پکا اور پھوٹا۔ کھولن عرض کروں، سوزش عرض کروں۔ دس بارہ دن برابر یہ حال رہا مرہم لگائے گئے آخر کار وہ پھوڑا پھوٹا۔ اُس میں سے مادۂ منجمد جس کو کیل کہتے ہیں، وہ نکلا، دو انگل کا زخم پڑ گیا۔ اب وہ زخم بھر گیا ہے۔ دو پھاہوں میں اچھا ہو جائے گا۔ تپ جو عارضی تھی، جاتی رہی۔ مگر صُداع شاید مادّی اور بجائے خود ایک مرضِ حقیقی تھا کہ ہنوز باقی ہے۔ باللہ العظیم، اگر اس عرصے میں ایک صفحہ لکھا ہو جہاں تک تم کو بھیج چکا ہوں، وہیں تک تحریر ہے۔ ایک فقرہ اس پر زائد نہیں لکھا گیا۔ اور اگر یہی دردِ سر ہے تو نہ لکھا جائے گا۔ اس سبب سے تحریرِ خط میں مقصر رہا ہوں۔ معاف رکھیے گا اور اس خط کا جواب لکھیے گا۔

ان دنوں دلّی میں تپ و درد سر و اقسامِ امراض کی شدّت ہے بارے اطلاع دیجیے کہ آپ کا مزاج کیسا ہے اور میرا بھتیجا اور پیاری بھتیجی کس طرح ہے۔ پہلے خط سے معلوم ہوا تھا کہ وہ دوات قلم لے کر الگ بیٹھتی ہے اور مجھ کو خط لکھا کرتی ہے اور جب لڑتی ہے تو کہتی ہے کہ میں مرزا صاحب کے ہاں چلی جاؤں گی۔ اب آپ اُس سے مرزا صاحب کہنا موقوف کروایئے، اُس سے مجھ کو چچا کہوایا کیجیے۔ اگر خدا چاہتا ہے تو ان جاڑوں میں ایک بار بہ طریقِ ڈاک کول آؤں گا اور دو چار دن رہوں گا۔ تم کو دیکھوں گا اور اپنی بھتیجی کو دیکھوں گا۔

تفتہ کا حال معلوم ہوا۔ ہم نے بھی بادشاہ کی نوکری کی تھی، وہ ہمارے شاگرد ہیں، کیوں کر راجا کی نوکری نہ کرتے۔ سنو بھائی! بات وہ ہے جو تم کہتے ہو۔ تفتہ کو نوکری سے اپنے جان و تن کی پرورش منظور نہیں، دیوان کے چھپنے کی فکر ہے۔ کیا کروں دستگاہ نہیں اور بے مقدور ہوں ورنہ کیا سو دو سو سے تفتہ کی اعانت نہ کرتا۔ اپنے سے بیزار، یاروں سے شرمسار۔ کیوں کر کوئی جانے کہ میں اپنے دوستوں کو کس طرح چاہتا ہوں۔ تہی دست کی بات کیا اور اس کی آبرو کیا۔ ہاں صاحب اگر بابو ہرگوبند سنگھ آپ کے پاس آئیں تو اُن سے میری دعا کہنا اور یہ میرا حال کہہ دینا اور اُن کو اطلاع دینا کہ تمھارا خط پہنچا ہے۔ جواب اس راہ سے نہیں لکھا کہ تم اپنا احوال مجھ کو لکھو۔ اب زیادہ کیا لکھوں۔ لڑکوں کو دعا کہہ دینا۔ اور شیخ وزیر الدین کا حال لکھنا۔ والسلام والاکرام۔

اگست تا اکتوبر ۱۸۵۵ء

(۵)

اپنے بھائی صاحب قبلہ کی خدمت میں بندگی عرض کرتا ہوں اور اپنی بھتیجی کو دعا کہتا ہوں اور اپنے پیارے بھتیجے کو پیار کرتا ہوں اور اُس کی تندرستی کی دعا مانگتا

ہوں۔ سنا ہیں نے کہ پھر اُس کو دست آنے لگے۔ صاحب اندیشہ نہ کرو، جوں جوں یہ بڑھتا جائے گا اور حرارت اُس کے مزاج میں آتی جائے گی، ووں ووں یہ حالت رفع ہوتی جائے گی، اِنشاء اللہ تعالیٰ۔ اصل خبیری، جوارشِ عود و جوارشِ مصطگی ہموار کھو۔ نہ ہر روز بلکہ گاہ گاہ اس کو چٹا دیا کرو اور خورشہائے ناگوار مت دیا کرو۔ اب میرا حال سنو۔ منجن پہنچا۔ درد سے مر رہا تھا۔ واللہ بے تکلف کہتا ہوں۔ میں نے اس پچپن برس کی عمر میں ایسی سریع اتنا تیز دوا نہیں دیکھی۔ ایک بار کے لگانے سے درد تو فوراً جاتا رہا، صبح کو ورم بالکل نہ تھا۔ ڈاڑھ کے درد کی مگر اکسیر ہے، لیکن باوجود اس کے تکلیف نہ گئی۔ بھائی یہ درد از قسم اوجاعِ نزلہ و رطوبت نہیں۔ ڈاڑھ گرنے کو ہے جگہ چھوڑ دی ہے اوپر کو اٹھ آئی ہے۔ ہنوز کچھ علاقہ مسوڑھے سے باقی ہے جب وہ علاقہ جاچکے اور ڈاڑھ گر چکے تب فرصت ہو۔ چار ڈاڑھیں گر چکی ہیں، یہ پانچویں گرا چاہتی ہے۔ چوں کہ ہے انتہا ہیں، اُس کو اکھڑوا نہیں سکتا۔ بہ ہر حال آپ کی عنایت سے وہ درد اور ورم کہ جو منشائے آزار تھا، جاتا رہا۔ اب یہ قصہ تو جب تک زندہ ہیں، رہے گا۔ پاؤں بھی اب اچھا ہے۔ زخم تھوڑا سا باقی رہا ہے۔ زحمت و تکلیف و رنج و آشوب نہیں ہے۔ تمھارا حال ان دونوں خطوں سے معلوم ہوا۔ کیا کروں کچھ اختیار کی بات نہیں۔ خدا تم پر رحم کرے۔ یہ مرض نہیں، روگ ہے۔ اس روگ کو خدا کھووے۔

میاں نسیم اللہ صاحب نے اچھا کیا، بیکاری سے بہتر ہے، اگر قسمت یاوری کرے گی اور نیک نام رہیں گے، ترقی کر جائیں گے۔

مولانا تفتہ کا حال معلوم ہوا۔ اچھا ہے کچھ دنیا کا بھی دھندا لگا رہے۔ یقین ہے کہ کہیں سے وہ خط مجھ کو بھی لکھیں گے۔

منشی ہرگوبند سنگھ نے ایک خط مجھ کو اکبر آباد سے بھیجا تھا۔ اُس میں اپنی ملاقات کا حال جانی بانکے رلال سے معرفت تفتہ کے لکھا تھا۔ میں نے اُس کا

جواب نہیں لکھا، کیوں کہ وہ جواب طلب نہ تھا۔

ہاں صاحب، اب بابر بادشاہ کا حال تمام لکھ چکا ہوں۔ اب مجھ کو یہ لکھ بھیجیے کہ وہ جو میں نے آپ کو بھیجا ہے، وہ کہاں تک ہے۔ خاتمے کا فقرہ یا شعر جو کچھ ہو وہ لکھ کر بھیج دو تاکہ میں وہاں سے لکھ کر تم کو بھیج دوں۔ اب چھے مہینے پورے ہو چکے، جولائی سے دسمبر ۱۸۵۰ء تک۔ اب میں دیکھوں یہ ششماہا مجھے کب ملتا ہے۔ بعد اس کے ملنے کے اگر آیندہ ماہ بہ ماہ کر دیں گے تو تو میں لکھوں گا ورنہ اس خدمت کو میرا اسلام ہے۔

ابھی بابر کا حال حضور میں بھی نہیں بھیجا۔ کل مسودّہ تمام ہوا ہے۔ صاف ہو رہا ہے۔ اب صاف کر کر دیدوں گا، اور ماہ بہ ماہ کی استدعا کروں گا۔ چھے ماہی آخر ہونے کو تھی، اس واسطے متوجہ ہو کر میں نے اس کو تمام کیا۔ اس سبب سے فرصت تم کو خط لکھنے کی نہ ہوئی۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ کیا بک رہا ہوں قلم ہاتھ سے چھٹتا ہی نہیں۔ واللہ اس وقت تم کو اپنے پاس بیٹھا ہوا سمجھا ہوں اور تم سے باتیں کر رہا ہوں۔ سودائے محبت اسی کو کہتے ہیں۔ للجنون فنون۔

روز پنجشنبہ وقت صبح دوم جنوری ۱۸۵۱ء — از اسد اللہ

(۶)

بھائی صاحب کو بندگی پہنچے۔ ان دنوں میں حضورِ والا حضرت خواجہ صاحب کی درگاہ گئے ہوئے تھے اور احقر العباد بھی ساتھ گیا تھا۔ چنانچہ آپ کا نوازش نامہ جو میرے خط کے جواب میں تھا، وہ میرے آدمیوں نے وہیں درگاہ میں میرے پاس پہنچایا تھا۔ فرصت جواب لکھنے کی نہیں ہوئی۔ چار دن ہوئے کہ میں درگاہ سے شہر میں آیا۔ آتے ہی میں نے فصد کھلوائی۔ اس سبب سے دو دن خط نہیں لکھا، آج لکھتا ہوں۔ میں یہ سمجھا ہوا تھا کہ جب درگاہ سے آؤں گا تو

تمھارا خط آیا ہوا ہوگا وہ پاؤں گا۔ آدمیوں سے معلوم ہوا کہ کول کا کوئی خط نہیں آیا۔ ناچار مشوش ہوا۔ تشویش کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ زکیہ کی چیچک کا حال پہلے خط میں لکھا تھا اگرچہ یہ بھی لکھا تھا کہ دو چار دانے نمودار ہوکر جاتے رہے اور فرصت ہوگئی، مگر پھر بھی خیال باقی رہا۔ دوسرے وجہِ تشویش تمھاری طرف سے، آیا مزاج کیسا ہو، مرض کا حال کیا ہو۔ علاوہ اس سے کہیں دورہ، کہیں کثرتِ کاروبار۔ بہ ہر رنگ دھیان تمھاری طرف لگا ہوا ہے۔

مجھ کو بھی بہ سبب فصلِ بہار کے ہیجانِ خون ہے۔ احتراق کے شدائد بہ نسبت اور دنوں کے زیادہ ہیں۔ لازم یوں تھا کہ شاہترہ پیتا اور مسہل لیتا مگر کچھ نہ کر سکا۔ صرف فصد باسلیق پر قناعت کی اور آدھ سیر خون لے لیا۔ اب آیندہ جو کچھ ہو سو ہو۔ اجنٹ راجپوتانہ خود بھرت پور کے نواح میں ہے۔ یقین ہے کہ جانی بانکے رائے بھی ہوں گے اور منشی ہرگوپال تفتہؔ بھی ساتھ ہوں گے۔

تم اپنے اجزا کیوں نہیں منگوا بھیجتے۔ میں نے صرف تمھارے لطفِ طبع و ذوق کے واسطے التزام اس مشقت کا اپنے اوپر کیا ہے۔ منگواؤ اور منگوا کر مجھ کو اطلاع دو، اور نشانِ خاتمۂ عبارت لکھو تاکہ بقیہ بھی لکھ بھیجوں۔

منشی عبداللطیف سلمہ اللہ تعالیٰ کو دعا پہنچے۔ نصیرالدین کو دعا۔ زکیہ کو دعائے دیدہ بوسی اور اُس کی خیر و عافیت کی استدعا۔

والسلام۔

نگاشتۂ یکشنبہ دوم مارچ ۱۸۵۱ء

(۷)

بھائی صاحب کو سلام پہنچے۔ بھائی علی بخش خاں اور بھائی طرہ باز خاں

اور مرزا زین العابدین خاں اور مجموع احباب سلام کہتے ہیں۔ اور پوتے کے ہونے کی مبارک باد اور اُس کی طولِ عمر و دوام عیش کی دعا دیتے ہیں۔ بی بی میری تمھاری بی بی کو سلام اور تمھاری بہو کو دعا کہتی ہیں اور تم کو اور تمھاری بی بی کو اور تمھارے بیٹے اور تمھاری بہو کو مبارک باد دیتی ہے اور زکیہ کو پیار کرتی ہے اور نصیر الدین کو دعا کہتی ہے یہ سب باتیں تمھارے پیام کے جواب میں ہیں، تم نے جو لکھا تھا کہ اپنے گھر میں میرے گھر کی طرف سے سلام اور لڑکے بالوں کی طرف سے بندگی کہنا۔ یہ اُس کا جواب ہے یہ جواب اور سب اخوان و احباب کا سلام و تہنیت کئی دن سے میرے پاس امانت تھا، آج جمعے کے دن دوپہر کے وقت گو نہ فرصت تھی کہ میں نے یہ لکھ رکھا، اگر جیتا رہا تو کل صبح ڈاک کے وقت یہ خط روانہ کروں گا، انشاءاللہ العزیز۔

میرا دل بہت خوش ہوا کہ تم نے شیخ اکرام الدین عرف عبدالسلام کر کے لکھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو سلامت رکھے اور اسے مراتبِ عالی کو پہنچاوے کہ وہ اپنے اب وجد کا نام روشن کرے اور فخرِ خاندان ہو۔

مرزا احسن علی بیگ ایک روز میرے پاس آئے تھے کہ منشی صاحب چاہتے ہیں کہ تو کول آوے۔ میں نے کہا: "صاحب یہ دن جانے کے نہیں، اگر خدا چاہے گا تو انبہ کے موسم میں کول اور مارہرے جاؤں گا"۔ مارہرے کے پیرزادے کے بیٹے آئے تھے، میں نے اُن سے بھی کہہ دیا ہے کہ کول برسات میں آؤں گا، اگر بھائی نے رخصت دی تو مارہرے بھی آؤں گا"۔

بھائی! تم نے وہ اوراق کھو دیے، اب میں کیا کروں۔ اگر وہ تمھارے پاس ہوتے تو مجھ کو ایک لگاؤ رہتا اور میں مشقت کھینچ کر، جو کچھ کہ اب لکھا ہے وہ لکھ کر تم کو بھیج دیتا۔ جب میں نے دیکھا کہ تم کو ذوق نہیں، میرا بھی دل سرد ہو گیا۔ خیر یہ تو ہنسی ہے اب تم وہ اوراق وہاں سے نہ منگواؤ۔ میں حضرت ہمایوں کا

حال تمام لکھ چکا ہوں، اب ازسرِ نو کسی کاتب سے لکھوا کر تم کو بھیجوں گا۔ خاطر جمع رکھنا۔ امیر تیمور، چار پشتیں بعد ان کے بابر تک، ایسی گزریں کہ جس میں کشورکشائی و لشکرکشی نہیں ہوئی۔ بابر، ہمایوں ــ تین بادشاہِ اولوالعزم کا حال بہ سبیلِ اجمال لکھ چکا ہوں۔ اب حضرت اکبر بادشاہ کا حال شروع کروں گا۔ نوروز کا ہنگامہ تھا اور قصیدے کی فکر تھی۔ اس واسطے ابھی نثر کی طرف توجہ نہیں ہوئی اور ابھی دو چار دن دم لے لوں تو اب پھر سرگرمِ کار ہو کر اکبر بادشاہ کا حال لکھنا شروع کروں۔ تمھارے واسطے کاتب خوش نویس صحیح نویس پیدا کر کر لکھواتا ہوں، گھبراتا نہیں۔

تفتہ کا حال آپ نے بھی لکھا تھا اور اُن کا خط بھی آیا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ کول سے اکبرآباد کو گئے۔ ناچ رنگ، شراب و کباب میں محو ہوں گے۔

صاحب میرے! کچھ اشعار جانی بانکے لال کے، تفتہ نے میرے پاس بھیجے اور ایک خط اُن کا یعنی جانی جی کا اکبرآباد سے بے توسط تفتہ مجھ کو آیا۔ غرض یہ کہ نظم و نثر اس شخص کی مربوط ہے۔ میں اس کو اتنا نہیں جانتا تھا۔ اب آپ اُس سے اوراق کا تقاضا نہ کیجیے۔ میں آپ کے واسطے اور بھیجے دیتا ہوں۔ والسّلام۔

نگاشتہ جمعہ ۲۸ مارچ ۱۸۵۱ء اسداللہ

(۸)

بھائی صاحب!

یہ عنایت نامہ بھی پایا اور جس کی مجھے فکر تھی، وہ بھی آیا۔ اختلافِ مدت کا مدار مہر کاروں کی طبیعت پر ہے۔

حال منشی عبداللطیف اور زکیہ کا معلوم ہوا۔ گرمی کا موسم ہے۔ میں جانتا ہوں ان دونوں کو زہر مہرہ کا استعمال مفید ہو گا۔ کبھی کبھی شربت نیلوفر میں گھس کر پلا دیا

کریں اور چاٹ لیا کریں۔ بھائی لڑکوں کا گھر ہے۔ شربت نیلوفر، شربت بنفشہ، عرق نعناع کی سکنجبین، عرقِ کاسنی، عرقِ بادیان، اس طرح کی چیزیں گھر میں تیار کرو۔ گاہ گاہ استعمال میں آتی رہیں۔

ہاں صاحب نصیر الدین کا ذکر آپ نے خط میں بہت دنوں سے نہیں لکھا مگر وہ بھی کہیں ہمارے شیخ اکرام الدین کے ساتھ آگرے چلا گیا۔

آپ کی کتاب کی فکر میں ہوں۔ اگر اجل اماں دیتی ہے تو اب لکھ کر بھیجے دیتا ہوں۔ ہمایوں کا حال پندرہ سطر کے مسطر سے چار جز میں آیا ہے۔

ایک بات تم کو یہ معلوم رہے کہ جب حضور میں حاضر ہوتا ہوں تو اکثر بادشاہ مجھ سے ریختہ طلب کرتے ہیں، سو وہ کہی ہوئی غزلیں تو کیا پڑھوں، نئی غزل کہہ کر لے جاتا ہوں۔ آج میں نے دوپہر کو ایک غزل لکھی ہے، کل یا پرسوں جا کر پڑھوں گا۔ تم کو بھی لکھتا ہوں۔ داد دینا کہ اگر ریختہ بپایۂ سحر یا اعجاز کو پہنچے تو اس کی یہی صورت ہوگی یا کچھ اور شکل:

کہتے تو ہو تم سب کہ بتِ غالیہ مو آئے
اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وو آئے

ہوں کشمکشِ نزع میں ہاں جذبِ محبت
کچھ کہہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے

ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم
آنا ہی سمجھ میں مرے آتا نہیں، گو آئے

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین
ہاں، منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے

جلّاد سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے
سمجھے ہوئے ہیں ہم اسے جس بھیس میں جو آئے

ہاں اہلِ طلب کون سنے طعنۂ نایافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں، اپنے ہی کو کھو آئے

اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اُس در پہ نہیں بار تو کعبے ہی کو ہو آئے

کی ہم نفسوں نے اثرِ گریہ میں تقریر
اچھے رہے آپ اُس سے، مگر مجھ کو ڈبو آئے

اُس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے غالبؔ
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

نکتہ چیں ہے غمِ دل اُس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات، جہاں بات بنائے نہ بنے

میں بلاتا تو ہوں اُس کو مگر اے جذبۂ دل
اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بِن آئے نہ بنے

کھیل سمجھا ہے، کہیں چھوڑ نہ دے، بھول نہ جائے
کاش یوں بھی ہو کہ بِن میرے ستائے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لیے یوں ترے خط کو کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آئیں تو انھیں ہاتھ لگائے نہ بنے

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اٹھائے نہ بنے

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے
تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں، ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

اپریل، مئی ۱۸۵۱ء

(۹)

بھائی صاحب!

تم کو مبارک ہو نصیر الدین کا بیاہ اور عبدالسلام کا ختنہ۔ الحمد للہ کہ بہ خیر و عافیت یہ سب کام کر کر علی گڑھ آ گئے۔ منشی عبداللطیف صاحب کو عبدالسلام کے ختنے کی مبارک باد میری طرف سے دیجیے گا اور نصیر الدین کو اس کی شادی کی مبارک باد دیجیے گا، اور بی بی زکیہ کو بھائی کے بیاہ کی اور بھتیجے کے ختنے کی تہنیت کہیے گا اور بعد ان سب ظرافتوں کے بھابی صاحب کو میرا سلام اور مبارک باد کہیے گا۔ فقط

واسطے خدا کے اب کول آ گئے ہو، وہ عرق شروع کرو، جس طرح عرض کیا گیا کبھی شربتِ نیلوفر کے ساتھ اور کبھی شربتِ مرکب کے ساتھ۔ بندۂ خدا ایک پچاس دن میرا کہا مانو اور اس عرق کو پیو۔ جب تمام ہونے کو آئے، نسخہ تمھارے پاس ہے پھر کھچواؤ اور دس دن کم دو مہینے اس کا استعمال کرو۔ ضرور ضرور۔ فقط

کیا پوچھتے ہو زین العابدین خاں کا حال اور کیا کہوں اس کی بی بی کا حال۔ پہلے اس کی حقیقت سنو۔ بھائی اس کو ناگاہ رُعاف ہوا۔ رُعاف میں ناک سے لہو آتا ہے

مگر اُس کو منہ سے لہو آیا، ناک سے تھوڑا تھوڑا اور منہ کا کیا حال تھا گویا مشک کا دہانہ کھول دیا ہے۔ ایک ہفتے میں خدا جھوٹ نہ بلوائے آٹھ دس سیر خون نکلا، سیاہ اور بدبودار۔ توقع جینے کی باقی نہ رہی اور سب ناامید ہو گئے۔ بارے خدا نے بچا لیا، بچ گیا۔ اس کو تصور کیجے کہ تھا کیا، صرف استخوان و پوست رکھتا تھا، اب سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ اگرچہ ہنوز صاحبِ فراش ہے اور چلنا پھرنا تو کہاں پلنگ پر سے اُٹھ بھی نہیں سکتا، مگر بہم ہلاک نہیں ہے۔ اس کی بی بی کا حال سنیے۔ تین مہینے سے تپ اور کھانسی میں گرفتار ہے۔ خدا اُس پر اور اُس کے بچوں پر رحم کرے اور اُس کو بچائے۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر یوں سمجھو کہ اگر یہ بچ جائے تو گویا مُردہ جیا۔ باقی حضرت صاحب اور اُن کی اولاد اور سب احباب خوش ہیں۔

اپریل تا جولائی ۱۸۵۱ء

اسد اللہ

(۱۰)

بھائی صاحب کو سلام اور منشی عبداللطیف اور نصیر الدین اور پیاری زکیہ کو دعا پہنچے۔

حضرت عرق پیے جائیے اور گھبرائیے نہیں۔ دیکھنا کیا فائدہ کرتا ہے، مجھ کو تو مفید پڑا۔ یقین ہے کہ تم کو بھی نفع کرے گا۔

بندہ پرور! پاکھل کا مربّہ اور اچار دونوں موجود ہیں۔ خدا حضور کو سلامت رکھے۔ جب چاہوں مانگ لاؤں، مگر بھیجوں کیوں کر۔ ہاں ڈاک۔ اس کا یہ حال ہے کہ مرتبان، کمال (کذا) یہ ہے کہ ٹین میں رکھ کر بھیجیے۔ الٹا سیدھا لاکلام ہوگا۔ اگر مربّہ ہے تو شیرہ اور اگر اچار ہے تو تیل گر جائے گا۔ بہ ہر حال اچار پاکھل کا کہ وہ بہ نسبت مربّے کے زیادہ تر سود مند ہے، لے آیا ہوں اور میرے پاس رکھا ہے، جس طرح حکم کرو، اُس

طرح بھیج دوں۔

حضرت کالے صاحب اور میاں نظام الدین اور بھائی غلام حسین خاں اور طرہ باز خاں اور مغل علی خاں اور سب صاحب سلام کہتے ہیں۔ زین العابدین خاں اچھا ہے۔ بی بی بھی اُس کی فرصت پاتی چلی ہے، مرض کی صورت خطرناک نہیں رہی۔ خدا چاہے تو صحت ہو جائے۔

بھائی خدا کے واسطے حسن علی بیگ کو سمجھا دو کہ "یہ کیا طور ہے کہ ایک لونڈے کے واسطے بی بی کو چھوڑ دیا ہے۔ والدہ بھی تمھاری اُس کی بات نہیں پوچھتیں۔ وہ غریب اپنی خالہ کے ہاں پڑی ہوئی ہے۔ اپنی ماں کو لکھو کہ بہو کو منا کر لے آویں اور تمھارے پاس روانہ کریں"۔ یعنی یہ صلاح تم مرزا کو سمجھاؤ اور بہت سا کہو۔ فقط

اپریل تا جولائی ۱۸۵۱ء

(۱۱)

آداب بجا لاتا ہوں۔ بہت دن سے آپ کا خط نہیں آیا۔ بیگم میں میرا دھیان لگا ہوا ہے۔ آپ اکثر مجھ کو بھول جاتے ہیں اور جب میری طرف سے شکایت شروع ہوتی ہے تو حضرت رجوع بہ عدالتِ فوجداری کرتے ہیں اور کثرتِ اشغالِ سرکاری کو دستاویزِ عذر بناتے ہیں۔ بہ ہر حال اتنا تو بھولنا مناسب نہیں۔ ہر ہفتے میں ایک خط آپ کا اور ایک خط میرا آتا جاتا رہے۔ ان دنوں میں، بہ سبب عید کے قصیدے کی فکر کے، مجھ کو فرصتِ تحریر نہیں ملی۔ قصیدے جب چھاپا ہو کر آئیں گے تو موافقِ معمول آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا۔

میرے ایک دوست ہیں، انھوں نے ایک روپیہ مجھ کو دیا ہے اور یہ چاہا ہے کہ میں وہ روپیہ آپ کے پاس بھیجوں اور آپ اپنے بھائی صاحب کے پاس ہاتھرس

بھیج دیں اور وہ ایک روپیے کے چاقو، جیسے کہ وہاں بنتے ہیں۔ بہت تاکید کر کر اور فرمایش تحفہ بنوا کر آپ کو بھیج دیں۔ اور آپ خواہی کسی کے ہاتھ خواہی ڈاک میں مجھ کو بھیج دیں۔ میں حیران تھا کہ روپیہ آپ تک کیوں کر پہنچے۔ بارے مرزا صاحب آج آگئے اور انھوں نے کہا کہ میں کل کول جاؤں گا۔ میں نے یہ خط لکھ کر مع روپیے کے اُن کو دے دیا۔ مہربانی فرما کر ہاترس بھیجیے اور تاکید لکھیے کہ بہت اچھے چاقو، جتنے آویں، مگر ایسے کہ اُن سے بہتر نہ ہوں، بنوا کر بھیج دیں۔ جلد۔ والسّلام۔

منشی عبداللطیف کو دعا پہنچے۔ بیگم کو اور نصیر الدین اور عبدالسلام کو دعا پہنچے۔ جناب میر طالب علی پھولس کے رئیس کہ جو حیدر آباد کے رسالے میں مرزا ذوالفقار علی بیگ رسالدار کی رفاقت میں مدرس رسالہ ہیں، وہ اپنے کو آپ کے والد ماجد کا آشنا بناتے ہیں اور آپ کو سلام کہتے ہیں۔

حق تعالیٰ تم کو خوش و خرم و تندرست، تمھاری اولاد کے سر پر سلامت رکھے اور تم ان کا بڑھاپا دیکھو اور ان کے بچوں کو کھلاؤ۔

منشی ہرگوبند سنگھ آئے اور بیگم کا مجھے پیام دیا کہ چچا میں نے کان چھدوالیے ہیں۔ سو تم میری طرف سے اُس کو دعا کہنا اور کہنا تم کو مبارک ہو اور تم کو زمرّد اور یاقوت کے پتّے بالیاں پہننی نصیب ہوں۔

جولائی ۱۸۵۱ء

(۱۲)

بھائی صاحب!

آپ کا خط بہت دن کے بعد آیا۔ خیر و عافیت معلوم ہوئی، دل خوش ہوا۔ اب ہوا سرد ہو گئی ہے۔ اِنشاءَاللہ تعالیٰ شیخ اکرام الدین بھی مع الخیر آجاویں گے۔ آپ کے خط کا جواب جو دیر میں لکھا ہے۔ اس سبب سے لکھا ہے کہ تقریبِ عید قریب آگئی تھی، قصیدے کی فکر میں سرگراں تھا۔ بارے عید ہو چکی۔ قصیدہ پڑھ چکا۔ اب

جواب آپ کے خط کا لکھا۔ کہو گے کہ قصیدہ مجھ کو کیوں نہ بھیجا۔ تہتر شعر ہیں اور صرف میں لکھنے والا۔ یہ لکھنا فکرِ شعر سے کم نہیں۔ اِنشاءُ اللہ لکھوں گا اور بھیجوں گا۔

تحریرِ تاریخ اسی سبب سے ملتوی رہی اب اس طرف متوجہ ہوں گا۔ آپ کے واسطے لکھواتا ہوں۔ کاتب کے آگے کارِ ضروری فرمایش سے حاکم کی آ گیا ہے۔ اُس کو وہ تمام کرے، تب اس تحریر کی طرف توجہ کرے۔ آپ خاطر جمع رکھیں جب تک آپ کے پاس نہ پہنچ لے اور آپ اُس کو نہ دیکھ لیں تب تک خود میرا دل خوش نہ ہو گا!

وائے بر جانِ سخن گر بہ سخنداں نرسد

یہاں سب طرح خیر و عافیت ہے۔ مخدوم زادہ بھی تندرست ہوتا چلا ہے۔ میں بہ دستور احتراق کی بلا میں مبتلا ہوں مگر التفات نہیں کرتا۔ میرے سب اخوان و احباب تم کو سلام کہتے ہیں۔ زکیہ کو میری طرف سے دعا کہہ دینا اور اس کو میری طرف سے پیار کرنا۔ منشی عبداللطیف صاحب کو دعا اور نصیر الدین کو دعا جب میاں عبدالسلام وطن سے آجائیں تو مجھ کو اطلاع دینا۔

والسلام۔

مرسلہ سہ شنبہ چارم اگست ۱۸۵۱ء

از اسد اللہ

(۱۳)

بھائی صاحب قبلہ!

زکیہ اور عبدالسلام کا آنا مبارک ہو۔ بڑے لڑکے کو بھی پروردگار تندرستی بخشے۔ ہاں صاحب! اخبار میں اکبر آباد اور عظیم آباد کی وبا کی دھوم سُنی جاتی ہے۔

کول کا کہیں ذکر نہ تھا۔ اب آپ کے لکھنے سے معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ اپنے سب بندوں کو امن و امان میں رکھے۔ اس شہر میں امن ہے مگر ہاں جیسا کہ شروعِ فصل میں تغیر ہو جاتا ہے اور تپ و لرزہ زکام پھیل جاتا ہے، وہ ہے۔ وبا نہیں ہے۔ گرمی بہت پڑتی ہے۔ دو دن سے ہوا سرد ہو گئی ہے۔ ابر آنے لگا ہے۔ بارش نہیں ہوئی انشاء اللہ تعالیٰ آج کل میں مینہ برسے گا۔

حضور والا قطب صاحب کی درگاہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ اس مہینے کی یعنی ذی قعدہ کی بیسویں کو آویں گے۔ مجھ کو دو چار دن کے واسطے درگاہ جانا ضرور تھا مگر میرے پاؤں میں دو ایک پھوڑے نکلے ہیں، اس عذرِ لنگ سے نہیں گیا۔

تاریخ کا حال کیا پوچھتے ہو۔ صرف ہمایوں کا حال لکھ چکا ہوں۔ اکبر بادشاہ کا احوال شروع بھی نہیں ہوا۔ بھائی مجھ سے یہ دردِ سر ہو نہیں سکتا۔ بس یہ اتنا ہی رہا۔ ایک کاتب ہیں بہت خوشنویس اور صحیح نویس۔ اُن کو میں نے مسودے دیے اور اُن سے کہا کہ اس کی دو نقلیں مجھ کو کر دو۔ ایک تمھارے واسطے اور ایک جانی بانکے لال کے واسطے۔ وہ ایک لکھ کر لائے، میں نے وہ جانی جی کو بھیج دی خیال کیا کہ بھائی کو دس روز کے بعد بھیج دوں گا۔ ناگاہ کاتب کو ایک کتاب تاریخ کی سشن جج نے لکھنے کو دی، وہ لکھ رہے ہیں۔ اس سبب سے درنگ ہو گئی ہے۔ آپ گھبراویں نہیں۔

جاروب لا بیار کہ ایں شرک فی الوجود
باگردِ فرش و سینہ بہ ایوان برابر است

ترکیبِ الفاظ یوں ہے کہ "شرک فی الوجود باگردِ فرش برابر است و سینہ بہ ایوان برابر است"، یعنی "دل" بہ منزلہ "ایوان" کے ہے اور "شرک فی الوجود" بہ منزلہ گردِ فرش" کے ہے۔ اس "گردِ فرش" کو جھاڑنا چاہیے۔ گرد جھاڑتے ہیں جھاڑو سے۔

لاءِ نافیہ کو جھاڑو مقرر کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ لاءِ نافیہ کی جھاڑو لا، اور دل کے ایوان سے شرک فی الوجود کی گرد جھاڑ ڈال۔ اب سمجھیے کہ شرک فی الوجود کیا اور لاءِ نافیہ کیا۔ شرک کئی قسم پر ہے۔ شرک فی الصفات۔ شرک فی الافعال۔ ان شرکوں کو سب جانتے ہیں مگر شرک فی الوجود بہت پوشیدہ ہے اور سب اس میں مبتلا ہیں، یعنی اشیا کے واسطے وجود جداگانہ قرار دینا اور خلق اور خالق کو الگ الگ سمجھنا۔ مذہب وحدت وجود کا یہ ہے کہ موجودِ حقیقی حق ہے اور اس کے سوا کوئی موجود نہیں۔ لَامَوجُودَ اِلَّا اللّٰہ لَامُوثِّرَ فِی الوُجُودِ اِلَّا اللّٰہ۔ "لا" واسطے نفی کے ہے۔ اہلِ ظاہر لا الٰہ الا اللہ کو یوں سمجھتے ہیں کہ سوائے اللہ کے کوئی لائق عبادت کے نہیں۔ پس وہ نفیِ استحقاقِ عبادت کرتے ہیں اور صوفیہ کہتے ہیں کہ "نہیں کوئی موجود سوائے اللہ کے"۔ پس یہ لوگ اشیا کی موجودیت کے عقیدے کو شرک فی الوجود کہتے ہیں اور اہلِ ظاہر کو شرکِ خفی جانتے ہیں:

بالائے طفلِ یک شبہ در خم زراستی
با قامتِ خمیدہ پیراں برابر است

خیال میں ہوگا کہ یہ شعر منجملہ ان اشعار کے ہے کہ جو ماہِ نو کی تشبیہہ میں واقع ہوئے ہیں۔ ایک تشبیہہ یہ بھی ہے۔ "طفلِ یک شبہ": پہلی رات کا چاند۔ "بالا" یہاں بہ معنی "قد" کے ہے نہ بہ معنی "اوپر" کے۔ "راستی" بہ معنی "سچ" کے ہے نہ بہ معنی "سیدھے" کے۔

بر دستِ شاہ تیغ و کماں راست جایگاہ
با تیغ و کماں بہ چہ برہاں برابر است

واہ بھائی، تم اور اس شعر کے معنی پوچھو۔ یہ دو تشبیہیں ماہِ نو کی ہیں۔ تلوار اور کمان۔ شاعر کہتا ہے کہ تلوار اور کمان بادشاہ کے ہاتھ میں ہوا کرتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہلال بادشاہ کے ہاتھ میں نہیں، پھر کس برہان سے اور کس دلیل سے

شعرا اس کو تلوار اور کمان کے برابر جانتے ہیں :

دانم نہ تیغ مصقلۂ تیغ بادشاست
نشگفت گر بہ تیغ بدیں سال برابر است

یہ بیت متعلق پہلی بیت سے ہے۔ پہلے شعر میں آپ نے ایک شبہ وارد کیا کہ تلوار بادشاہ کے ہاتھ میں چاہیے اور ہلال وہاں نہیں ہے۔ پس اس کو تلوار کیوں کر کہیے۔ اب آپ ہی مجیب ہوتا ہے کہ "ہاں میں بھی جانتا ہوں کہ یہ تلوار نہیں مگر بادشاہ کی تلوار کا مصلقہ ہے اور عجب نہیں کہ بادشاہ کی تلوار کا مصقلہ تلوار کے برابر گنا جاوے"۔ ہاں یہ پوچھیے کہ مصلقہ کیا ہے مصلقہ آلہ ہے تلوار صیقل کرنے کا اور وہ ایک چیز ہے لوہے کی گھوڑے کے نعل کی صورت :

تیغ مرا اگرچہ بود خفتہ در نیام
پولاد با بدخشن بدخشاں برابر است

"بدخشن" فارسی میں اسم ہے یاقوت کا اور یہ جو شہر کا نام "بدخشاں" ہے اسی سبب سے ہے۔ کہ وہاں یاقوت کی کان ہے۔ "تیغ مرا" یہ جوڑا ہے، یاضافت کے معنی دیتا ہے یعنی میری تلوار کی فولاد یعنی لوہا۔ اگرچہ تلوار میان میں ہو لیکن یاقوت کے برابر ہے یعنی سرخ۔ اگرچہ تلوار نہ کھینچوں اور کسی کو نہ ماروں تو بھی میری تلوار خون آلودہ ہے اور مانند یاقوت کے سرخ ہے۔ خالق نے اس کی سرشت میں یہ صفت ودیعت رکھی ہے۔

والسلام والاکرام۔
شنبہ ششم ستمبر ۱۸۵۱ء

غالب

(۱۴)

بھائی صاحب!

آپ کا خط پہنچا۔ حضرت آپ نے مولوی قمرالدین خاں کو اتنا تنگ ناحق کیا۔ میرا مدعا اسی قدر تھا کہ خط کا پہنچنا معلوم ہو جائے اور کاغذ تلف نہ ہو۔ ورنہ مجھ کو اُن سے کسی طرح کا رنج نہیں ہے۔ میں نے اگر کچھ تم کو لکھا تھا تو وہ لکھنا بہ طریقِ اختلاط و انبساط تھا۔ نہ بہ سبیلِ ملال۔ بہ ہر حال مسودّے کے پہنچنے سے خاطر جمع ہو گئی۔ اب اُن کے خط کے آنے کی کچھ حاجت نہیں۔ میں اُن کا خادم اور دوست دِلی ہوں اور اُن کی پیاری پیاری باتیں مجھ کو پسند ہیں۔ اب میرا یہ رقعہ اُن کو مقرر دیجیے گا۔

یہاں لڑکے بالے سب خیر و عافیت سے ہیں۔ تم کو بندگی اور اپنے بھائی بہنوں کو سلام کہتے ہیں۔ میری طرف سے بیگم کو دعا پہنچے اور عبدالسلام اور کلثوم کو دعا پہنچے۔ منشی عبداللطیف کی خیر و عافیت لکھتے رہیے گا۔

میر قاسم علی کا کوئی خط اگر کہیں سے آیا ہو تو مجھ کو اطلاع دیجیے گا۔

ستمبر ۱۸۵۱ء تا مارچ ۱۸۵۲ء

(۱۵)

بھائی صاحب!

آج ہفتے کا دن، پندرہویں مئی کی، صبح کا وقت ہے۔ میں نے دو خط تم کو لکھے ہیں۔ ایک خط تو ابھی ڈاک میں روانہ کیا ہے اور ایک خط حکیم الٰہی بخش صاحب کو دیتا ہوں۔ یہ صاحب شرفائے سکندرہ میں سے ہیں اور دوست اور شاگرد اُس کے ہیں کہ جس کا میں بغیر دیکھے عاشق ہوں۔ یعنی جناب صاحب عالم صاحب مارہروی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ یہ اُن کا خط میرے نام لائے تھے۔ کئی مہینے یہاں رہے اور حکیم امام الدین

خاں صاحب سے "مفرح القلوب" پڑھی۔ بہت خوب آدمی اور مہذب ہیں۔ حسنِ طبع بھی رکھتے ہیں۔ یہاں اُن کی نوکری کا کہیں اسلوب نہ ہوا اور زمانے نے مساعدت نہ کی۔ اب یہ اپنے گھر جاتے ہیں۔ کول میں پہنچ کر آپ سے ملیں گے۔ اِن کی توقیر کیجیے گا اور ان کو اپنا دوستِ دیرینہ تصور فرمائیے گا اور اس کا خیال آپ کو رہے کہ اس ضلع میں ٹھیکہ دار اور مال گزار بہت ہیں، اگر کسو کی خواہش طبیب کی ہو تو اِن کو اُس سے بہ خوبی ملوا دیجیے گا اور اس باب میں کچھ ایسی جلدی نہیں ہے، تم کو خیال رہے۔

جوالا سنگھ کل آیا۔ اس کے لائے ہوئے خط کا جواب آج ڈاک میں روانہ ہو گیا۔

مرزا حسن علی بیگ عازمِ کول ہیں۔ اِنشاءاللہ تعالیٰ پاکھل کا مربہ یا اچار جو ہاتھ آئے گا، وہ اُن کے ہاتھ بھیج دوں گا اور اگر خدا نے چاہا تو اجزاے تواریخ بھی اِنھی کو دے دوں گا۔ اوروں کو دعا خط میں کیوں لکھوں۔ حکیم جی خود زبانی سب سے کہہ دیں گے۔

والسلام۔

رقمزدۂ صبح شنبہ ۱۵ مئی ۱۸۵۲ء　　　　　　　　از اسد اللہ

(۱۶)

بھائی صاحب!

آگے اس سے دو خط تم کو بھیج چکا ہوں۔ ایک بہ طریقِ ڈاک اور ایک حکیم الٰہی بخش کے ہاتھ۔ کل میں قلعے سے آتا تھا، راہ میں مرزا حسن علی بیگ ملے۔ انھوں نے کہا کہ میں کل جاؤں گا، یعنی آج۔ یہ تم کو معلوم رہے کہ کل پنجشنبہ تھا۔ انتیس رجب اور بیس مئی کی اور آج جمعہ ہے۔ غرض کل رات کو پاکھل کا مربہ مرتبان

میں رکھ کر اور اس کو مومی جامے سے بند کیا اور اُس پر اپنی مہر کر کر کلّو کے ہاتھ مرزا کے پاس بھجوا دیا۔ کلّو ان کو مرتبہ دے کر رات کو اپنے گھر رہا۔ اب صبح ہوئی اور کلّو آیا تو اس نے بیان کیا کہ مرزا احسن علی بیگ نے بندگی کہی ہے اور کہا ہے کہ "میں کل نہ جاؤں گا، پرسوں جاؤں گا۔ اور مرتبان کو اچھی طرح احتیاط سے لے جاؤں گا۔" حضرت کو معلوم رہے کہ حکیم احسن اللہ خاں کی عنایت سے مرتبہ ہاتھ آ گیا ہے، ورنہ اکثر سائلوں کو سرکارِ شاہی سے اچار ملتا ہے، مربہ نہیں ہاتھ آتا۔ اب اختیار مرزا صاحب کا ہے کہ جب چاہیں اور جس طرح چاہیں اس کو لے جائیں۔ بندہ بری الذمہ ہے۔

اجزائے تواریخِ تیموریہ لکھے جاتے ہیں۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو کوئی جز لکھا جاتا ہے۔ وہ میرے پاس آتا ہے۔ میں اُس کے حاشیے پر معنیِ لغات لکھتا جاتا ہوں۔ چنانچہ تین جز لکھ چکا ہوں، یعنی تین جز لکھے ہوئے میرے پاس آ چکے ہیں اور میں اُن کا حاشیہ لکھ چکا ہوں۔ جب سب آ چکے تو بہ سبیلِ پارسل ارسال کروں گا۔ چھوٹی تقطیع خوش آیندہ پر گیارہ سطر کے مسطر سے لکھے جاتے ہیں۔ یقین ہے کہ گیارہ بارہ جز ہوں گے، گویا دو ثلث تحریر باقی ہے۔ خدا کرے جلد تمام ہو۔ تا کہ میری شرمساری رفع ہو۔

جوالا سنگھ دو بار میرے پاس آیا۔ میں نے رقعہ لکھ کر ایک ایسے شخص کے پاس بھیج دیا کہ وہ مرجع ہے اس محکمے کے اہلِ مقدمہ کا۔ اگر حاجت ہوگی اور جوالا سنگھ خواہش کرے گا تو میں اُس کو مولوی صاحب کے بھی سامنے کر دوں گا۔ تم مجھ کو حکیم الٰہی بخش کا حال لکھو کہ وہ تم سے ملے اور سکندرہ راؤ کو گئے۔

تفتہ کا حال لکھو کہ یہیں ہیں یا اکبر آباد کو گئے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آج شام تک تمھارا خط میرے پاس آ جائے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ صبح کو میں نے خط ڈاک میں بھیجا ہے اور شام کو ہرکارے نے تمھارا خط آ کر دیا ہے۔

یہاں عجب اتفاق ہے کہ جیٹھ کا مہینا ہے اور روز مینہہ برستا ہے اور جاڑا پڑتا ہے۔ لوگ شب کو رضائیاں اوڑھتے ہیں اور میں لحاف۔ نو روز سے یہی صورت دیکھتا ہوں کہ دن رات مینہہ برستا ہے اور سردی کی شدت ہے۔ دو دن گرمی پڑی اور تیسرے دن مینہہ آیا۔ اور دو چار دن بارش رہی۔ تم بھی لکھو کہ تمھارے شہر میں کیا عالم ہے۔

سنا ہوگا تم نے، کہ مومن خاں مر گئے۔ آج اُن کو مرے ہوئے دسواں دن ہے۔ دیکھو بھائی، ہمارے بچے مرے جاتے ہیں، ہمارے ہم عمر مرے جاتے ہیں، قافلہ چلا جاتا ہے اور ہم پا در رکاب بیٹھے ہیں۔ مومن خاں میرا ہم عصر تھا اور یار بھی تھا۔ بیالیس تینتالیس برس ہوئے یعنی چودہ چودہ، پندرہ پندرہ برس کی میری اور اس مرحوم کی عمر تھی کہ مجھ میں اُس میں ربط پیدا ہوا۔ اس عرصے میں کبھی کسی طرح کا رنج و ملال درمیان نہیں آیا۔ حضرت چالیس چالیس برس کا دشمن بھی نہیں پیدا ہوتا، دوست تو کہاں ہاتھ آتا ہے۔ یہ شخص بھی اپنی وضع کا اچھا کہنے والا تھا۔ طبیعت اُس کی معنی آفریں تھی۔

آج آپ نے دریافت کیا ہوگا کہ جی چاہا تم سے باتیں کرنے کو۔ یہ میں باتیں کر رہا ہوں۔ خط نہیں لکھتا مگر افسوس کہ اس گفتگو میں وہ لطف نہیں جو مکالمۂ زبانی میں ہوتا ہے۔ یعنی میں ہی بک رہا ہوں، تم کچھ نہیں کہتے۔ وہ بات کہاں کہ میری بات کا تم جواب دیتے جاؤ اور تمھاری بات کا میں جواب دیتا جاؤں۔

کیا کروں عجب طرح سے زندگی بسر کر رہا ہوں میرے حالات سراسر میرے خلافِ طبیعت ہیں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ چلتا پھرتا رہوں۔ مہینا بھر وہاں اور دو مہینے وہاں اور صورت یہ کہ گویا مشکیں بندھا ہوا پڑا ہوں کہ ہرگز جنبش نہیں کر سکتا۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰہِ۔ کاغذ تمام ہو گیا اور ہنوز باتیں بہت باقی ہیں۔ اس خط میں

میں نے اپنے بچوں کو بھی دعا نہیں لکھی۔ بھائی تم کہہ دینا۔ اپنے خط میں اُن کی خیر و عافیت لکھنا۔

۲۱ مئی ۱۸۵۲ء بروز جمعہ[1]

(۱۷)

بھائی صاحب!

آپ کا خط آیا۔ پاکھل کے مربے کا پہنچنا معلوم ہوا۔ یارب میری زکیہ اور میرے عبدالسلام کی آنکھیں اچھی ہوگئی ہوں۔ بارہ جزا جزائے تواریخ کے پہنچتے ہیں۔ ان کی جلد بندھوالینا ورنہ اوراق تباہ ہو جائیں گے۔ وہ چار روپے جو آپ نے شیخ بخش الدین کے ہاتھ بھیجے تھے، وہ میں نے نواب صاحب کو یعنی وہ جو کتابت کرتے ہیں، دے دیے تھے۔ ایک نسخہ انھوں نے لکھا وہ میں نے اُن سے لے کر ایک اور جگہ بھیج دیا پھر ان کو کثرتِ کار سے فرصت اس تحریر کی نہ ہوئی۔ اب انھوں نے ازراہِ مہربانی یہ لکھ کر مجھ کو عنایت کیے۔ آپ نے ایک خط میں مجھ کو لکھا تھا کہ "اجرتِ کاتب میں جو کچھ چاہیے ہو وہ مجھ سے منگوا بھیج"۔ واللہ میں نے اپنے پاس سے کچھ نہیں دیا۔ صرف اسی چار روپے میں کاغذ اور دست مزدِ کاتب ہے۔ آپ خاطر جمع رکھیے۔ محصول ڈاک دیجے اور کتاب لے لیجے۔

ہاں بھائی، شیخ وزیرالدین بہت تباہ اور خراب ہے۔ اُس کا دادا معزز آدمی تھا۔ اور میرا بڑا دوست تھا۔ یہ تمھارا بھی نیاز مند ہے۔ حتی الوسع خیال دوڑاؤ اور گنجایش نکالو، اگر کہیں نوکری قرار پا جائے تو گویا مجھ پر احسان ہوگا۔

جوالا سنگھ کل تین بار میرے پاس آیا ہے۔ کچھ ہرزہ گوشن[2] آدمی ہے۔ میں نے اُسے رقعہ[3] دے کر ایک ایسے شخص کے پاس بھیج دیا تھا، جو حاکم کی زبان اور حاکم کے

جگر کا ٹکڑا ہے۔ میرا جو کام تھا میں نے کیا۔ اگر وہ کہے گا تو حاکم سے بھی ملا دوں گا۔

کل تفتہ کا خط آگرے سے آیا بہت دن کے بعد۔ اچھی طرح ہیں۔

عرضی شیخ کی پہنچتی ہے اس کا جواب مناسب لکھیے اور کوشش کیجیے۔

بھائی! خدا کے واسطے غزل کی داد دینا۔ اگر ریختہ یہ ہے تو میر و مرزا کیا کہتے تھے۔ اگر وہ ریختہ تھا تو پھر یہ کیا ہے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ ایک صاحب شاہزادگانِ تیموریہ میں سے لکھنؤ سے یہ زمین لائے۔ حضور نے خود بھی غزل کہی اور مجھے بھی حکم دیا۔ سو میں حکم بجا لایا اور غزل لکھی۔ پہلے تم ایک بات میری سن لو۔ پھر غزل پڑھو۔ شیخ وزیر الدین بیمار ہو، کرانچی ڈاک سے کول کو روانہ ہوا ہے۔ میں اگرچہ خدمت گزارِ خلق ہوں، پر اُن کی کچھ خدمت بجا نہ لا سکا اور اُن سے شرمندہ رہا۔ تم اُن کی دلجوئی کرنا۔ آدمی اُن کے گھر بھجوانا اور اُن کی خبر پوچھنا اور بھائی اگر ہو سکے تو کسو کے اپنے علاقے میں مختار کاری، سررشتہ کی عرائض نویسی، نقل نویسی کچھ نہ کچھ اُن کے واسطے کر دینا۔ ضرور ضرور۔

لو اب غزل پڑھو:

سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں، کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

تھیں بنات النعش گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو اُن کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں

قید میں یعقوب نے لی، گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش، پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

ان پری زادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام
قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں

نیند اُس کی ہے، دماغ اُس کا ہے، راتیں اُس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

میں چمن میں کیا گیا، گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سن کر مرے نالے، غزلخواں ہو گئیں

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار؟
جو مری کوتاہیِ قسمت سے مژگاں ہو گئیں

بسکہ روکا میں نے اور سینے میں ابھریں پے بہ پے
میری آہیں بخیۂ چاکِ گریباں ہو گئیں

واں گیا بھی میں، تو اُن کی گالیوں کا کیا جواب
یاد تھیں جتنی دعائیں، صرفِ درباں ہو گئیں

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

جانفزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آ گیا
سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یوں ہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

اگست، ستمبر ۱۸۵۲ء[۱]

(۱۸)

بھائی صاحب!

آپ کے دو خط آئے۔ پہلے خط میں آپ نے ایک بیت کے معنی پوچھے ہیں۔ وہ سنیے:

تو گوئی مگر مہر زیرِ زمیں
فروزاں فوہ بود پشتِ نگیں

یہ شعر شبِ معراج کی توصیف میں ہے کہ وہ شب ایسی روشن تھی کہ بہ سبب روشنی کے زمین ایسی چمکتی تھی کہ جیسے ڈانک سے نگینہ چمک جاتا ہے۔ آفتاب رات کو تحت الارض ہوتا ہے اور ڈانک بھی نگینے کے تلے لگاتے ہیں اور نگینہ بہ قدر ڈانک کی حقیقت کے چمکتا ہے۔ پس جس نگیں کے نیچے آفتاب ڈانک ہوگا، وہ نگیں کتنا درخشاں ہوگا۔ "فوہ" فارسی لغت ہے بہ معنی "ڈانک" کے۔

دوسرے خط کا جواب کیا لکھوں۔ تم سے شرمندہ ہوں، پنڈت جوالا ناتھ صاحب سے شرمسار۔ میں جو تاریخِ تیموریہ لکھتا ہوں تو صرف حالات و واقعات لکھتا ہوں۔ ملک کی جمع بندی اور اضلاع و مضافات کی تحقیقات سے مجھے کام نہیں اور علی گڑھ کول صوبہ نہیں۔ سرکار ہو تو ہو اور اس طرح کا معمورہ نہیں کہ کبھی کسی عہد میں بادشاہ کا تخت گاہ رہا ہو، جیسے بدایوں اور جونپور اور کڑا مانک پور کہ یہ بھی مانند کول کے چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں اور تخت گاہ رہی ہیں۔

کو ل میں کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا۔

دفترِ شاہی کا حال کیا لکھوں۔ حضرت فردوس منزل شاہ عالم کے عہد کا کاغذ، سو بھی وہ کہ جنرل لارڈ لیک صاحب کے عرائض اور بادشاہ کے شقوں کی نقل، وہ تو ہیں اور باقی تمام دفتر موافق مثل مشہور کہ گاؤخورد ہو گیا۔ جو کتابیں کہ ہندوستان میں متعارف ہیں، وہ بھی تو نہیں۔ ملک کے بندوبست اور پرگنہ بندی اور جمع بندی کا کیا ذکر۔ جو کچھ پنڈت صاحب نے ازروے ترجمۂ "آئینِ اکبری" لکھا ہے، اُس سے زیادہ کہیں سے ہاتھ نہ آئے گا۔ اگر رقعے میں یہ نہ لکھا ہوتا کہ یہ ازروے ترجمۂ "آئینِ اکبری" ہے تو میں کہیں سے "آئینِ اکبری" بہم پہنچا کر اُس میں دیکھتا۔ اب میں کہاں سے دریافت کروں۔ پنڈت صاحب کو میرا سلام کہیے اور یہ خط اُن کو پڑھا دیجیے۔ میں فنِ تاریخ و مساحت و سیاق سے اتنا بیگانہ ہوں کہ ان فنون کو سمجھ بھی نہیں سکتا۔ کارپردازانِ دفترِ شاہی خلاصۂ حالات ازروے کتب اردو میں لکھ کر میرے پاس بھیج دیتے ہیں، میں اُس کو فارسی کر کر حوالے کرتا ہوں۔ میرے ہاں ایک کتاب بھی نہیں۔ میں اسی قدر ہوں کہ نظم و نثر بہ قدر اپنی استعداد کے لکھ سکتا ہوں۔ مورخ نہیں ہوں:

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم

از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

بھائی صاحب! تمھاری جان کی قسم، میں اس فن سے اتنا بے خبر ہوں کہ یہ بھی اچھی طرح نہیں سمجھا کہ پنڈت صاحب نے کیا کچھ لکھ لیا ہے اور وہ کیا ہے جس کی اُن کو خواہش ہے۔ میرے بھائیوں میں نواب ضیاء الدین احمد خاں خلفِ نواب احمد بخش خاں مرحوم کہ وہ فنِ نظم و نثر میں میرے شاگرد ہیں، اب جو اُن کی طبیعت فنِ تاریخ کی طرف آئی ہے تو اُس میں وہ یگانۂ روزگار اور

بڑے دانا و ہوشیار ہو گئے ہیں۔ میں نے اُن سے چاہا تھا کہ کچھ دریافت کرکے لکھ بھیجوں سو انھوں نے کہا کہ "آئینِ اکبری" کے سوا کسی اور کتاب میں کچھ پتا نہ پایا جائے گا۔ حال آں کہ کوئی کتاب اس باب کی ایسی نہیں کہ اُن کی نظر سے نہ گزری ہو اور خلاصہ اُس کا حافظے میں موجود نہ ہو۔ میرا وہ حال، جس پر مجھ کو بھروسا اُس کا یہ بیان، بادشاہ کے کتب خانے کی وہ صورت، بندگی اور شرمندگی۔

نگاشتہ و رواں داشتہ، جمعہ ۱۹ نومبر ۱۸۵۲ء   از اسد اللہ

(۱۹)

بھائی!

مجھ کو تم سے بڑا تعجب ہے کہ اس بیت کے معنی میں تم کو تامّل رہا۔ اس میں دو استفہام آپڑے ہیں کہ وہ بہ طریقِ طعن و تعریض معشوق سے کہے گئے ہیں۔ "موت کی راہ نہ دیکھوں" کیوں نہ دیکھوں۔ میں تو دیکھوں ہی گا کہ بن آئے نہ رہے۔ کیوں کہ موت کی شان میں سے یہ بات ہے کہ ایک دن آئے ہی گی۔ انتظار ضائع نہ جائے گا "تم کو چاہوں" کیا خوب۔ کیوں چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے۔ "یعنی اگر تم آپ سے آئے تو آئے اور اگر نہ آئے تو پھر کیا مجال کہ کوئی تم کو بلا سکے۔ گویا یہ عاجز معشوق سے کہتا ہے کہ اب میں تم کو چھوڑ کر اپنی موت کا عاشق ہوا ہوں۔ اس میں یہ خوبی ہے کہ بن بلائے، بغیر آئے نہیں رہتی۔ تم کو کیوں چاہوں کہ اگر نہ آؤ تو تم کو بلا نہ سکوں۔ بات یہ ہے کہ پڑھنے میں: "تم کو چاہوں کہ نہ آؤ" یہ جملہ ملا ہوا سمجھ میں آتا ہے تو آدمی حیران ہوتا ہے۔ "تم کو چاہوں" الگ ہے کہ "نہ آؤ تو بلائے نہ بنے" یہ جملہ الگ ہے تم نے غور نہ کی ورنہ خود بہ خود کیفیت اس تعریض و استفہام کی حاصل ہو جاتی۔

ہاں صاحب، اجمیر سے خط آگیا۔ پارسل پہنچ گیا۔ تردّد رفع ہوا۔ اب جو کچھ ہونا ہے، وہ ہو رہے گا۔ محلِ تشویش و تردّد نہیں۔ حکیم نسیم اللہ صاحب کی روانگی میں پانچ

چھے روز اور ہیں۔ اگر ہاتھ آگیا تو پاکھل کا مربہ، اچار جو کچھ ہوگا اُن کے ہاتھ بھیج دوں گا۔
منشی عبداللطیف صاحب کو دعا پہنچے۔ نصیرالدین کو دعا پہنچے۔ ہمارے شیخ اکرام الدین اور تمھارے عبدالسلام کو دعا پہنچے۔ لو صاحب اب کوئی مجھ سے گلہ نہیں کر سکتا۔ ہیں سب کے بعد اپنی پیاری بھتیجی زکیہ بیگم کو دعا لکھتا ہوں۔ حق تعالیٰ اُس کو جیتا رکھے اور مجھ کو اُس کی صورت دکھلاوے۔ ورنہ اب آگے بڑھ کر جب وہ بی بی صاحبزادی بن جائے گی تو ہمارے سامنے کاہے کو آئے گی، ہم سے چھپے گی۔ کس واسطے کہ مَیں سچ مچ کا چچا تو ہوں نہیں، زبردستی اپنی طرف سے چچا بن گیا ہوں۔

تفتہ کو میرا سلام کہہ دینا اور کہہ دینا کہ تم کو خط بھیج چکا ہوں اور جو کچھ لکھنا تھا لکھ چکا ہوں۔ اب کوئی نئی بات نہیں ہے جو لکھوں۔ والسلام۔

محررہ ہشتم جنوری ۱۸۵۳ء ازاسداللہ

(۲۰)

بھائی صاحب!

کئی دن ہوئے کہ آپ کا عطوفت نامہ پہنچا۔ جواب کیا لکھتا۔ حکیم نسیم اللہ خاں روانہ ہو گئے تھے۔ پاکھل کے مربے کا حال اُن سے زبانی کہہ دیا تھا، سُن لیا ہوگا۔ حیات بخش باغ خاصہ خسروی میں ایک درخت ہے پاکھل کا۔ میزان و سنبلہ میں وہ بار لاتا ہے۔ اس کا اچار مربہ بن جاتا ہے۔ اب کے وہ نخل بار نہ لایا۔ ناچار اب کے مربہ اچار نہ بنایا۔ تمھارا کمترین بھائی مجبور ہے۔

بندہ پرور! تفتہ سے ملاقات ہوتی رہتی ہوگی۔ مجھ کو لکھیے کہ اب وہ کیسے ہیں اور کس فکر میں ہیں۔ اجمیر جائیں گے یا نہیں۔

منشی عبداللطیف صاحب کو دعا پہنچے۔ زکیہ بیگم کو دعا پہنچے اور یہ معلوم ہو کہ جو تم نے لکھا تھا وہ مجھ کو معلوم ہوا اور میری خاطر جمع ہوئی۔ پروردگار تم کو جیتا رکھے اور عفت و عصمت اور عزت و حرمت اور مال و دولت عطا کرے۔ نصیر الدین اور عبدالسلام کو دعا پہنچے۔

جنوری سنہ ۱۸۵۳ء

(۲۱)

قبلہ!

معاف رکھیے گا۔ کئی دن کے بعد آپ کو خط لکھتا ہوں۔ منشی ہر گوپال صاحب کے خط سے آپ کی اور لڑکے بالوں کی خیر و عافیت معلوم ہوتی رہتی ہے اور چار پانچ دن ہوئے، آپ کا نوازش نامہ بھی آیا تھا۔ میاں تفتہ نے کچھ حال آپ کے آشوب چشم کا لکھا تھا۔ پھر اُن کے ہی خط سے یہ بھی دریافت ہوا کہ کچھ فرصت ہے۔ حق تعالیٰ تمھاری چشم جہاں بیں کو روشن اور تم کو تمھارے فرزندوں کے سر پر سلامت رکھے۔

میرے وجع الصدر کی اتنی فکر نہ چاہیے۔ میرے امراض بیشتر دورے ہیں۔ آگے ایک قولنج کا دورہ تھا، اب وجع الصدر کا دورہ شروع ہو گیا ہے۔ جب یہ درد اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ چار پہر، چھ پہر، دو پہر رہتا ہے، پھر رفع ہو جاتا ہے۔

منشی جی کی غزلیں آئی ہوئی تھیں۔ وہ اُن کا اپنے پاس پہنچنا جلد چاہتے تھے اور مجھ کو اُس دن وہ درد شروع ہوا تھا، میں نے لکھ بھیجا کہ آج کل غزلوں کو نہیں دیکھ سکتا۔ بارے تیسرے دن میں نے اُن کی غزلیں بھیج دیں۔ انھوں نے ناحق تم سے اُن کا ذکر کیا، جو تم متفکر ہوئے۔ قصہ مختصر اچھا ہوں۔

حکیم امام الدین خاں صاحب سے اب رجوع نہیں کرتا۔ حکیم احسن اللہ خاں صاحب میرے چارہ گر ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ آمدِ فصل تو ہے، تو مسہل لے ڈال۔

چنانچہ دس بارہ منضج اور تین مسہل ہوئے۔ تیسرا مسہل تھا آج۔ تبرید پی کر تم کو یہ خط لکھ رہا ہوں اور آدمی رقعہ لے کر خاں صاحب کے پاس گیا ہوا ہے۔ دیکھوں مژدۂ امن و فراغ لاتا ہے یا پرسوں ایک مسہل اور بھی ہوتا ہے۔ یہ سبب تھا جو آپ کے خط کا جواب دیر میں لکھا۔ اب آپ مہربانی فرما کر اپنے مزاج کا حال اچھی تفصیل سے مجھ کو لکھیے اور بچوں کی خیر و عافیت لکھیے۔

منشی عبداللطیف صاحب کو دعا پہنچے۔ زکیہ بیگم کو دعا پہنچے۔ اور یہ معلوم ہو کہ تم اب کیا پڑھتی ہو۔ اور تمھارا سبق اب کہاں تک پہنچا ہے۔ اِس کی ہم کو اطلاع دو۔ نصیرالدین اور عبدالسلام کو دعا پہنچے۔ مہمانِ نورسیدہ کا نام بھی بھول گیا ہوں۔ اُس کو دعا کہیے اور اُس کا نام مجھ کو لکھیے۔

والسلام مع الاکرام۔

نگاشتۂ صبحِ چارشنبہ نہم مارچ ۱۸۵۳ء بعد آشامیدنِ تبرید ازاسداللہ

(۲۲)

لو بھائی، اب تو بی زکیہ ہمارے تمھارے برابر ہو گئیں۔ آخر ہم تم بھی تو اِس عمر میں سورۂ مبارکہ الم نشرح پڑھتے ہوں گے۔ اِنشاءاللہ تعالیٰ عم یتسا، لون کا سیپارہ تمام نہ ہوگا کہ میں آن کر اُن کا سبق سنوں گا۔ وَاللہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔

مسہل میں نے اس واسطے لیا تھا کہ میرے اعضا میں درد رہتا تھا اور فضول معدے میں جمع ہو گئے تھے۔ سو عنایتِ ایزدی سے مقصود حاصل ہو گیا۔ اب میں سبکسار اور تندرست ہوں۔ امام الدین خاں سے میرا اعتقاد، اُن کی مجھ پر عنایت بدستور لیکن حکیم احسن اللہ خاں صاحب سے ربط بڑھ گیا اور اکثر ملاقات ہوتی رہتی ہے اور یہ بھی پایۂ علم و عمل میں کسی سے کم نہیں ہیں، اس واسطے انھی کی رائے کے مطابق تنقیہ کیا گیا۔

حکیم نسیم اللہ صاحب تم سے ملیں یا منشی عبداللطیف سے ملیں اور کچھ نہ کہیں، مجھ کو اِس سے کچھ کام نہیں۔ مدعا یہ کہ پاکھل کے مربّے کا پیام اُن کی تحویل ہے، وہ آپ سے کہہ دیں۔ ہر چند وہ کہا ہے جو کہا چاہیے، مگر مجھ پر سے احتمالِ قصور جاتا رہتا ہے اور وہ پیام یہ ہے کہ پاکھل کا حیات بخش باغ میں کُل ایک درخت ہے اور وہ اکتوبر نومبر میں بار لاتا ہے۔ اُس کے اثمار کا اچار مربّہ بنا لیتے ہیں۔ اب کے سال وہ درخت کم بخت بارور نہ ہوا اُس راہ سے مربّہ ہاتھ نہ آیا۔

جے پور سے ہنوز کوئی امر فیصل نہیں معلوم ہوا۔ کتاب اور عرضی راجا صاحب کے پاس بھیجی ہے اور وہ خوش ہوئے ہیں اور دیوان کو اپنی نظر میں رکھتے ہیں اور پہنچانے والے سے عرضی کے جواب کا وعدہ ہے۔ نئے اجنبٹ کے آنے کا ہنگامہ تھا، وہ ختم ہوا۔ اب دیکھیے کیا ہوتا ہے، دل بجھ گیا ہے۔ جو ابتدا میں رنگ امید کا تھا وہ اب نہیں ہے۔

نیم کی پتیاں تم پیتے ہو، خوب کرتے ہو۔ یہ کہ اس کو کھا کر ایک بیسن کی ٹکیا گھی ڈال کر کھاتے ہو، یہ ترکیب عامیانہ ہے۔ ہاں یہ مسلّم کہ چنے کی روٹی اِن امراض میں اگر غذا منحصر اسی پر کی جائے اور ایک مدت تک یہ طریق نبھ جائے تو بہت نافع ہے۔ میں ایک بات بتھیں اور بتاتا ہوں۔ تم نیم کی مستی پیا کرو۔ یعنی بعضا نیم رستا ہے۔ اور اِس میں سے ایک رطوبت نکل کر جم جاتی ہے، اسے نیم کی مستی کہتے ہیں۔ سبیل اِس کی یہی ہے کہ دو پیسے بھر سے شروع کرو اور پانچ ماشے بڑھاتے جاؤ۔ جب پانچ تولہ پر آجاؤ تو تھم جاؤ۔ بھلا زیادہ نہیں تو بیس دن تو پانچ پانچ پیسا بھر پیو۔ پرہیز بہ دستور۔ بیشتر چنے کی روٹی کھایا کرو۔ دوا پی کر ٹکیا کھانی زائد ہے۔ چنے کی روٹی کے ساتھ وقت غذا کے گھی بہ قدرِ برداشتِ طبع کھاؤ۔ گھیا۔ توری۔ خرفے کا ساگ۔ بتھوے کا ساگ۔ کھیرا۔ ککڑی۔ جس کا قلیہ مرغوب ہو، کھاؤ۔ دیکھو تو یہ ترکیب موافق آتی ہے یا نہیں۔

بہ منشی عبداللطیف دعا برسد۔ نصیرالدین و زکیہ بیگم و عبدالسلام و کلثوم بیگم دعا خوانند۔

پنجشنبہ ۱۷ مارچ ۱۸۵۳ء — از اسداللہ

(۲۳)

حضرت!

عجب تماشا ہے۔ منشی ہرگوبند سنگھ کا اظہار تو یہ ہے کہ منشی صاحب تو میرے سامنے ہاترس سے ہو آئے۔ اور قرینہ دال اس پر ہے کہ تم ہنوز ہاترس ہو اور کول نہیں آئے۔ قرینہ یہ کہ خط آپ نے مجھ کو نہیں لکھا۔ قصیدے کے لفافے کی رسید نہیں لکھی۔ کیوں صاحب میں نے کیا تقصیر کی ہے۔ میری کیا خطا ہے۔ مجھ کو آپ کیوں بھول گئے۔ میں بھی تم کو خط نہ لکھتا، لیکن کیا کروں منشی ہرگوبند سنگھ نے بیگم کا پیام بھیجا، ناچار اُس کا جواب لکھنا پڑا۔ اس ضمن میں تم کو بھی کئی سطریں لکھ دیں! وہ کہتے تھے کہ بیگم نے کہا ہے کہ چچا میں قرآن پڑھتی ہوں۔ پس میری طرف سے دعا کہا چاہیے اور کہا چاہیے کہ بُوا! تم بہت بھلا کرتی ہو کہ قرآن پڑھا کرتی ہو۔ پروردگار تم کو عمر و دولت و عصمت او زندگی اور راحت دے۔

منشی عبداللطیف صاحب کو دعا۔ اور نصیرالدین و عبدالسلام اور کلثوم کو دعا پہنچے۔

ہاں بھائی صاحب! اب میں جدا خط کیا لکھوں۔ ضرور ضرور یاد کر کر منشی ہرگوپال صاحب کو میری دعا کہو اور یہ کہو کہ بھائی وہ تو میں تم کو اطلاع دے چکا ہوں کہ اہالیِ راج جے پور نے ہردیو سنگھ سے بعد ہولی رخصت کرنے کا وعدہ کیا ہے اور جانی صاحب نے اُس کے واسطے سانڈنی بھیجنی چاہی ہے۔ اگر وعدہ وفا ہوا ہوتا اور ہردیو سنگھ اجمیر پہنچا ہوتا تو البتہ راجا کا شقہ اور راول کا خط اور وہ میرے

بھیجے ہوئے لفافے بابو صاحب مجھ کو بھیج دیتے اور عنوان چگونگی رخصت سے اطلاع دیتے۔ نہیں معلوم کہ رخصت عمل میں آئی یا نہ آئی، اگر آئی تو جانی جی شاید اجمیر میں نہیں ہیں، بھرت پور گئے ہوئے ہیں۔ اب مجھے دو تشویشیں لاحق ہیں۔ ایک تو یہ، جس کا ذکر کیا بلکہ سچ پوچھو یہ کچھ نہیں، ایک بازیچہ ہے۔ اصل تشویش بابو صاحب کی طرف سے ہے۔ تم اگرچہ وہاں نہیں ہو مگر بہ نسبت میرے تم کو اطلاع ہوتی رہتی ہے۔ قصہ مختصر جو کچھ تم کو معلوم ہوا ہے فوراً مجھ کو لکھ بھیجو، بلکہ میں اس وقت تک منتظر ہوں کہ شاید کوئی خط تمھارا آجائے۔ بھائی! تم کو میرے سر کی قسم، یہ سطریں میاں تفتہ کو پڑھا دینا۔ والسلام۔

محررۂ دوشنبہ چارم اپریل ۱۸۵۳ء ازاسداللہ

(۲۴)

بھائی صاحب!

کیسی تاریخ اور کیسی نقل، کیا فرماتے ہو، پہلے مجھ سے حقیقت تو پوچھ لیا کرو۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ جو نظم و نثر تمھاری نظر سے نہ گزرے، وہ ضائع ہے:

وائے بر جانِ سخن گر بہ سخنداں نہ رسد

اب سنیے ماجرا کیا ہے۔ جب ہمایوں کے حال تک پہنچا، تو میں نے از راہِ عذر و حیلہ بلکہ بہ سبیلِ اظہارِ حقیقت واقعی حکیم صاحب کار فرما سے کہا کہ مجھ سے انتخابِ حالات ممکن نہیں۔ آپ مدعا کتبِ سیر سے نکال کر زبانِ اردو میں ایک مسودہ اس کا لکھوا کر میرے پاس بھیج دیا کیجیے، میں اس کو فارسی کر کر تم کو دے دیا کروں گا۔ انھوں نے اس کو قبول کر کر ابتدائے آفرینشِ عالم و آدم سے میرے پاس مسودۂ اردو بھیجا تو اب گویا ایک اور کتاب لکھنی پڑی۔ میں نے اس کا چھوٹا سا دیباچہ

لکھ کر ایک اور ہی انداز کی عبارت میں لکھنا شروع کیا۔ آدم سے لے کر چنگیز خاں تک انھوں نے میرے پاس مسوّدہ بھیجا۔ میں نے اپنے طور پر لکھا اور مسوّدہ حوالے کیا۔ رمضان کے مہینے سے کہ آج اس کو دس مہینے ہوئے وہ مسوّدہ آنا موقوف ہو گیا۔ بہ ہمہ جہت چار جز ہوں گے۔ دو چار بار میں نے اُن سے تقاضا کیا۔ یہی جواب سنا کہ اب رمضان ہے۔ پھر کہا کہ عید کا ہنگام ہے۔ میں نے سوچا کہ مجھ کو کیا۔ میں کیوں طالبِ مشقّت ہوں، تقاضا موقوف کیا۔ وہ چار جز میرے لکھے ہوئے حکیم صاحب کے پاس ہوں گے۔ اب کہاں اُن سے مانگوں اور کیوں مانگوں۔ جانے دو، دور کرو۔ جو بنا اٹھی ہی نہیں اُس سے غرض کیا۔

جے پور کا حال کیا پوچھتے ہو۔ ایک گدائی کی طرح نکالی تھی۔ ایک دوست مددگار ہوا اور اِس طرح کو اُس نے کمال کو پہنچایا۔ راول مختارِ راج اور سعد اللہ خاں وکیلِ راج یہ دونوں ذریعۂ حصولِ مدعا ٹھہرے۔ وہاں کا رنگ یہ ہو گیا کہ راول بھاگتا پھرتا ہے اور وکیل استعفا بغل میں دابے رہتا ہے۔ راجا لڑکا ہے اور کوئی محرک نہیں۔ بس اب اس امرِ خاص کو بھی ہم نے فہرستِ حسرت ہائے دیرینہ میں لکھ دیا۔ وَاللہُ عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔ سب بچوں کو، خصوصاً بیگم کو دعا کہنا اور میری طرف سے پیار کرنا۔

والسلام

یکشنبہ دہم اپریل ۱۸۵۳ء — از اسد اللہ

(۲۵)

بھائی!

یہاں بادشاہ نے قلعے میں مشاعرہ مقرر کیا ہے۔ ہر مہینے میں دو بار مشاعرہ ہوتا ہے۔ پندرھویں کو اور انتیسویں کو۔ حضور فارسی کا ایک مصرع اور ریختے کا ایک مصرع طرح کرتے ہیں۔ اب کے جمادی الثانی کی تیسویں کو جو مشاعرہ ہوا، اُس میں مصرعۂ فارسی یہ تھا:

زیں تماشا گاہ گریاں می رود

ریختہ کا مصرع یہ تھا:

"خمارِ عشق ہمیں کس قدر ہے کیا کہیے"۔ "نظر ہے کیا کہیے"۔ "خبر ہے کیا کہیے"

میں نے ایک غزل فارسی اور ایک ریختہ موافق طرح کے اور دوسرا ریختہ اسی طرح میں سے ایک اور صورت نکال کر لکھا۔ وہ تینوں غزلیں تم کو لکھتا ہوں پڑھ لینا اور میاں تفتہ کو بھی دکھا دینا۔ بچوں کو دعا کہہ دینا۔ تمہارا دوسرا خط مع رقعۂ ملفوفہ پہنچ گیا ہے۔

والسلام والاکرام۔

۱۰-۲۳ اپریل ۱۸۵۳ء ا

چاک از جیبم بداماں مے رود
تا چہ بر چاک از گریباں مے رود

جوہر طبعم درخشاں ست، لیک
روزم اندر ابر پنہاں مے رود

گر بود مشکل مرنج اے دل کہ کار
چوں رود از دست، آساں مے رود

جز سخن کفرے و ایمانے کجا ست
خود سخن در کفر و ایماں مے رود

ہر شمیمے راشناسے در خور ست
بوے پیراہن بہ کنعاں مے رود

آید و از ذوق نشناسم کہ کیست
تا رود پیدا ستے جاں مے رود

مے برد اما نہ یکجا مے برد
مے ررد، اما پریشاں مے رود

ہر کہ بیند در رہش گوید ہمے
قبلۂ آتش پرستاں مے رود

اوّل ماہست و از شرم تو ماہ
آخر شب از شبستاں مے رود

بگزر از دشمن، دلش سخت است، سخت
آبروے تیر و پیکاں مے رود

کیست تا گوید بداں ایواں نشیں
آنچہ بر غالبؔ ز درباں مے رود

دیا ہے دل اگر اس کو، بشر ہے کیا کہیے
ہوا رقیب، تو ہو، نامہ بر ہے کیا کہیے

یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بِن نہ رہے
قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کہیے

رہے ہے یوں گہ و بیگہ کہ کوے دوست کو اب
اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے

زہے کرشمہ کہ یوں دے رکھا ہے ہم کو فریب
کہ بن کہے بھی ہمیں سب خبر ہے کیا کہیے

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسشِ حال
کہ یہ کہے کہ سرِ رہ گزر ہے کیا کہیے

تمھیں نہیں ہے سرِ رشتۂ وفا کا خیال
ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا؟ کہیے

انھیں سوال پہ زعمِ جنوں ہے کیوں لڑیے
ہمیں جواب سے قطعِ نظر ہے کیا کہیے
حسد سزائے کمالِ سخن ہے کیا کیجے
ستم بہائے متاعِ ہنر ہے کیا کہیے
کہا ہے کس نے کہ غالبؔ برا نہیں لیکن
سوائے اس کے کہ آشفتہ سر ہے کیا کہیے

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے
تمھیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے
نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہیے
وہ نیشتر سہی پر دل میں جب اتر جائے
نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے
نہیں ذریعۂ راحت جراحتِ پیکاں
وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ دل کشا کہیے
جو مدعی بنے اس کے نہ مدعی بنیے
جو نا سزا کہے، اُس کو نہ نا سزا کہیے
کہیں حقیقتِ جانکاہیِ مرض لکھیے
کہیں مصیبتِ ناسازیِ دوا کہیے
کبھی شکایتِ رنجِ گراں نشیں کیجے
کبھی شکایتِ صبرِ گریز پا کہیے
رہے نہ جان تو قاتل کو خون بہا دیجے
کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

نہ ہو نگار میں الفت نہ ہو نگار تو ہے
روانیٔ روشن و مستیٔ ادا کہیے
نہ ہو بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے
طراوتِ چمن و خوبیِ ہوا کہیے
سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالبؔ
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

(۲۶)

بھائی صاحب!

بڑا تعجب ہے تم اس شعر کے معنی پوچھتے ہو:

اوّلِ ماہ است و از شرم تو ماہ
آخرِ شب از شبستاں مے رود

"اوّلِ ماہ" یہاں "ماہ" بہ معنی مہینے کے ہے اور "اول" سے آٹھ، نو، دس تاریخ مقصود ہے۔ اول راتوں میں بعد آدھی رات کے چاند چھپ جاتا ہے۔ پس شاعر کہتا ہے کہ ہنوز ابتدائے حال ہے اور قمر زائد النور ہے اور باوجود اس روز افزونیِ دولت کے تیری شرم سے آخرِ شب کو بھاگ جاتا ہے اور تمام رات تیرے مقابل نہیں رہ سکتا۔ اس کو حسنِ تعلیل کہتے ہیں۔ یعنی چاند کا اوائل ماہِ قمری میں آخرِ شب غروب ہونا ضروری ہے۔ شاعر نے اس کی ایک اور وجہ قرار دی ہے۔ فقط۔

بارے میاں تفتہ کی صحبت غنیمت ہے۔ میری جگہ خالی۔ افسوس کہ میں نہیں۔

عبداللطیف میری جان ہے، میرا جگر ہے، میرا فرزند ہے۔ تم اُس کے مقدمے میں بولنے والے اور واسطہ بحصولِ مدعا ہونے والے کون۔ اُس کو کس نے منع کیا ہے، اُس کو کون منع کرتا ہے۔ نظم و نثر جو اُس کو منظور ہو، میرے پاس بھیجیے۔ تقاضا نہ کرے۔ میں اپنے طور پر دیکھوں گا اور تم کو بھیجوں گا۔ اس شرم نے مجھ کو مارا۔ جب عبدالسلام پیدا ہوا اور میں نے

مبارک باد لکھی تو جناب منشی صاحب یعنی میاں عبداللطیف نے جواب نہ لکھا۔ آخر تم نے مجھ کو لکھا کہ بھائی وہ تو شرماتا ہے، تم کو جواب کیا لکھے۔ اب یہ نثر کا، واسطے اصلاح کے بھیجنا بھی کوئی ایسا امر ہے کہ جس میں حضرت کو شرم آتی ہے۔ خدا کی پناہ۔

زکیہ بیگم کو دعا کہو۔ زیادہ زیادہ۔

۲۳ اپریل ۱۸۵۳ء

(۲۷)

بھائی صاحب!

آپ کا عنایت نامہ مقام ہاترس سے پہنچا۔ بیگم کا کول میں آجانا خوب ہوا۔ دیکھیے تم کب تشریف لاتے ہو۔ خط کا نہ لکھنا فراموش کاری کی راہ سے نہیں ہے، یہ خیال کہ ابھی ہاترس سے نہ آئے ہوں، مانع تحریر رہا۔ منشی ہرگوپال صاحب کو ایک خط میں کچھ حال جے پور کا لکھا تھا، سو یہ بھی اُن کو لکھا تھا کہ اگر بھائی ہاترس سے آگئے ہوں تو اُن کو یہ خط پڑھوا دینا اور جب وہ آویں تو مجھ کو خبر کرنا۔ آج اِس بات کو سات دن ہوئے، اُن کا ابھی کوئی خط نہیں آیا۔

گرمی کا کیا حال پوچھتے ہو؟ میرا تو بعینہٖ وہ حال ہوتا ہے جو زبان سے پانی پینے والے جانوروں کا ہوتا ہے۔ بہ قول ظہوری:

حالِ سگ، حالِ گربہ حالِ شغال

جب مجھ کو اِس موسم میں دیکھو تو جانو کہ میں کیوں کر زندگی بسر کرتا ہوں۔

ایک نئی بات سنو۔ شہر میں ایک وبا آئی ہے، یعنی وکیل کمپنی نے سِنینِ ماضیہ کے کاغذ دیکھ کر رسومِ سرکاری جس شخص پر نکلتی تھیں، اُس کا مطالبہ کیا ہے اور مطالبہ کیا، مواخذہ یعنی بہت شدّت۔ از آں جملہ مجھ پر بھی بابت رسومِ سرکاری پانسو روپے آٹھ آنے نکلے اور اس کی طلب بہ قیدِ حکمِ قید ہوئی۔ میں آٹھ آنے کو محتاج، پانسو کہاں سے لاؤں، بارے حضرت! انگریزی تنخواہ میں سے پانچ روپے مہینا بہ طریقِ قسط مقرر کر دیا۔ باسٹھ روپے آٹھ آنے

مہینا پاتا تھا، ستاون روپے آٹھ آنے رہ گئے۔ پانچ روپے آٹھ آنے رہ گئے۔ پانچ روپے مہینے کا ساٹھ روپیہ سا لیا نہ ہوا۔ اب یہ توقع کہاں کہ پوری تنخواہ پاؤں گا۔ یوں سمجھیے کہ ستاون روپیے کا پنشن دار ہوں، بارے، کل فیصلہ ہوا۔

تین دن تک سوار نہ ہوا اور قلعے نہ گیا۔ کل گیا تھا اور آج گیا تھا، اب خیر و عافیت ہے۔ چونکہ لڑکے بالوں میں سے کوئی تمھارے پاس نہیں ہے اور میں خط بہ مقام ہاترس بھیجتا ہوں اس واسطے کسی کو دعا نہیں لکھتا، پر دیتا ہوں دعا۔

والسلام مع الاکرام۔

۲۹ مئی ۱۸۵۳ء ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ از اسد اللہ

(۲۸)

بھائی صاحب کا عنایت نامہ پہنچا۔ آپ کا ہاترس سے کول آجانا ہم کو معلوم ہو گیا تھا۔ ہمارا ایک وقائع نگار اُس ضلع میں رہتا ہے۔ حق تعالیٰ اُس کو جیتا رکھے۔

گرمی کا حال کیا پوچھتے ہو، اس ساٹھ برس میں یہ لُو اور یہ دھوپ اور یہ تپش نہیں دیکھی۔ چھٹی ساتویں رمضان کو مینہ خوب برسا۔ ایسا مینہ، جلیٹھ کے مہینے میں کبھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اب مینہ کھل گیا ہے۔ ابر گھرا رہتا ہے۔ ہوا اگر چلتی ہے تو گرم نہیں ہوتی اور اگر رک جاتی ہے تو قیامت آتی ہے۔ دھوپ بہت تیز ہے۔ روزہ رکھتا ہوں مگر روزے کو بہلائے رہتا ہوں۔ کبھی پانی پی لیا، کبھی حقہ پی لیا، کبھی کوئی ٹکڑا روٹی کا کھا لیا۔ یہاں کے لوگ عجب فہم اور طرفہ روش رکھتے ہیں۔ میں تو روزہ بہلاتا رہتا ہوں اور یہ صاحب فرماتے ہیں کہ تو روزہ نہیں رکھتا۔ یہ نہیں سمجھتے کہ روزہ نہ رکھنا اور چیز ہے اور روزہ بہلانا اور بات ہے۔

جے پور کا حال آپ کو منشی صاحب کے اظہار سے یا اُن کے نام کے خطوط دیکھ کر معلوم ہو گیا ہے۔ مکرر کیوں لکھوں۔ خیر غنیمت ہے۔ یہ کیا فرض تھا کہ ہم جو چاہتے تھے، وہی ہوتا۔

ہاں بھائی پرسوں کسی شخص نے مجھ سے ذکر کیا کہ "اردو اخبار" دہلی میں تھا کہ ہاترس میں

بلوہ ہوا اور میجسٹریٹ زخمی ہوگیا۔ آج میں نے ایک دوست کے ہاں سے اس اخبار کا دو ورق منگا کر دیکھا۔ واقعی اس میں مندرج تھا کہ راہیں چوڑی کرنے پر اور حویلیاں اور دو کانیں ڈھانے پر بلوہ ہوا اور رعایا نے پتھر مارے اور میجسٹریٹ زخمی ہوا۔ حیران ہوں کہ اگر یوں تھا تو صاحب وہاں سے چلا کیوں نہ آیا۔ اور اگر حاکم نہیں آیا تو آپ کیوں کر تشریف لائے۔ ہوسناکانہ خواہش ہے کہ آپ اس حال کو مفصل لکھیے۔

ہاں صاحب! منشی عبداللطیف صاحب ارادہ کر کر رہ گئے۔ اپنی نثریں کیوں نہیں بھیجتے۔ کیا میرے خطوط اردو زبان میں دیکھ کر وہ ایسا گمان کرتے ہیں کہ یہ فارسی نثر لکھنی بھول گیا۔ میری طرف سے اُن کو دعا کہو اور کہو کہ صاحب ہم تمھاری نثر دیکھنے کے مشتاق ہیں۔

شیخ نصیر الدین اور زکیہ بیگم اور شیخ عبدالسلام اور کلثوم بیگم کو دعا پہنچے اور بیگم کو یہ معلوم ہو کہ بوا! میں ابھی کچھ نہیں کہتا، اگر اتفاق ہوا تو قریب عید کے یا بعد عید کے میں تم کو دیکھوں گا اور تمھارا قرآن پڑھنا سنوں گا، لیکن تم اپنے باوا سے یہ بات نہ کہنا۔ اور اپنے دل میں رکھنا۔ کس واسطے کہ اگر وہ سن لیں گے تو مجھ سے اُس کی تفصیل پوچھیں گے۔

نگاشتہ وروان داشتہ چار شنبہ ۴ رمضان ۱۲۶۹ھ و ۲۲ جون ۱۸۵۳ء

(۳۹)

پیرومرشد!

غلام کی کیا طاقت کہ آپ سے خفا ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ جہاں آپ کا خط نہ آیا، میں نے شکوہ لکھنا شروع کیا۔ ہاں یہ پوچھا چاہیے کہ اب کے گلے کی نگارش کیوں ٹلتی رہی۔ سنیے! مرزا یوسف علی خاں ابن مرزا نجف علی خاں علی گڑھ سے آئے۔ اُن سے پوچھا گیا، ہمارے بھائی صاحب ملے تھے؟ انھوں نے کہا۔ صاحب نہ وہ وہاں ہیں نہ منشی عبداللطیف یعنی دونوں صاحب دورے میں مجسٹریٹ کے ساتھ ہاترس گئے ہیں، اب آپ ہی کہیے کہ میں خط کس کو لکھتا اور کہاں بھیجتا۔ منتظر تھا کہ آپ کا خط آئے تو اس کا جواب لکھوں۔ کل حضرت کا نوازش نامہ آیا، آج جواب لکھا۔ آپ ہی فرمایئے

کہ میں آپ سے خفا ہوں یا نہیں۔

بادشاہ کا حال کیا پوچھتے ہو، اور اگر تم نے پوچھا ہے تو میں کیا لکھوں۔ دست موقوف ہو گئے مگر کبھی کبھی آجاتے ہیں۔ تپ جاتی رہی مگر گاہ گاہ حرارت ہو آتی ہے۔ ہچکی اُس شدت کی نہیں رہی۔ گاہ گاہ چھاتی جلتی رہتی ہے اور ڈکار سی آتی ہے۔ ہوادار پلنگ کے برابر لگا دیتے ہیں اور حضرت کو پلنگ پر سے ہوادار پر بٹھا دیتے ہیں۔ اس ہیئت سے برآمد بھی ہوتے ہیں۔ قلعے ہی قلعے میں پھر کر پھر محل میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یوں تصور کیجیے اور مشہور بھی یوں ہی ہے کہ مرض جاتا رہا اور ضعف باقی ہے۔ بہرحال جب تک سلامت رہیں، غنیمت ہے۔ لیکن وہ میرا مدّعا کہ غسلِ صحت کریں اور نذریں لیں اور میں رخصت لوں اور بہ سبیلِ ڈاک باندے کو جاؤں، دیکھیے کب تک حاصل ہو۔ ڈاک کا لطف آدھا رہ گیا یعنی وہ آم کہاں اور برسات کہاں۔ مگر خیر، کول میں بھائی کا ملنا اور بچوں کا دیکھنا اور باندے میں بھائیوں کا ملنا اور بچوں کا دیکھنا یہ دیکھا چاہیے کب میسّر ہو۔ اس بوڑھی ڈاڑھی پر اپنے فرزند کو دم کیا دوں گا۔ بھائی خدا کی قسم، یہ سفر میرے دل خواہ اور موافقِ مزاج تھا اور ہے، مگر غور کرو کہ کیا اتفاق ہوا، اگر اور صورت بھی ہو جاتی تو بھی میں اب تک تمھارے پاس ہو کر باندے کو روانہ ہو جاتا۔ کیا کروں، اس صورت میں رخصت نہیں مانگی جاتی اور رخصت لیے بغیر جانا نہیں ہو سکتا۔ عَرَفتُ رَبِّی بِفَسخِ العَزَائم تفصیل پھر لکھوں گا۔ بچوں کو دعا۔ فقط۔

۲۱ اگست ۱۸۵۳ء

اسد اللہ

(۳۰)

بھائی صاحب!

یہ شعر کس کا ہے:

بڑھ گئی تعظیم میری امتناعِ دخل سے
اٹھ کھڑے ہوتے ہیں مجھ کو اُس کے درباں دیکھ کر

ہاں اور کس کا ہوگا، یا میرا یا میرے بھائی کا۔ واللہ کیا شعر ہے۔ یہ ایک روشِ خاص ہے۔ ہر کوئی اس کو نہیں جانتا۔

بارے ان دِنوں میں دو آدمیوں کی زبانی آپ ... خیر و عافیت معلوم ہوئی۔ ایک تو محبوب خاں رسالدار اور دوسرے میاں محمد حسین دلّی کے رہنے والے کہ وہ صدر الصدور کی ملاقات کو کول گئے تھے۔ غزل بھی تمھاری انھوں نے مجھ کو دکھائی۔ ساری غزل خوب ہے، مگر اس شعر کا عالم اور ہے۔

آپ میرے عزم کو بالکل ویسا ہی بالجزم تصور کیجیے گا۔ بادشاہ اچھے ہو گئے۔ غسلِ صحت کرنے کی دیر ہے۔ غسلِ صحت کا دربار ہوا اور میں نے مبارک باد کا قصیدہ یا قطعہ پڑھا اور رخصت لی اور ڈاک گاڑی میں بیٹھا اور کول پہنچا۔ اور وہاں آٹھ پہر رہا اور آگے کو روانہ ہوا۔

ایک شیخ مومن علی صاحب صدر امین کول یہاں آئے تھے۔ ایک دن وہ میرے ہاں تشریف لائے۔ میں سوار ہو گیا تھا، نہ ملا۔ دو دن کے بعد میں اُن کے ہاں گیا، ملا۔ تمھارا بھی ذکر آیا۔ تمھاری بہت تعریف کرتے تھے۔ میں منتظر تھا کہ وہ اب پھر آئیں گے، تا یہ کہ دن چار ایک ہوئے کہ میں نے قلعے میں حکیم امام الدین خاں سے پوچھا کہ صدر امین کول جن کا آپ علاج کرتے تھے، وہ اب کیسے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ وہ کول کو گئے۔ غرض یہ کہ اگر آپ سے ملاقات ہو تو فرمائیے گا کہ اسد اللہ روسیاہ بعد سلام عرض کرتا ہے کہ وہ رتبہ میرا تو کہاں کہ میں آپ سے شکوہ کروں کہ مجھ سے مل کر آپ نہ گئے، مگر ہاں افسوس کرتا ہوں کہ مجھ کو خبر کیوں نہ ہوئی ورنہ میں تودیع کو پہنچتا۔

حضرت بہت دن سے منشی ہرگوپال صاحب کا خط نہیں آیا۔ خدا جانے سکندر آباد میں ہیں یا کہیں اور تشریف لے گئے ہیں۔ تماشا یہ ہے کہ بابو جانی بانکے لال صاحب کا خط بھی بہت دن سے نہیں آیا۔ کچھ اُن کا حال معلوم نہیں۔ آپ کو اِن دونو صاحبوں کا حال جو کچھ معلوم ہو، مجھ کو لکھیے۔

منشی عبداللطیف اور میاں نصیر الدین اور بی زکیہ بیگم اور عبدالسلام کو دعا پہنچے۔

نگاشتہ یک شنبہ سوم ستمبر ۱۸۵۳ء	از اسد اللہ

(۳۱)

بھائی صاحب

تمہارا خط آیا اور حال جیت سنگھ کا معلوم ہوا، پھر وہ برہمن صاحب آئے۔ اُن کی زبانی آپ کی خیر و عافیت معلوم ہوئی۔ حق تعالیٰ تم کو مع فرزندوں کے سلامت رکھے اور مجھ کو تمہاری ملاقات سے اور بچوں کے دیدار سے شاد کرے۔ بھائی! میں وہ قسمت لایا ہوں کہ جو چاہوں وہ نہ ہو:

مرا مادر دعا کرو است گوئی

کہ از تو دور بادا آنچہ جوئی

ڈاک کے سفر کی خوشی، کول پہنچنے کی مسرت، بھائی سے ملنے کی فرحت، فرزندوں کے دیکھنے کا لطف۔ راہ میں جا بہ جا آم خریدنے کا ذوق، کیا کہوں کہ کیسی حسرت رہ گئی، تم کو معلوم ہے، روپیہ فتوح کا آیا ہوا تھا، چاہتا تھا کہ اُس کو اس سفر میں خرچ کروں۔ یہاں یہ رنگ در پیش آیا۔ اب سنتا ہوں کہ حضور بعد محرم جشنِ غسلِ صحت کریں گے۔ عزم میرا بہ دستور، مگر روپیہ کہاں۔ بہ ہر حال رخصت کے مانگنے کا موقع تو آئے، قرض دام کر کر بھی قصد کروں گا، اگر اس اثنا میں کوئی شعبدۂ تازہ نہ اُٹھا۔

منشی ہر گوبند سنگھ کول آئے ہیں۔ آپ سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہنا اور یہ فرمانا کہ آپ کا خط آیا، حال ظاہر ہوا۔ دعائیں مانگتا ہوں کہ تمہارا ...؟ پھر تم کو مل جائے اور تم دلی میں آؤ۔

منشی ہر گوپال تفتہ بھرت پور میں اور جانی جی آگرے گئے ہوئے ہیں۔

لفٹنٹ گورنر بریلی میں مر گئے، دیکھیے اب اُن کی جگہ کون مقرر ہوتا ہے۔ دیکھو! اس قوم کا کیا انتظام ہے، ہندوستان کا اگر کوئی اتنا بڑا امیر مرا ہوتا تو کیا انقلاب ہو جاتا۔ یہاں کسی کے کان پر جوں بھی نہیں پھرتی کہ کیا ہوا اور کون مر گیا۔

منشی عبداللطیف صاحب کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ میاں اشرف علی کول سے آئے اور مجھ سے ملے تمہاری بہت تعریف کرتے تھے۔

نصیر الدین اور زکیہ بیگم و عبدالسلام و کلثوم بیگم کو دعا پہنچے۔

یکشنبہ دوم اکتوبر ۱۸۵۳ء   از اسد اللہ

(۳۲)

بھائی صاحب!

یہ نئی طرز و روش[۱] ہے کہ خط کی رسید تو نہیں لکھتے اور الٹا شکوہ کرتے ہو۔ ظاہرا یہ لطیفہ خیال میں آیا ہوگا:

که یاراں فراموش کردند عشق

اور یہ درج نہ ہو سکتا تھا بغیر شکایت کے۔

ناچار خط کے بھیجنے سے قطع نظر کی۔ ڈاک کتاب مع رسید میرے پاس موجود[۲] ہے۔ روز یکشنبہ دوم اکتوبر ۱۸۵۳ء کو خط روانہ ہوا ہے۔ مزا اس میں یہ ہے کہ آپ کا خط یکشنبہ دوم اکتوبر کا لکھا ہوا ہے۔ تم خیال کرو۔ مجھ میں تم میں اکثر ایسا واقعہ ہوتا ہے کہ جس دن میں تم کو خط لکھتا ہوں اسی دن تم مجھ کو خط لکھتے ہو۔

اگلی غزل پہلے تو میاں محمد حسین دہلوی لائے اور پھر آپ نے اپنے خط میں بھیجی۔ ایک شعر اس میں میرے انداز کا تھا، وہ میں نے آپ کو لکھ بھیجا تھا اور باقی اور اشعار سب اچھے اور بے عیب اور ہموار، اگر جگہ اصلاح کی ہوتی تو میں کبھی چشم پوشی نہ کرتا۔ تم سے میرا یہ معاملہ نہیں ہے کہ خوشامد کروں، تمہارا کلام میرا کلام۔ تمہارا ہنر میرا ہنر۔ تمہارا نقص میرا نقص۔ اب دیکھو اس غزل میں ایک شعر موقوف کر دیا گیا اور مطلع میں اور ایک بیت میں تغیرِ الفاظ ہو گیا، جن شعروں پر صاد ہے وہ بہت خوب ہیں۔ واہ، واہ سبحان اللہ اور جن پر صاد نہیں وہ خوب ہیں بس۔

اجی پیر و مرشد! یہ نثر جس کو آپ نے خط تعبیر کیا ہے اور واقعی کہ وہ خط ہے "مگر مینا بازار"

کے برابر یا "سہ نثرِ ظہوری" کے برابر یا آدھی "پنج آہنگ" کے برابر۔ آپ اس کے کاتب کا نام عنایت اللہ خاں لکھتے ہیں، کہیں سہو نہ ہوا ہو۔ عطاء اللہ خاں صاحب ایک بزرگ وہاں ہیں، شاید اُن کی تحریر ہو:

بابد متاعِ نیکو از ہر دکاں کہ باشد

کیا کہنا ہے، بہت خوب ہے اور بہت پاکیزہ، پھیلاو کتنا اچھا ہے۔ مضامین کیسے بلند ہیں۔ ترکیبِ الفاظ کتنی درست ہے۔ میں آپ کا احسان مند اور شکر گزار ہوں کہ آپ کی عنایت سے یہ نظم و نثر میں نے دیکھی۔ میں حق گزارِ سخن اور ہوا خواہِ اہلِ سخن ہوں، جہاں اصلاح کی جگہ ہوتی ہے وہاں فروگذاشت نہیں کرتا۔ معہذا فضول نہیں ہوں۔ کلامِ بے عیب و بے سقم میں دخل نہیں کرتا۔ آپ یہ اوراق ان صاحب کو دیدیجے اور میرا سلام کہیے اور یہ سطریں انھیں دکھلا دیجے۔

بعد محرم سنا جاتا ہے کہ جشنِ غسلِ صحت ہوگا۔ بادشاہ اچھے ہیں۔ رہا ضعف وہ لازمۂ عمر ہے۔ بہر تقدیر بعد عشرۂ محرم طالبِ رخصت ہوں گا، مگر موقع دیکھ کر اور تدبیرِ مصارفِ سفر کر کر۔ کل دن بھر تابشِ آفتاب اور گرمیِ ہوا ایسی رہی کہ جیسی جیٹھ اساڑھ میں ہوتی ہے۔ شام ہوتے ہوتے وہ سردی ہوگئی کہ اغنیا نے دوشالے توشہ خانے میں سے نکلوائے اور غربا نے گٹھڑیاں کھول کھول کر رضائی اور پوٹ نکالے۔ ابرِ سیاہ تمام رات محیط آسمان پر رہا مگر مینہہ نہیں برسا۔ اب صبح ہوتے وہ پانی پڑا کہ جل تھل بھر گئے۔ قلعے نہیں جا سکا۔ مینہہ برس رہا ہے اور میں یہ خط لکھ رہا ہوں، اگر یہی عالم ہے تو آج اس خط کو نہیں بھیج سکوں گا۔ بڑے زور سے مینہہ برس رہا ہے۔

پنجشنبہ ۶ ماہ اکتوبر ۱۸۵۳ء

بچوں کو دعا۔ پروردگار سب کو جیتا رکھے اور خوش رکھے اور مجھ کو اُن کا دیدار دکھلاوے۔ یہاں چنا، گیہوں، بیسن، بائیس سیر اور گھی دو سیر سوا دو سیر ہے۔ اُدھر کا حال آپ لکھیے کہ کیا ہے۔ یہاں منگل کو چاند دکھلائی دیا۔ بدھ کو محرم کی پہلی ٹھہری۔ آج دوسری ہے۔ وہاں کا حال مقرر لکھیے گا۔

پنجشنبہ ۶ ماہ اکتوبر ۱۸۵۳ء

بھائی صاحب!

یہ آپ کے دل میں کس نے شبہہ ڈال دیا کہ "گریاں" اور "افشاں" کو آپ نے ایطا تصور کیا۔ بات کو طول دیتا ہوں اور مفصّل لکھتا ہوں۔ سنیے، صیغۂ امر کے بعد جو الف آتا ہے۔ وہ افادۂ معنی فاعلیت دیتا ہے۔ "دان صیغہ امر ہے" دانستن" میں سے اور یہ بھی یاد رہے کہ امر مضارع سے پیدا ہوتا ہے اور قاعدہ اس کا گرا دینا ہے دال کا، اور یہ کلیہ ہے" رود، رو"۔ "شود، شو "۔ "آرد، آر"۔ گوید، گوے"۔ پس" دال" کے آگے الف آیا" دانا" ہوگیا۔ رو" کے آگے الف آیا۔ روا" ہوگیا۔ "گوے" کے آگے الف آیا" گویا"۔ دیدن" کا مضارع" بنید" امر میں الف کے آنے پر" بینا"۔ "روا" یعنی" رونده"۔ "گویا" یعنی" گوینده"، "دانا" یعنی" داننده"۔ "بنیا" یعنی" بنینده" یہ سب ایطا ہے، یعنی یہ الف سب ایک قسم کے ہیں یا الف نون جمع کا۔ جیسے" خوباں" اور "بتاں"۔ "نیکاں" اور" بداں" یہ سب ایطا ہے۔ یعنی الف نون سب ایک قسم کے ہیں۔ اسی طرح ایک الف نون حالیہ ہے کہ وہ بھی امر کے صیغے کے آگے آتا ہے۔" خندیدن" مصدر "خندد"، مضارع "خند" امر" گریستن" مصدر" گرید" مضارع، "گری" امر۔ "افتادن" مصدر، "افتد" مضارع "افت" امر۔ خاستن" مصدر"، "خیزد"، مضارع، "خیز" امر۔ خنداں"، "گریاں"، "افتاں"، "خیزاں" یہ سب الف نون حالیہ ہیں اور ایطا ہیں۔ اب دیکھا چاہیے کہ "افشاں" کیا لفظ ہے۔ "افش" امر اور الف نون حالیہ نہیں ہے۔ "افش" کوئی لغت جامد بھی نہیں۔ "افشاندن" مصدر، "افشاند" ماضی۔ "افشاند" مضارع، "افشاں" امر۔ پس یہ الف نون اصلی ہے۔ مثل" پریشاں" اور "حیران" اور" ایماں" اور" پنہاں" کے۔ اگر یہ الف نون حالیہ کے ساتھ قافیہ ہو۔ تو کس کی مجال ہے کہ اس کو ایطا کہے، مگر وہ کہ جو قواعد کلیہ اور اکثریہ اور بعضیہ فارسی زبان کی نہ جانتا ہو۔

پیرومرشد!

عید کو بادشاہ ماندے ہوئے جو کچھ کہا تھا وہ رہنے دیا کہ کبھی پھر کام آئے گا۔ بکرید کو کچھ

کہا ہی نہیں۔ ایک رباعی پڑھ دی تھی جشنِ غسلِ صحت، اس کا کچھ پتا نہیں، سنتے ہیں کہ ہوگا۔ قصیدہ کہ رکھا ہے۔ اگر ہوا تو پڑھ دوں گا اور وہ "سراج الاخبار" میں چھاپا جائے گا۔ اور آپ کی بھی نظر سے گزرے گا۔ بلکہ قصد یہ ہے کہ اسی محفل میں باندے کے جانے کی رخصت بھی لے لوں تو اس صورت میں یقین ہے کہ بعد اس قصیدے کے میں بھی آپ کی نظر سے گزر جاؤں۔

بیگم کا حال معلوم ہوا۔ بھائی یہ لڑکی ضعیف البنیان ہے۔ حق تعالیٰ اس پر اپنا فضل رکھے۔ تم بھی پڑھنے کی اس پر شدت نہ کیا کرو۔ تمھاری کم فرصتی کا حال مجھ کو معلوم ہے۔ بہت بڑا مقدمہ ہے، یہ فیصل ہوتے ہی ہوگا۔

ٹامس مٹکاف صاحب ایجنٹ و کمشنر دہلی مر گئے۔ ہم لوگوں کے جاننے والے ایک یہی صاحب رہ گئے تھے۔ جنازہ اُن کا اس دھوم سے اٹھا تھا کہ کچھ کہا نہیں جاتا۔ کشمیری دروازے سے ان کی کوٹھی تک لاکھ آدمی کی بھیڑ تھی۔ سکندر صاحب کی گرجا گھر میں فریزر صاحب کے پاس اُن کو رکھا ہے۔

منشی عبداللطیف صاحب کو اور زکیہ بیگم کو اور میاں نصیر الدین کو اور جولڑکے بالے یہاں ہیں اُن کو دعا پہنچے۔

دوشنبہ ہفتم نومبر ۱۸۵۳ء ازاسد اللہ

(۳۴)

بھائی صاحب!

میں بھی تمہارا ہمدرد ہو گیا۔ یعنی منگل کے دن اٹھارہ ربیع الاول کو شام کے وقت وہ پھوپھی، کہ میں نے بچپن سے آج تک اُس کو ماں سمجھا تھا اور وہ بھی مجھ کو بیٹا سمجھتی تھیں، مر گئی۔ آپ کو معلوم رہے کہ پرسوں میرے گویا نو آدمی مرے۔ تین پھوپھیاں اور تین چچا اور ایک باپ اور ایک دادی اور ایک دادا۔ یعنی اس مرحومہ کے ہونے سے میں جانتا تھا کہ یہ نو آدمی زندہ ہیں اور اُس کے مرنے سے میں نے جانا کہ یہ نو آدمی آج یک بار مر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

نگاشتہ پنجشنبہ ۲۰ ربیع الاول و ۲۲ دسمبر ۱۸۵۳ء از اسد اللہ

بھائی جان!

تمہارا وہ خط کہ جو شیخ رحمت اللہ صاحب کے ذریعہ کے خط کے جواب میں تھا، پہنچا۔ تفقد اُن کے حال پر مبذول رہے۔

یہاں پہ چیچک کا زور شور نہیں، بلکہ ان دنوں میں اس کا کہیں مذکور نہیں۔ کول میں اطفالِ خورد سال کی خیر رہے۔ زکیہ و عبدالسلام کا ہنوز آگرے میں رہنا مناسب ہے۔ یہ ہنگامہ جہاں ہوتا ہے چند روزہ ہوتا ہے۔ جب یہ وبائے خاص جاتی رہے اور ہوا صاف ہو جاوے تب آویں۔

وہ مثنوی اور اعلام نامہ میں نے تمہارے پاس بھجوایا ہے۔ وجہ یہ کہ جب حضور نے حکم دیا کہ عمائدِ اہلِ تسنن جو اطراف و جوانبِ دہلی میں ہیں، ایک ایک نقل اُن کو بھیجی جائے۔ میں نے دفتر میں بہ قیدِ علی گڑھ کول مفتی صدرالدین خاں صاحب کا، اور تمہارا نام لکھوا دیا اور کالپی میں نواب انور الدولہ اور بریلی میں سید احمد کا نام لکھوا دیا اور کوئی ایسا سنی گراں مایہ میرے ہاتھ نہ آیا۔

مرزا نجف علی خاں مرحوم تمہارے دوست ہوں گے، وہ یہاں مر گئے۔ اُن کے فرزند ارجمند مرزا یوسف علی خاں کو میں اپنے فرزند کی جگہ جانتا ہوں اور اُن کی سعادت مندیاں اور خوبیاں کیا بیان کروں کہ میں اُن کا عاشق ہوں۔ وہ اب کول کو گئے ہیں۔ تم کو لازم ہے کہ اُن کے ہاں جاؤ اور فاتحہ پڑھو اور اُن کا حال اُن کی زبانی سنو، وہ صاحبزادہ نازپروردہ گرم و سردِ زمانہ نہ دیدہ ہیں۔ دو ایک حویلیاں اُن کے والد ماجد کی وہاں ہیں۔ خدا جانے وہ کیا کریں گے۔ آپ کو اُن کی مربی گیری کرنی چاہیے، مگر وہ پنجشنبے کو روانہ ہونے والے ہیں۔ آج دوشنبے کو یہ خط میں تم کو بھیجتا ہوں۔ یقین ہے کہ کل پہنچے گا۔ بہ مجرد اس کے پہنچنے کے، آپ اُن سے ملیے گا۔ ماتم زدہ کا بلانا مناسب نہیں۔ آپ کو بہ تقریبِ تعزیت جانا چاہیے اور یہ جو خط آپ کے نام کا ہے اُن کو پڑھا دیجیے۔

مولوی عبداللطیف کی خدمت میں میری طرف سے یہ شعر مولانا شرف الدین مصنف "نامۂ حق" کا پڑھ دیجیے گا۔

در طلب کردنِ حقیقتِ کار
از خدا شرم دار و شرم مدار

۲۳ جنوری ۱۸۵۷ء ضروری جواب طلب

رقم زدہ و رواں داشتہ چاشت گاہ دوشنبہ — از اسداللہ

(۳۶)

بھائی صاحب!

میں نہیں جانتا تھا کہ تم کہاں ہو۔ تنہا میاں عبداللطیف کو علی گڑھ میں سمجھا ہوا تھا۔ کل منشی ہرگوپال صاحب کا خط آیا، اُس سے معلوم ہوا کہ آپ بھی یہیں ہیں۔ بارے کہیے کہ زکیہ و عبدالسلام کب آئیں گے۔ مجھ سے تو وہ اگر کول میں ہوں تو بھی دور ہیں، مگر تمھارے واسطے پوچھتا ہوں کہ اُن کی دوری تم پر شاق ہے۔

لو حضرت، یہاں بھی چیچک کا زور شروع ہوا۔ بارے یہ خدا کا فضل ہے کہ انجام بخیر ہے۔ جس زمانے میں آپ نے لکھا تھا کہ کول میں شدت ہے، اُس زمانے میں یہاں کچھ ذکر نہ تھا۔ اب ہنگامہ گرم ہے۔ ظاہرا کول کی راہ سے تشریف لائی ہیں۔ بہ ہر حال آپ بچوں کی خیر و عافیت اور اُن کے آنے کا حال، کہ آ گئے اور اگر نہیں آئے تو کب آئیں گے، مفصل لکھ بھیجیے گا۔ منشی عبداللطیف صاحب کو دعا پہنچے۔

۲۳ فروری ۱۸۵۷ء — اسد

(۳۷)

بھائی صاحب!

آپ کا خط آیا۔ حال لڑکے بالوں کا اور تمھارا معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ تم کو اور اُن سب کو سلامت

رکھے۔ یہ کافر احتراق کی بیماری جس رنگ سے ظہور کرے زائل ہونا نہیں جانتی تخفیف اس میں بمنزلہ صحت ہے۔ مجھ کو دیکھو۔ اگرچہ میرے تمھارے حالات متفاوت ہیں لیکن اصل مرض ایک ہے۔ اب کے میرے ہاں اُس کا ظہور بہ صورتِ تپ و لرزہ کے ہوا۔ آٹھ دن غذا نہ کھائی۔ اب اگرچہ تپ نہ رہی لیکن اور عوارض پیدا ہو گئے۔ چنانچہ کل پانچواں مسہل تھا اور کل پھر ہو گا۔

مرزا تفتہ سے عند الملاقات کہ دینا کہ یہ اوراقِ اشعار جو تیسری بار آئے ہیں ہنوز اُن کے دیکھنے کی فرصت نہیں ہوئی۔

ثنا اللہ خاں ثنا فتح پوری مسجد کے ایک حجرے میں مع اپنے فرزند کے رہتے ہیں۔ احترام الدولہ حکیم احسن اللہ خاں بہادر سے اُن کو ملوا دیا۔ آج پانچواں دن ہے کہ جناب حکیم صاحب میرے دیکھنے کو آئے تھے۔ ثنا اللہ خاں مع قصیدے کے موجود تھے۔ اُن سے قصیدہ پڑھوا دیا۔ دوسرے دن وہ اُن کے گھر گئے۔ انھوں نے پانچ روپے اُن کو دیے۔ پھر اُن کو مع قصیدے کے بھائی ضیاء الدین خاں جو چھوٹے بیٹے نواب احمد بخش خاں کے ہیں، اُن کے پاس بھیجا۔ پانچ روپے انھوں نے دیے۔ یہ دہا کا اُن کو وصول ہو گیا ہے۔ کل ثناء اللہ خاں میرے پاس نہیں آئے، آج شاید آئیں۔ اب وہ چھوٹم نامی ایک رنڈی ہے، مہاراج ہندو راؤ کی نوکر ہے، اُس کو وہ اپنا شاگرد بتلاتے ہیں، اُس سے رخصت ہونے کی فکر میں ہیں۔ جب وہ اُن کو کچھ دے گی، تب وہ کول کو تمھارے پاس روانہ ہوں گے۔

منشی عبد اللطیف کو آیا میری دعا کہتے ہو یا نہیں۔ میں اُن کی نثر کے دیکھنے کا مشتاق ہوں۔ باقی اور سب لڑکے بالوں کو خصوصاً بیگم کو دعا پہنچے۔ بھائی عورتوں کے واسطے اتنا کافی ہے کہ حرف شناس ہو جائیں اور قرآن شریف ناظرہ پڑھ لیا کریں، اس پر پڑھنے کے واسطے شدت نہ کیا کرو۔

دوشنبہ ۲۷ مارچ ۱۸۵۴ء اسد اللہ

٭

بھائی صاحب!

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، کہ اور تو سب طرح خیر و عافیت ہے، مگر گرمی کی وہ شدت ہے کہ عَیَاذاً بِاللّٰہ۔ میں آپ احتراق کا مارا، دوسرے یہ مصیبت، ایک وقت کا کھانا کھانے والا، سو وہ اب موقوف، غذا منحصر دہی پر ہے۔ کہاں تک دہی کھاؤں، کیا کروں۔ اگرچہ تاب مجھ میں روزہ رکھنے کی کہاں، مگر بدتر روزہ داروں سے ہوں۔ روزہ داروں کو کیا کہوں کیا حال ہے۔ میرے چار خدمت گزار ہیں چاروں روزہ دار۔ آخرِ روز مجھ کو یوں نظر آتا ہے کہ چار مردے پھر رہے ہیں، یہ پریشانی اور یہ بے سروسامانی۔ نہ خس خانہ۔ نہ برف آب:

آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں
روزہ مرا ایمان ہے غالبؔ لیکن
خس خانہ و برف آب کہاں سے لاؤں

افطارِ صوم کی جسے کچھ دستگاہ ہو
اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

یہ رباعی اور یہ قطعہ کل حضور میں پڑھا تھا، بہت ہنسے اور خوش ہوئے۔

احتراق میں مر رہا ہوں مگر آموں کو تاکتا ہوں کہ کب نکلیں۔ بنگالے میں یقین ہے کہ آم حبل نکلے ہوں گے۔ دو برس کلکتے میں رہا ہوں۔ جون کے مہینے میں آم پکتے ہیں۔ دن تین ایک ہوئے ایک میوہ فروش پانچ آم لایا تھا، مزہ نہ تھا، لُو کے پکے ہوئے تھے۔

بھلا یہ تو سب باتیں ہو لیں۔ مگر انگریزی ڈاک کا حال کہیے۔ نہیں معلوم کیا بند وبستِ جدید ہوا ہے کہ بالکل ڈاک کا انتظام و اعتماد جاتا رہا۔ ایک دو خط انگریزی ایک فرنگی کے تلف ہو گئے۔ اُس نے یہاں کی ڈاک میں گفتگو کی۔ کوئی اُس کا مجیب نہ ہوا۔ اُس نے بڑے پوسٹ ماسٹر سے شکایت کی۔ جواب پایا کہ کچھ جواب نہ پاؤ گے، تم نے دیا، ہم نے بھیج دیا۔ اب پہنچے یا نہ پہنچے۔ میرٹھ سے بھی فریاد آئی ہے۔ آگرے کے خطوں سے بھی سنا جاتا ہے۔ اگرچہ میرا کوئی خط اب تک تلف نہیں ہوا ہے۔ مگر وبائے عام میں بچاؤ کہاں۔ ناچار میں نے یہ قاعدہ قرار دیا ہے کہ آگرے میں میجر جان جاکوب صاحب اور کول میں تم اور باندے میں میرے ایک ماموں کا بیٹا بھائی ہے اور دو ایک دوست اضلاعِ متفرقہ میں اُن کو لکھ بھیجا ہے کہ وہ مجھ کو اور میں اُن کو خط بیرنگ بھیجا کروں۔ بھائی، حساب برابر ہے، مگر اس صورت میں خاطر جمع رہتی ہے۔ اب اگر تمھارا خط پوسٹ پیڈ آئے گا تو میں آزردہ ہوں گا۔ بیرنگ بھیجا کرو اور منشی ہرگوپال کو بھی سمجھا دو بلکہ یہ تحریر دکھا دو۔ بہت پوسٹ پیڈ خط ضائع ہوتے ہیں، بیرنگ پر اعتماد ہے۔

لڑکے بالوں کو دعا پہنچے۔ بہت دن ہوئے کہ خیر و عافیت نہیں سنی۔ سب کا حال لکھو۔ خصوصاً بیگم کی خیریت۔ حسین علی کورنش عرض کرتا ہے۔

یکشنبہ ۴ جون سنہ ۱۸۵۴ء

اسد اللہ

(۳۹)

بھائی صاحب!

کیا کہوں کہ کتنا ہنستا ہوں تمھاری اس بات پر کہ "تو تو قطعہ یا رباعی کہہ کر الگ ہو گیا اور مجھ کو تیس روزے رکھنے پڑے"۔ گویا الگ الگ مجھ پر اور تم پر روزے فرض نہ تھے بلکہ ایک کام بہ شراکت مجھ کو اور تم کو سپرد ہوا تھا، اس میں، میں نے تو کچھ نہ کیا۔ اور اپنے حصے اور میرے حصے کا کام صرف تم نے کیا۔ خدا حضرت کو سلامت رکھے۔

بھائی صاحب! میں نہ سمجھا کہ زکیہ بیگم عمر پتسالون کا سیپارہ پڑھ چکی یا حفظ کر چکی۔

اللہ اکبر اگر حفظ کیا ہے تو بڑا کام کیا ہے اور بہت بڑا کام کرے اگر تیسوں سیپارے حفظ کرے۔ بارے یہ تو کہو کہ تم نے تو اُس کو پڑھتے سنا ہوگا جرف شناس ہوگئی ہے اور مفردات نکال کر آپ اُن کو بیوند دے لیتی ہیں یا یوں ہی طوطے کی طرح "حق اللہ" پاک ذات اللہ پڑھتی ہے۔

منشی عبداللطیف اور ہمارے شیخ اکرام الدین اور شیخ نصیر الدین اور کلثوم بیگم اور بی حافظہ بیگم جن کا ذکر ہو چکا ہے، سب کو دعا پہنچے اور سب بخیر و خوبی سلامت رہیں۔

دل کڑھتا ہے مرزا احسن علی بیگ رسالدار کے حال پر۔ بی بی نے اُن کی پانچ چھ ہزار روپیہ نقد و جنس تباہ کر دیا۔ روپیہ کیا گویا گھر خاک میں ملا دیا۔ اب وہ غریب کیا کرے۔ میرے پاس دو تین بار آئے۔ ایک دن تنہائی میں اپنا حال کہا۔ میں دیکھتا تھا کہ اس شخص کو اب رونا آتا ہے، سچ ہے:

زنِ بد در سرائے مردِ نکو

ہم دریں عالم است دوزخِ او

یہاں دلّی میں ایک اصطلاح نئے نواب کی ہے اور یہ لفظ عام ہے، ہندو ہو یا مسلمان، اس پر صادق آجاتا ہے۔ صورت یہ کہ جہاں کوئی شخص مرا، بہ شرط آں کہ دولت مند ہو، اُس کا بیٹا مال پر متصرف ہوا۔ بدمعاش لوگ فراہم ہوئے اور اُس کو خداوندِ نعمت اور جنابِ عالی کہنا شروع کیا: فلانی رنڈی آپ پر مرتی ہے۔ فلانا امیر اپنی مجلس میں آپ کی یوں تعریف کر رہا تھا۔ آپ کو لازم ہے اس رنڈی کا بلانا اور اس امیر کی دعوت کرنی، دنیا اسی واسطے ہے۔ روپیہ ساتھ ساتھ نہیں جاتا۔ آپ کے باوا کیا لے گئے جو آپ لے جائیں گے۔ غرض کہ بندہ آج تک تین نئے نواب دیکھ چکا ہے۔ ایک تو کھتری ٹوڈرمل لاکھ روپیے کا آدمی تھا۔ پانچ سات برس میں سب کچھ کھو کر شہر سے نکل گیا اور مفقود الخبر ہو گیا۔ دوسرا ایک پنجابی لڑکا سعادت نام۔ پچاس چالیس ہزار روپیہ کھو کر تباہ ہو گیا۔ تیسرا خاں محمد نام، سعد اللہ خاں کا بیٹا، کہ

وہ بھی بیس بچیس ہزار روپیہ لٹاکر اور بگھیوں پر چڑھ کر اب جوتیاں چٹخاتا پھرتا ہے۔ غرض کہ مردوں کو نئے نواب بنتے سنا تھا، عورتوں میں اس نیک بخت کو دیکھا۔ اصل اس کی یہ ہے، ایک خانگی ہے مکارہ اور عیارہ۔ اب بڑھاپے میں اس نے میرے حقیقی سالے یعنی زین العابدین خاں مرحوم کے ماموں کو دام میں لاکر ان کے گھر میں بیٹھی ہے اور نیک بخت بہو بیبیوں کو لوٹتی پھرتی ہے۔ اسی نے رسالدار کی بی بی سے مل کر اس کو نیا نواب بنایا اور سارا گھر لٹوایا۔ چنانچہ رسالدار کی زبانی آپ کو مفصل معلوم ہوگا۔ بے چارے نے ہر چند چاہا کہ یہ میرے ساتھ چلے ہرگز نہ گئی۔

در کنجِ دماغم، مطلب جائے نصیحت
کایں حجرہ پُر از زمزمۂ چنگ و رباب است

اب یہ تنہا آپ کے پاس آتے ہیں۔ ان کی رام کہانی ان کی زبانی سنیے گا۔
حسین علی آپ کو بندگی اور اپنے بہن بھائیوں کو علیٰ قدرِ مراتب سلام بندگی کہتا ہے۔ اب ج ح خ پڑھتا ہے۔ خدا میری شرم رکھ لے اور اس میں کوئی اس طرح کا قصور نہ رہ جائے، جو لوگ مجھ کو نام رکھیں کہ کیا بری طرح پرورش کی۔
نگاشتۂ دوشنبہ ۲۲ رمضان ۱۲۷۰ھ
۱۹ جون ۱۸۵۴ء
از اسد اللہ
لو صاحب اب کے جمعے کو الوداع اور اگلے منگل یا بدھ کو عید ہوگی۔

(۴۰)

بھائی صاحب!
قصیدۂ مدحیہ حضرت ولی عہد بہادر میں شین کی ضمیر مطلع سے لے کر دور تک بہ طرف معشوق کے راجع ہے:

زہے! بتانِ مغاں شیوہ دادخواہانش
زدست ہائے حنا بستہ گل بداما نش

"زہے" کا مورد مند کور نہیں یعنی "معشوق"۔ شاعر کہتا ہے واہ عجب معشوق ہے کہ "بتانِ مغاں شیوہ" داد خواہ اُس کے ہیں "مغاں شیوہ" صفت ہے "بتاں" کی۔ میرے معشوق کے داد خواہ ہیں، ایسے معشوق کہ جو "مغاں شیوہ" ہیں اور مغوں کی جہاں اور روشیں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ ہاتھوں میں مہندی لگائے رہتے ہیں اور معشوقوں کے ہاتھ بھی حنائی ہوتے ہیں اور داد خواہ کا کام دامن پکڑنا ہے۔ جب معشوق اُس کے دامن گیر ہوئے اور ہاتھ اُن کے حنائی ہیں تو گویا وہ دست ہائے رنگیں پھول ہیں۔ اُس کے دامن میں۔ الحاصل اس بیت تک:

گہے ز مہر بدل جا گزیدہ پیکانش

"شین" کی ضمیر بہ طرف معشوق راجع ہے باقی اور اشعار ہیں اور طرف ہے کہ قرینہ اُس پر دال ہے۔ تم کس ریختے کو بنا سمجھتے ہو "کہا کیے" اور "ہوا کیے" یہ غزل پرانی ہے۔ "دریا مرے آگے"۔ "صحرا مرے آگے" اس پر بھی ایک سال گزر چکا ہے۔ قلعۂ مبارک کے مشاعرے کی غزل ہے:

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اک کھیل ہے اورنگِ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے

جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستیِ اشیا مرے آگے

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے
گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے
تو دیکھ کہ کیا رنگ ترا مرے آگے

سچ کہتے ہو خود بین و خود آرا ہوں، نہ کیوں ہوں
بیٹھا ہے بتِ آئینہ سیما مرے آگے

پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیِ گفتار
رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

نفرت کا گماں گزرے ہے میں رشک سے گزرا
کیوں کر کہوں لو نام نہ اُن کا مرے آگے

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام
مجنوں کو بُرا کہتی ہے لیلا مرے آگے

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شبِ ہجراں کی تمنّا مرے آگے

ہے موجزن اک قلزمِ خوں کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
غالب کو بُرا کیوں کہو اچھا مرے آگے

مئی، جون سنہ ۱۸۵۴ء

(۴۱)

بھائی صاحب!

یہ جو آپ نے لکھا کہ تیرے وہ اشعار سنے جاتے ہیں کہ جو کبھی نہیں سنے تھے۔ حال

یہ ہے کہ میں نے ان دنوں میں دو غزلیں لکھی ہیں۔ ایک تو "دریا نہ ہوا"، "صحرا نہ ہوا" سو وہ آپ کے پاس بھیج چکا۔ دوسری غزل "رواں کیوں ہو" اور "گماں کیوں ہو"۔ وہ اب بھیجتا ہوں۔ ان دو غزلوں کے علاوہ حال میں کوئی غزل نہیں کہی۔ پس اگر اس کے سوا کوئی کچھ آپ کے سامنے پڑھے تو وہ یا میرا کلام نہ ہوگا یا سابق کی کوئی ایسی غزل ہوگی کہ وہ آگے آپ نے نہ سنی ہوگی۔

بندہ پرور! پندرہ روزوں کا اجر جو آپ نے مجھ کو دیا، وہ فوراً میں نے الٹا پھیر دیا۔ میرے کس کام کا، نہ آم ہیں کہ کھاؤں، نہ شربت ہے کہ پیوں۔

بھائی! اب کے تہنیتِ عید میں دو قصیدے کس انداز کے لکھے ہیں کہ دیکھو گے تو حظ اٹھاؤ گے۔ پرسوں یا اترسوں روانہ کروں گا۔ ہرگوپال صاحب کو بھی دکھا دیجئے گا۔ رسالدار کے گھر کے باب میں جو کچھ تم نے کہا، وہ مطابق واقعہ نہیں ہے، یعنی اس نیک بخت نے ضد سے یہ کام نہیں کیا: ایں حکایت را بیانے دیگر است۔ ایک زنِ مرد افگن بد روش بدفن نے اس کو لوٹا، کھایا۔ مہمانداریِ ہرروزہ و گل و میوہ و نقش و نگار، رنگ و بو، یہ عیاشی و بدمعاشی ہے، نہ آزردگی و دل آزاری۔

میں اپنے بچوں کو پیار کرتا ہوں اور دعائیں دیتا ہوں۔ حسین علی تم کو بندگی اور بڑے بھائی منشی عبداللطیف کو آداب اور بہنوں کو سلام اور بھتیجا بھتیجی کو اس راہ سے کہ وہ عمر میں اور رشتے میں چھوٹے ہیں، دعا کہتا ہے:

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو
وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو
کیا غم خوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
نہ لائے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیوں ہو

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھیرا
تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

یہ کہہ سکتے ہو، ہم دل میں نہیں ہیں، پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمھیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے اُس کا دشمن آسماں کیوں ہو

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی
بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالبؔ
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

قطعہ

افطارِ صوم کی جسے کچھ دستگاہ ہو
اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

(۴۲)

بھائی صاحب!

آپ کے عنایت نامے سے بھابی صاحبہ کے مزاج کی ناسازی اور بچوں کی ناخوشی معلوم ہوئی۔ پروردگار سب کو اپنی امان میں رکھے۔ دن برے ہیں۔ یہاں بھی تپ کا مرض عام ہے، مگر انجام بخیر ہے۔ یہ سب خوبیاں مینھ نہ برسنے کی ہیں۔ خدا سے دعا مانگتا ہوں اور آپ سے چاہتا ہوں کہ اب جلد آپ سب کی خیر و عافیت لکھیں۔

مرزا یوسف علی خاں اگر ابھی وہاں سے نہ چلے ہوں تو اُن کو میری دعا کہنا اور یہ کہنا کہ میاں تمھارا خط آیا۔ تمھارے سب دوستوں کو سلام کہہ دیا۔ وہ سب سلام کہتے ہیں۔ اب تم منشی صاحب پر سب امور حوالے کر کر چلے آؤ، درنگ نہ کرو۔

غزل دیکھی۔ بھائی صاحب! ان زمینوں میں مضامینِ عاشقانہ کی گنجائش کہاں موافق اس زمین کے اشعار مربوط ہیں۔

منشی عبداللطیف اور اُن کے فرزند، بیگم اور اس کی ہم جولیوں کو دعا۔

روز جمعہ یازدہم اگست ۱۸۵۴ء　　　　　　　　از اسد اللہ

(۴۳)

بھائی صاحب!

پرسوں شام کو مرزا یوسف علی خاں شہر میں پہنچے اور کل میرے پاس آئے۔ بیگم کی پردہ نشینی اور گھر میں بہت لوگوں کی بیماری اور پھر تمھاری اُن کے حال پر عنایتیں اور شام کی صحبتوں میں تخوروں کی حکایتیں سب بیان کیں۔ حیران ہوں کہ مینھ ہر طرف خوب برس رہا ہے، پھر بیماری کا شیوع کیوں ہے؟ یہاں بھی اکثر لوگ تپ میں مبتلا ہیں۔ حق تعالیٰ انجام بہ خیر کرے اور اپنے بندوں پر رحم فرمائے۔

اگلے خط میں لکھ چکا ہوں کہ مریضوں کی صحت کی خبر جلد لکھیے گا۔ ظاہرا اب تک کچھ نہ کچھ قصہ

چلا آتا ہے کہ آپ کا عنایت نامہ اب تک نہیں آیا۔

حکیم الٰہی بخش سکندر آبادی آپ کے پاس پہنچے ہیں۔ بہت نیک بخت اور معقول آدمی آدمی ہیں۔ اُن کی پرورش کا خیال رہے، اور شیخ رحمت اللہ صاحب جو آگے آپ کی بدولت کامیاب ہو چکے ہیں۔ اگر وہاں ہوں تو اُن کا بھی آپ کو خیال رہے اور میرا اسلام کہہ دیجے اور اگر وہاں نہ ہوں تو اُن کا حال مجھ کو لکھیے۔

مرزا یوسف علی خاں کہتے تھے کہ آپ اس قصیدے کے طالب ہیں جو بہ طریق مرثیہ لکھا گیا ہے اور اس میں شاہ اودھ کی مدح بھی مندرج ہے، اگر ہاتھ آ گیا تو چھاپے کا ورنہ قلمی بھیج دوں گا۔ بادشاہِ اودھ تک پہنچ گیا ہے، اگر کچھ ظہور میں آیا تو وہ بھی تم کو لکھوں گا۔

بیگم کو دعا پہنچے۔ کیوں بھئی، اب ہم کول آئے بھی تو تم کو کیوں کر دیکھیں گے، کیا تمھارے ملک میں بھتیجیاں چچا سے پردہ کرتی ہیں۔

بھائی خدا کے واسطے سب کی خیر و عافیت جلد لکھو۔ منشی ہر گوپال کے خط سے اتنا معلوم ہوا کہ میاں عبد اللطیف کے گھر میں اچھی طرح ہیں اوروں کا حال نہیں معلوم ہوا۔

والسلام مع الاکرام

سہ شنبہ ۱۵ ماہ اگست ۱۸۵۵ء — از اسد اللہ

(۴۴)

بھائی صاحب کو بندگی پہنچے۔ یہاں کی عید کا ماجرا عرض کروں گا۔ پہلے یہ تو پوچھیے کہ یہاں کول کا کیا واقعہ مشہور ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ۔ ہر انجمن میں یہی ذکر رہا کہ کول میں بڑی خانہ جنگی ہوئی اور ہندو و مسلمانوں میں تلوار چلی۔ دس بیس آدمی طرفین کے مارے گئے۔ میں چاہتا تھا کہ تم کو لکھوں کہ اس عرصے میں تمھارا خط آ گیا اور حال معلوم ہوا۔ میں جانتا ہوں ایسا ہی مشہور ہوگا کہ دلّی میں تلوار چلی، سو، حضرت نہ تلوار چلی نہ خانہ جنگی ہوئی۔ دو دن ہندو دکانداروں نے دکانیں بند کر دی تھیں، سو، صاحب مجسٹریٹ بہادر اور کوتوال نے سارے شہر کا گشت کیا۔ یہ ملاطفت و

ملائمت و بہ تاکید و تہدید کانیں کھلوائیں۔ بکریاں بھی قربان ہوئیں، گائیں بھی۔

میں نے اب کے عید کو قصیدہ نہیں لکھا۔ ایک مجلد اس تاریخ کا تمام کر کر وہ نذر کیا۔ اس کا حال سنیئے کہ وہ صورت جو پہلے تھی وہ نہیں رہی۔ آگے آغاز امیر تیمور کے حال سے تھا۔ اب شروع تحریر آفرینشِ عالم وظہورِ آدم سے ہے۔ میں نے کتاب کا نام "پرتوستان" رکھا اور دو مجلد پر منقسم کیا۔ پہلا مجلد ابتدائے عالم سے حضرت نصیر الدین ہمایوں تک۔ اس کا نام "مہر نیم روز" رکھا۔ دوسرا مجلد جلال الدین اکبر کے حال سے حضرت والیِ عصر تک۔ اس کا نام "ماہ نیم ماہ" سو وہ "مہر نیم روز" تمام ہوا اور نذرِ حضور کیا۔ اب اگر زیست وفا کرے گی تو "ماہِ نیم ماہ" لکھا جائے گا۔ توقیعِ خوشنودی مجھ کو مل گیا۔ یعنی شقہ مشتمل تحسین و اظہارِ عنایت پر۔ اسی کو خلعتِ فاخرہ اور جاگیر تصور کرتا ہوں۔ مجھ میں کہیں جانے کا دم نہیں۔ اگر بادشاہ کا توسل نہ ہوتا، تو بھی یہیں پڑا رہتا۔ بس میں اس کو غنیمت جانتا ہوں۔ میرا قدرداں کون کہ میں اس پر ناز کروں۔ بقول ڈوم کے:

جو سمجھے وہ ہمارا غلام جو نہ سمجھے ہم اُس کے غلام:

زندگی بر گردنم افتاد بیدلؔ چارہ نیست

چار باید زیستن ناچار باید زیستن

ہاں صاحب، یوسف علی خاں نے لکھنو والے قصیدے کا چھاپا جہاں خاں کی معرفت تم کو بھیجا ہے، نہیں جانتا جہاں خاں کون ہے۔ یوسف علی خاں کی زبانی لکھتا ہوں۔ پس اگر پہنچ گیا تو خیر، ورنہ تم جہاں خاں سے مانگ لو۔

صاحب یہاں ایک تپ پھیلی ہے کہ کوئی گھر نہ ہوگا جس کے آدھے آدمی تپ میں مبتلا نہ ہوں۔ باری کی تپ نوبت کلو دار وغہ، اُس کی ماں، مداری کی گھر والی، اُس کے بچے سب بیمار۔ تمھاری بھابی یعنی میری بی بی اور حسین علی خاں کی پالنے والی کہ وہ گھر کی مدار المہام ہے، بیمار۔ مزا یہ کہ ان دونوں کا روز نوبت ایک ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ حسین علی اچھا ہے۔ آپ کو بندگی کہتا ہے اور اپنی بہن کو سلام اور اپنی چچی کو آداب۔ میں اب سے بیگم کو ذکیہ یا بیگم نہ کہوں گا۔ اب میں

اُس کو حافظ جی لکھا کروں گا۔ حافظ جی کو میری دعا پہنچے اور منشی عبد اللطیف کو اور اُن کے بچوں کو دعا۔

والسلام

جمعہ ۱۵ ستمبر ۱۸۵۴ء

اسد اللہ

(۴۵)

بھائی صاحب!

جی چاہتا ہے باتیں کرنے کو۔ حق تعالیٰ عبد السلام کی ماں کو شفا دے اور اُس کے بچوں پر رحم کرے۔ یہ جو تپ اور کھانسی مزمن ہو جاتی ہے تو یہ بیماری نہیں ہے، روگ ہے۔ اس طرح کے مریض برسوں جیتے ہیں اور اگر قسمت میں ہوتا ہے تو اچھے بھی ہو جاتے ہیں بلکہ تم کو ماں کا دودھ نہ پلواؤ، دائی رکھ لو۔ مریضہ کو بھی افاقت رہے گی اور لڑکی بھی راحت پائے گی۔

مجھ کو دیکھو۔ غم نہ داری، بز بخر۔ کہاں زین العابدین اور اُس کی بیوی مرے اور دو بچے چھوڑ جائے اور اُن میں سے ایک میں لے لوں مختصر کہتا ہوں۔ آج تیرھواں دن ہے کہ حسین علی نے آنکھ نہیں کھولی۔ دن رات تپ اور غفلت اور بے خودی۔ کل بارھویں دن مسہل دیا تھا۔ چار دست آئے۔ مدار دو چار بار دوا اور ایک دو بار آشِ جو پر ہے۔ انجام اچھا نظر نہیں آتا۔ دادی اُس کی بیمار۔ روز دوپہر کو لرزہ چڑھتا ہے۔ آخر روز فرصت ہو جاتی ہے۔ ظہر قضا اور عصر وقت پر پڑھ لیتی ہے۔ تماشا یہ کہ تاریخ دونوں کے تپ کی ایک ہے۔ بھائی بی بی کی تو اتنی فکر نہیں، لیکن حسین علی کی بیماری نے مار ڈالا۔ میں اُس کو بہت چاہتا ہوں۔ خدا اس کو بچالے اور نہ میں اُس کو دنیا میں چھوڑ جاؤں۔ سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے۔ میں نے آگے تم کو نہیں لکھا، یہاں بڑی بیماری پھیل رہی ہے اور کوئی بیماری نہیں ہیں رنگا رنگ، بیشتر باری کی، یعنی اگر گھر میں دس آدمی ہیں تو چھ بیمار ہوں گے اور چار تندرست اور ان چھ میں سے تین اچھے ہو جائیں گے تو وہ چار بیمار ہوں گے۔ آج تک انجام بخیر تھا۔ اب لوگ مرنے لگے۔ ہوا میں سمیت پیدا ہو گئی

یہ قصے تو یوں رہے :

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

یہ ڈاک کا سررشتہ کیسا بگڑا۔ میں نے اپنے نزدیک ازروے احتیاط بیرنگ خط بھیجنا اختیار کیا تھا۔ گو بہ مقتضائے وہم ہو۔ خط جب ڈاک گھر میں جاتا تھا، رسید ملتی تھی۔ پوسٹ پیڈ کی لال مہر۔ بیرنگ کی سیاہ مہر۔ خاطر جمع ہو جاتی تھی۔ ڈاک کتاب کو دیکھ کر یاد آجاتا تھا کہ فلانا خط کس دن بھیجا ہے اور کس طرح بھیجا ہے۔ اب ڈاک گھر میں ایک صندوق منہ کھلا ہوا، دھر دیا ہے، جو جائے خط کو اس میں پھینکے اور چلا آئے۔ نہ رسید نہ مہر، نہ مشاہدہ۔ خدا جانے وہ خط روانہ ہوگا یا نہ ہوگا، اگر روانہ بھی ہوا تو وہاں پہنچنے پر ڈاک کے ہرکارے کو نہ انعام کا لالچ نہ سرکار کو محصول کی طمع۔ نہ دیا ہرکارے کو، یا دیا ہرکارے نے نہ پہنچایا، اگر خط نہ پہنچا تو بھیجنے والا کس دستاویز سے دعوی کرے گا۔ مگر ہاں چار آنے دے کر رجسٹری کروائے۔ ہم دوسرے تیسرے دن جا بجا خط بھیجنے والے، روپیہ آٹھ آنے رجسٹری کو کہاں سے لائیں۔ احیاناً ہم نے تین ماشے سمجھ کر آدھ آنے کا سٹامپ لگا دیا، وہ خط دو رتی بڑھتی نکلا۔ مکتوب الیہ سے دونا محصول لیا گیا۔ خواہی نہ خواہی کانٹا بانٹ رکھیے۔ کانٹے کا خار خار الگ۔ تولنے کا قصہ الگ۔ خط بھیجنا نہ ہوا ایک جھگڑا ہوا، ایک مصیبت ہوئی۔ آج دسویں محرم کو یہ خط لکھا ہے۔ کل اسٹامپ کے ٹکڑے منگاؤں گا، سرنامہ پر لگا کر روانہ کروں گا۔ اندھیری کوٹھری کا تیر ہے۔ لگا لگا نہ لگا نہ لگا۔

خدا کے واسطے اس خط کا جواب جلد لکھنا۔ عبدالسّلام کی ماں کا مفصّل حال لکھنا۔ بدحواس ہوں، مجھ کو معاف رکھنا۔ حافظ جی کو دعا۔ منشی عبداللطیف کو دعا۔

نگاشتۂ دہم محرم ۱۲۷۱ھ

مطابق سوم اکتوبر ۱۸۵۴ء و مرسلہ چارشنبہ ۱۱ محرم و ۴ اکتوبر — از اسداللہ

(۴۶)

ہائے ہائے وہ نیک بخت نہ بچی۔ واقعی یہ کہ تم پر اور اُس کی ساس پر کیا گزری ہوگی لڑکی تو جانتی ہی نہ ہوگی کہ مجھ پر کیا گزری۔ لڑکا شاید کرے گا اور پوچھے گا کہ اماں کہاں ہیں۔ یہ اُس کا پوچھنا اور تم کو رُلائے گا۔ بہ ہر حال چارہ جز صبر نہیں ہے۔ غم کرو ماتم رکھو۔ روؤ پیٹو، آخر خونِ جگر کھا کر چپ رہنا پڑے گا۔ حق تعالیٰ عبد اللطیف کو اور تم کو اور یتیموں کی دادی اور پھپھیوں کو سلامت رکھے اور تمھارے دامنِ عطوفت و آغوشِ رافت میں اُن کو پالے۔

حسین علی کا حال اگلے خط میں لکھ چکا ہوں۔ آج سولھواں دن ہے تپ کو، اور نواں دن ہے کہ دانا نہیں کھایا۔ سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے۔ آج حقنہ ہو رہا ہے۔ مجھ میں دیکھنے کی تاب نہیں۔ میں دیوان خانے میں بیٹھا یہ خط لکھ رہا ہوں۔ محل میں مردانہ ہے۔ بادشاہی خاص تراش حقنہ کر رہا ہے۔ دیکھیے کیا ہو، مجھ کو تو یاس ہے۔

جمعہ ۶ اکتوبر ۱۸۵۴ء اسد اللہ

(۴۷)

بھائی صاحب!

آپ کا خط آیا اور منشی عبد اللطیف کی دختر بلند اختر کا اپنی پھپھیوں کے ساتھ اکبرآباد جانا معلوم ہوا۔ یقین کہ عبد السلام اپنی ماں کو یاد کرے، حق بجانب تمھارے ہے۔ واقعی کہ بڑا حادثہ تم پر گزرا ہے۔ خدا تم کو صبر بھی دے اور صبر کا اجر بھی دے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ

حسین علی اب اچھا ہے، یعنی تپ نہیں۔ پیشاب میں ریگ آتی ہے۔ معدے میں صلابت ہے۔ ضعف کی کچھ حد نہیں۔ خدا کرے بچ جائے اور بالکل اچھا ہو جائے۔

سعادت و اقبال نشاں مرزا یوسف علی خاں طال عمرہ پہنچتے ہیں۔ میری طرف سے بھی مراسمِ تعزیت بجا لائیں گے اور حال میری غمزدگی اور خستگی کا کہیں گے۔

۱۵ اکتوبر ۱۸۵۴ء از اسد اللہ

آداب بجا لاتا ہوں اور جا جم کا سلام کرتا ہوں۔ یہ تکلیف کیوں کی، اس کی ضرورت کیا تھی۔

یوسف علی خاں کی زبانی تمہارے سامعہ و شامہ کا حال معلوم ہوا۔ بھائی واللہ باللہ میرا مدت سے یہی حال ہے کہ نہ کان میں آواز آتی ہے نہ ناک میں بو۔ یہ آں کہ میں یہاں موجود ہوں اور حکما میرے دوست ہیں، میری تدبیر نہیں ہو سکتی۔ تم جو وہاں بیٹھے چاہتے ہو کہ یہاں سے تم کو کوئی دوا یا نسخہ ایسا بھیج دیا جائے کہ فوراً صحت حاصل ہو جائے، یہ کیوں کر ہو سکے۔ فرصت چاہیے، مشقت چاہیے۔ مسہل لیے جائیں، معجونیں کھائی جائیں، عرق پیے جائیں۔ آئندہ فائدہ ہو یا نہ ہو۔ ہر چند حکیم احسن اللہ خاں صاحب نے ازراہِ عنایت چاہا کہ معالجہ کریں، میں نے جبر اٹھانا گوارا نہ کیا۔ خیر یہ قصے اور ہیں۔ بات یہی ہے کہ ان امراض کا علاج منحصر کثرتِ تنقیہ میں ہے اور اس کو حضورِ طبیب و فراغِ خاطر شرط ہے۔

ضیاء الدین خاں بہادر کو میں نے کہلا بھیجا ہے۔ جب وہ اپنی نظم و نثر میرے پاس بھجوا دیں گے تو میں آپ کو بھیج دوں گا۔

یوسف علی خاں کہتے تھے کہ عبد السلام و کلثوم آگرے سے آ گئے۔ اچھا ہوا۔ ماں تو غریبوں کی ہے ہی نہیں، اپنے دادا دادی پاس آرام سے رہیں۔

میاں نصیر الدین بھی شاعر ہوئے ہیں۔ آپ نے تخلص ان کو کیا دیا ہے۔ مجھ کو اطلاع دیجیے۔

بیگم کا حال تمہاری تحریر سے معلوم ہوا کہ اکثر بیمار ہو جاتی ہے۔ خدا اس کا حافظ ہے۔ پڑھنے میں اس پر شدت نہ کیا کرو۔ اس محنت کو اس پر سہل کر دو۔ عورتوں کو علم اتنا ہی کافی ہے کہ حرف شناس ہوں اور کلام مجید ناظرہ درست پڑھ لیں۔ خدا اس کو جیتا رکھے۔ سوادِ حرف شناسی ہو گیا ہے۔ قرآن پڑھ لے گی۔ شدت نہ کرو۔

حسین علی اچھا ہو گیا مگر صلابتِ معدہ اور فمِ معدہ کی، ہاں ورم باقی ہے۔ کئی دن کے

بعد کل پھر تپ چڑھ آئی۔ آخرِ شب تپ اُتری۔ آج اچھا ہے۔ کل دیکھوں کیا ہو۔ اُس کا حقیقی دادا یعنی زین العابدین خاں کے والد اور میرے ہم زلف نواب غلام حسین خاں مر گئے۔ بہت افسوس کی بات ہے۔ یہ شخص بہت صاحبِ مروت اور صاحبِ مہر و محبت تھا۔

یکشنبہ پنجم نومبر ۱۸۵۴ء   اسد

(۴۹)

بھائی صاحب!

السلام علیکم۔ حق تعالیٰ تم کو اور تمھارے بچوں کو سلامت رکھے۔ منشی عبداللطیف کا ضعفِ دل و دماغ گویا خلقی ہے اس کی فکر زیادہ نہ کرو۔ نوشدارو خمیرہ گاؤزبان۔ خمیرۂ ابریشم۔ دواء المسک۔ اس طرح کے مرکبات کا استعمال چلا جائے۔ نہ علی الدوام بلکہ گاہ گاہ۔

یہاں کا حال تازہ یہ ہے کہ میاں ذوق مر گئے۔ حضور والا نے ذوقِ شعر و سخن ترک کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ شخص اپنی وضع کا ایک اور اس عصر میں غنیمت تھا۔

نظم و نثر نواب ضیاءالدین احمد خاں نیّر تخلص پہنچی ہے۔ طبع معنی یاب و زبان نکتہ سنج رکھتے ہیں۔ خوب لکھتے ہیں۔

سب کو میری دعا پہنچے اور سب کی خیر و عافیت مجھ کو لکھو خصوصاً بیگم کی خیر و عافیت۔

والسلام

روز پنجشنبہ ۲۳ نومبر ۱۸۵۴ء   از اسداللہ

(۵۰)

بھائی صاحب!

خدا کے واسطے ماجرا کیا ہے۔ نہ تو اپنی اور اپنے بچوں کی خیر و عافیت لکھتے ہو نہ میری زیست کی خبر پوچھتے ہو۔ نواب ضیاءالدین خاں کی نظم و نثر کے اوراق حسب المطلب تمھارے بھیجے۔ اُس کی رسید بھی نہیں۔ یہ تو صورت انقطاعِ محبت کی سی ہے۔ گمان کرتا ہوں

کہ دورے کا سفر ہو گا، اِس صورت میں بھی تو تم مجھ کو خط بھیجا کرتے تھے۔ کثرتِ کاروبار نئی بات نہیں۔ کیا عدالتِ دیوانی اور پرمٹ اور کمشنری یہ تینوں محکمے بھی آپ ہی کے سپرد ہو گئے۔ منشی ہرگوپال بھی کول میں نہیں کہ جو اُن کی تحریر سے تمھارا حال معلوم ہو۔ مجھ کو علمِ غیب نہیں۔ اشراقِ ضمیر نہیں کہ یہاں بیٹھا ہوا تمھارا حال دریافت کر لوں۔ ایک ذرا ہوش میں آؤ۔ اور اپنی مع اپنے متوسلوں کے خیریت لکھ کر بھیجو۔ سب کا حال نام بہ نام لکھو۔

خدا جانے عبداللطیف کیسا ہے۔ بیگم کیسی ہے اور لڑکے بالے کیسے ہیں۔ تمھارا کیا حال ہے۔ گھر میں کس طرح ہیں۔ میں سب کو دعا کہتا ہوں اور حسین علی تم کو بندگی کہتا ہے۔

۸ دسمبر ۱۸۵۴ء　　　　اسد

(۵۱)

بھائی!

خدا کے واسطے، رسول کے واسطے، منشی عبداللطیف کی خیر و عافیت لکھو۔ تفتہ بھی وہاں نہیں جو تمھارا حال لکھتے رہیں اور میں تمھارا محتاج نہ رہوں۔ رات بھر مجھ کو بے چینی رہتی ہے اور تمھارے خط کے نہ آنے کا خیال اور عبداللطیف کی بیماری کے تصور میں ملال رہتا ہے۔ یارب! آج آخرِ روز جو وقت ڈاک کے ہرکاروں کے آنے کا ہے، قاصد آجائے اور تمھارا خط لائے اور اس میں خیر و عافیت عبداللطیف کی خصوصاً اور اوروں کی عموماً مندرج ہو۔

قلعے کو سوار ہوتا ہوں یہ رقعہ لکھ کر کہار کو دے چلا ہوں۔ وہ ڈاک میں ڈال آئے گا۔ زکیہ بیگم کو دعا پہنچے۔

نگاشتۂ یکشنبہ سی و یکم دسمبر ۱۸۵۴ء وقتِ صبح　　　　از اسداللہ

اس خط کا جواب قسم کھاتا ہوں۔ کہ اس سال میں نہیں آنے کا۔ یعنی ۱۸۵۵ء میں لکھو گے۔

(۵۲)

بھائی صاحب کا عنایت نامہ پہنچا۔ میرا خط نہ لکھنا تغافل و تساہل سے نہ تھا۔ آپ اپنے

دورے کا جانا لکھ چکے تھے۔ میں چاہتا تھا کہ جب آپ علی گڑھ آئیں اور مجھ کو اطلاع دیں تو میں خط لکھوں۔ حافظہ بیگم کو دعا پہنچے۔ حق تعالیٰ تم کو سلامت اور تندرست رکھے اور تیسوں سیپارے حفظ کرنے کی توفیق دے۔

منشی عبداللطیف کا حال معلوم ہوا۔ خدا پر نظر رکھو اور تقویت کی رعایت کیے جاؤ۔ لکھ چکا ہوں اور پھر لکھتا ہوں کہ جدوار بہت مفید ہو گی۔ اگر وہاں اچھی نہ ملے تو مجھ کو لکھ بھیجو۔ میں یہاں سے بھیج دوں۔

"مہر نیمروز" تمہارے پاس ہے، اب اور کیا کرو گے؟ اگر ایسی ضرورت ہے تو لکھ بھیجو، میں دو تین مجلد اور بھیج دوں۔

ان دنوں میں دو رباعیاں اردو میں لکھی ہیں۔ ان کو بہ نظرِ اصلاح دیکھو:

رُباعی

کہتے ہیں کہ وہ مردم آزار نہیں
عشاق کی پرسش سے اُسے عار نہیں
جو ہاتھ کہ ظلم سے اُٹھایا ہو گا
کیوں کر مانوں کہ اِس میں تلوار نہیں

ہم گرچہ ہوئے سلام کرنے والے
کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے
کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ
وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

مرسلہ پنجشنبہ ۱۸ جمادی الثانی ۱۲۷۱ھ
۸ مارچ ۱۸۵۵ء

از اسداللہ

پیر و مرشد!

مجھ پر عتاب کیوں ہے۔ نہ میں تم تک آسکتا ہوں، نہ تم تشریف لا سکتے ہو۔ صرف نامہ و پیام۔ سو آپ ہی یاد کیجیے کہ کتنے دن سے آپ نے اپنی اور بچوں کی خیر و عافیت نہیں لکھی۔

شیخ وزیر الدین پہنچے ہوں گے۔ مرزا احسن علی بیگ پہنچے ہوں گے۔ بارے فرمائیے کل سے رمضان المبارک تشریف لائے ہیں۔ کل دن بھر تو گرمی رہی اور شام سے پانی تو برف ہو گیا ہے اور ہوا کا یہ عالم ہے کہ رات کو میں نے رضائی اوڑھی تھی۔ اس ہوا کا اعتبار نہیں۔ ابھی منزل دُور ہے۔

ہاں صاحب میاں تفتہ ہم پر خفا ہو گئے ہیں۔ دو دو ہفتے سے اُن کا خط نہیں آیا۔ خدا جانے کہاں ہیں، کیا کرتے ہیں، کس شغل میں ہیں۔ آپ کو اگر اُن کا حال معلوم ہو تو مجھ کو بھی اطلاع دیجیے۔

ہم نے اپنے گھروں میں یہ رسم دیکھی ہے کہ جہاں لڑکا آٹھ سات برس کا ہوا اور رمضان آیا تو اس کو روزہ رکھواتے ہیں اور نماز پڑھواتے ہیں۔ مجھ کو شب کو یہ خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیگم کو اب کے سال آپ روزہ رکھوائیں۔ ابھی اُس کی عمر کیا ہے۔ نویں دسویں برس روزہ رکھوانا۔ بہ ہر حال اس حال سے مجھے آگاہی دو اور اپنے روزے و شغل ہر روزہ کا حال لکھو۔

منشی عبد اللطیف کا حال لکھو کہ وہ کیسے ہیں۔ روزہ ذرا سمجھ کر رکھیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ گرمی کی تاب نہ لائیں اور روزہ رکھ کر رنجور ہو جائیں۔

میری طرف سے سب کو دعا پہنچے اور حسین علی خاں کی طرف سے سب کو بندگی اور سلام، اور شاید جیسے عبد السلام اور بیگم ہے، اُن کو دعا پہنچے۔

نگاشتہ ۱۹ مئی ۱۸۵۵ء

۳ رمضان ۱۲۷۱ھ

از اسد اللہ

(۵۴)

بھائی صاحب!

کہیے کیا گرمی پڑتی ہے اور کیوں کر گزرتی ہے۔ خوب ہوا جو بیگم کو روزہ نہ رکھوایا۔ خدا کرے بخار کا آنا بھی موقوف ہو گیا ہو، مجھ کو اطلاع دیجیے گا۔ آپ نے اس خط میں لکھا کہ عبدالرشید کی بسم اللہ شعبان کے مہینے میں ہوگی۔ میں نہیں جانتا کہ عبدالرشید کون۔ ظاہرا عبدالسلام کو عبدالرشید سہو سے لکھ گئے ہو۔ اس کا بھی جواب لکھیے گا۔

منشی عبداللطیف صاحب احتیاط رکھیں اور روزہ نہ رکھیں، ورنہ خدا جانے طبیعت میں کیا فساد پیدا ہو جائے گا۔

واقعی میاں تفتہ دیوان کی نقل کر رہے ہیں اور لاہور بھیجیں گے۔ مجھ سے خفا ہیں۔ حکم تھا کہ اس دیوان کا دیباچہ لکھ۔ میں نے کہا: صاحب! تم ہر سال ایک دیوان لکھو گے۔ میں دیباچہ کہاں تک لکھا کروں گا۔ اس کے بعد انھوں نے خط نہیں بھیجا۔ میں بھی اُن کو خط نہ لکھوں گا اور دیکھوں کب تک مجھ کو یاد نہیں کرتے۔ دیباچہ لکھنا بھائی، کیا آسان ہے، کلیجہ کھرچنا پڑتا ہے۔ نثر کی فکر نظم سے کم نہیں۔ اس گرمی میں کہاں لکھوں، کیا لکھوں۔ ایک بار اُن کی خاطر کر دی اور ایک دیباچہ لکھ دیا۔ سو اس بار بھی اس کا صلہ مجھ کو یہ ملا تھا کہ آپ ناخوش ہو گئے تھے اور مجھ کو لکھا تھا کہ تو نے میری ہجو ملیح کی ہے۔ جب میں نے لکھا کہ: "بھائی تم میرے مقابل نہیں، میرے معارض نہیں، میرے یار ہو، شاگرد کہلاتے ہو، لعنت اُس یار پر کہ یار کی ہجو ملیح لکھے اور ہزار لعنت اُس استاد پر کہ اپنے شاگرد پر چشمک کرے اور اُس کی ہجو ملیح لکھے۔" تب کچھ شرمندہ ہو کر چپ ہو رہے تھے۔ تمھاری جان کی قسم، دیباچہ نہ لکھنا اس راہ سے نہیں ہے بلکہ مجھ میں اب دم باقی نہیں۔ خدا جانے میں جیتا کیوں کر ہوں۔ عید بقر عید نوروز کے قصائد، غور کرو، دو دو تین تین برس سے بالکل موقوف ہیں۔ غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ میرا عذر بجا اور اُن کا غصہ بے جا ہے۔ آپ کو معلوم رہے۔

زیادہ زیادہ۔

بیگم کی خیر و عافیت اور عبدالرشید اور عبدالسلام کا حال ضرور لکھیے اور میاں عبداللطیف کے روزے کا حال بھی لکھیے۔

حسین علی اچھا ہے اور لم یکن کے سورہ تک پہنچ گیا ہے۔

۹ رمضان، ۲۵ مئی ۱۸۵۵ء — از اسداللہ

(۵۵)

لو صاحب، اور تماشا سنو۔ آپ مجھ کو سمجھاتے ہیں کہ تفتہ کو آزردہ نہ کرو، میں تو اُن کے خط کے نہ آنے سے ڈرا تھا کہ کہیں مجھ سے آزردہ نہ ہوں۔ بارے جب تم کو لکھا اور تم نے بہ آئین مناسب اُن کو اطلاع دی تو انھوں نے مجھ کو خط لکھا۔ چنانچہ پرسوں میں نے اُس خط کا جواب بھیج دیا۔ تمھاری عنایت سے، وہ جو ایک اندیشہ تھا رفع ہو گیا۔ خاطر میری جمع ہو گئی۔ اب کون سا قصہ باقی رہا کہ جس کے واسطے آپ اُن کی سفارش کرتے ہیں۔ واللہ تفتہ کو میں اپنے فرزند کی جگہ سمجھتا ہوں اور مجھ کو ناز ہے کہ خدا نے مجھ کو ایسا قابل فرزند عطا کیا ہے۔ رہا دیباچہ، تم کو میری خبر ہی نہیں۔ میں اپنی جان سے مرتا ہوں:

گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل
کہاں کی رباعی، کہاں کی غزل

یقین ہے کہ وہ اور آپ میرا عذر قبول کریں اور مجھ کو معاف رکھیں۔ خدا نے مجھ پر روزہ نماز معاف کر دیا ہے، کیا تم اور تفتہ ایک دیباچہ معاف نہ کرو گے۔

عبدالسلام کی مکتب نشینی مجھ کو اور آپ کو اور اُس کے باپ کو مبارک ہو۔ مکتب نشینی کے باب میں سہو سے عبدالرشید لکھنا شگونِ نیک ہے یعنی یہ رشید ہو گا۔

منشی عبداللطیف کا حال سن کر جی خوش ہوا۔ حکیم ہو، ڈاکٹر ہو، اپنے کام سے کام ہے:

باید متاعِ نیکو از ہر دکاں کہ باشد

بھائی اس غریب کو بندِ تاہل میں پھنساتے ہو۔ بقائے نام کے واسطے خدا جیتا رکھے۔

عبدالسلام وکلثوم کافی ہیں! میں تو بھائی ابن یمین کا معتقد ہوں۔

مرد آں بہ کہ بدنیا نکند میل دو کار

بجہاں ہر کہ طلبگار سلامت باشد

زن نخواہد، اگرش دختر قیصر بدہند

دام نستاند، اگر وعدہ قیامت باشد

کہیں یہ نہ ہو کہ اس کا جی نہ چاہتا ہو اور تم زبردستی اس کو بلا میں پھنساتے ہو۔ اُس کے ہم رازوں سے اُس کا مافی الضمیر معلوم کر لو، اگر وہ بھی راضی ہے تو خیر، ورنہ میرے نزدیک تو جبر ہے۔

حسین علی اپنے دادا اور دادی کو بندگی اور بہن بھائی کو سلام کہتا ہے۔ بیگم کو میری دعا کہنا۔ منشی عبداللطیف کو پیشگی مبارک باد دینا، زیادہ کیا لکھوں۔

۱۷ رمضان ۱۲۷۱ھ و ۳ جون ۱۸۵۵ء ^۲ — از اسداللہ

(۵۶)

اَلحَمدُ لِلّٰہ کہ حرارت صومی اور حرارت یومی باہم رفع ہو گئیں۔ یاد کرو وہ ستائیس تاریخ کی رات جس کو شبِ قدر کہتے ہیں۔ عیاذاً باللہ وہ ہوائے گرم اور وہ تاریکی، یارے اب لُو نہیں چلتی۔ پُروا ہوا اگرچہ پانی کو بگاڑتی ہے، لیکن سرد تو ہے۔ دو ایک دن کچھ بوندیاں بھی پڑیں۔ ابر ہمیشہ موجود رہتا ہے۔

اب کے عید میں میں نے قصد قصیدے کا نہ کیا، بلکہ قطعہ و رباعی بھی نہیں۔ اُسی وقت دو تین شعر وہیں لکھ کر پڑھ دیے اور اُن کا مسودہ بھی نہ رکھا۔

منشی عبداللطیف سرتاسر رمضان کیسے رہے اور اب اُن کا کیا رنگ ہے اور اُن کے نکاحِ تازہ کی کیا خبر ہے۔

تم کو خبر دیتا ہوں کہ زین العابدین کی ماں یعنی دادی حسین علی خاں کی پنجشنبے کے دن

اٹھائیس رمضان کو مرگئی۔ زین العابدین کا بڑا بیٹا باقر علی خاں وہ بھی میرے پاس آگیا۔ دیکھتے ہو بھائی چرخ ستم گر کیا شعبدہ بازی کر رہا ہے۔ بوجھ پر بوجھ مجھ پر ڈال رہا ہے۔ زخم پہ زخم مجھ پر لگا رہا ہے۔ کچھ بن نہیں آتی۔ آمد وہی، مصارف بڑھ گئے۔ اگر مثلاً بے مروتی اور خدا نا ترسی کروں تو کیجیے، ان لڑکوں کو کس سے کہوں کہ تو اپنے لڑکوں کو سنبھال مجھ میں مقدور نہیں۔ بہ ہر حال چپ ہوں اور متحیر ہوں۔ خدا میری شرم رکھے۔

بیگم کو دعا کہو اور اُس کی خیر و عافیت مجھ کو لکھو۔ عبدالسلام و کلثوم کو دعا۔ نہ تنہا حسین علی بلکہ اُس کا بڑا بھائی باقر علی خاں دونو آپ کو بندگی کہتے ہیں۔

یہاں عید یکشنبہ کو ہوئی ہے۔

روز جمعہ ۲۳ جون ۱۸۵۵ء و ہفتم شوال ۱۲۷۱ھ — از اسداللہ

(۲۷)

بھائی جان!

منشی عبداللطیف کی شادی پہلے اُس پر، پھر اُس کے والدین پر اور اُس کی بہنوں پر اور بھائیوں پر مبارک ہو۔ پھر کہتا ہوں کہ خدا کرے یہ امر اُس کی خوشی اور رضامندی سے واقعہ ہوا ہو۔ زکیہ بیگم کی نسبت مبارک ہو۔

ہوا خوب ہوگئی ہے۔ مینہہ روز برستا ہے۔ یکم جولائی سے آج تک جھڑی کی صورت ہے۔ یقین ہے کہ وہاں بھی یہی موسم ہوگیا ہوگا۔

نہ کشت و زرع شناسیم و نے حدیقہ و باغ
زبہر بادہ طلب گارِ باد و بار اینم

اب کے آپ کا خط بہت انتظار کے بعد آیا۔ کئی دن سے چاہتا تھا کہ شکایت لکھوں۔ مینہہ فرصت نہیں دیتا تھا کہ آدمی ڈاک گھر جا سکے۔ بارے پرسوں آپ کا خط آگیا۔ کل

مینہہ برستا رہا۔ آج کچھ کھل گیا ہے۔ یعنی بارش نہیں ہے۔ قلعے بھی گیا اور تم کو بھی خط لکھا۔
والسّلام والاکرام۔

نگاشتۂ چاشت روز پنجشنبہ پنجم جولائی ۱۸۵۵ء — از اسداللہ

(۵۸)

بھائی صاحب!

مینہہ کا یہ عالم ہے کہ جدھر دیکھیے اُدھر دریا ہے۔ آفتاب کا نظر آنا برق کا چمکنا ہے۔ یعنی گاہے دکھائی دے جاتا ہے۔ شہر میں مکان بہت گرتے ہیں۔ اس وقت بھی مینہہ برس رہا ہے۔ خط لکھتا تو ہوں مگر دیکھیے ڈاک گھر کب جاوے۔ کہار کو کمل اُڑھا کر بھیج دوں گا۔

آم اب کے سال ایسے تباہ ہیں کہ اگر بہ مثل کوئی شخص درخت پر چڑھے اور ٹہنی سے توڑ کر وہیں بیٹھ کر کھائے تو بھی سڑا ہوا اور گلا ہوا پائے۔

یہ تو سب کچھ ہے مگر تم کو تفتہ کی بھی کچھ خبر ہے۔ تیمر سنگھ اُس کا لاڈلا بیٹا مر گیا۔ ہائے اُس غریب کے دل پر کیا گزری ہوگی۔

چہ کند بندہ کہ گردن نہ نہد فرماں را
چہ کند گوئی کہ تن در ندہد چوگاں را

تم اب خط لکھنے میں بہت دیر کرتے ہو۔ آٹھویں دن اگر ایک خط لکھتے رہو تو ایسا کیا مشکل ہے۔

یہاں دونوں لڑکے اچھی طرح ہیں۔ اب وہاں کے لڑکوں کی خیر و عافیت لکھیے۔

پنجشنبہ ۲۶ جولائی ۱۸۵۵ء — اسد

(۵۹)

عیاذاً باللہ۔ یہ سخت ماجرا ہے۔ منشی عبداللطیف کہاں اور میرٹھ کہاں۔ ایک صاحبزادہ نازپروردہ کہ یہ بھی نہ جانتا ہوگا کہ شہر میں اناج کا کیا بھاؤ ہے اور گوشت کیا سیر بکتا ہے۔

صبح اُٹھے اور باپ کے ہاں کی سواری پر چڑھے، کچہری چلے گئے۔ آئے تو اپنی بی بی بچوں میں مل کر روٹی کھالی۔ والدین سے مفارقت اور پھر خانہ داری کی مشقت۔ سواری رکھنی۔ تین آدمی سے کم میں کام نہ نکلے گا۔ نوکری ایسی کیا ہے کہ جس میں یہ مدارج طے کر کر کچھ بچ رہے صاحب، یہ صورت تو بہت بُری ہے۔ واللہ جتنا ملال تم کو ہوا ہے، اُس سے کم مجھ کو نہیں ہے۔ میں بھی اتنا ہی ملول ہوں۔ بارے اب اطلاع دیجیے کہ وہ کس تاریخ کو روانہ ہوں گے۔ ظاہرا یکم اگست سے اُس دفتر میں ملازم ہوئے ہوں گے۔

زکیہ بیگم کی خیریت لکھو۔ آنکھوں کی زردی اور حرارت جاتی رہی یا ابھی کچھ باقی ہے۔ باقر علی اور حسین علی دونوں خوش ہیں۔ تپ رفع ہوگئی۔ آپ عبداللطیف کا اور بیگم کا حال لکھیے۔

۴ ماہ اگست ۱۸۵۵ء اسد

(۶۰)

حضرت!

بہت دن سے حال تمھارا اور بچوں کا اور خصوصاً منشی عبداللطیف کا معلوم نہیں۔ آج صبح کو گھبرا کر تم کو یہ خط لکھتا ہوں۔ خدا کرے شام کو ڈاک کا ہرکارہ تمھارا خط لائے اور خیر و عافیت سب کی معلوم ہو جائے۔

نصیر الدین کو دعا پہنچے۔

ہم نے تمھارے اشعار ایک تذکرے میں دیکھے اور جانا کہ تم چھُپے رستم ہو۔ اپنے شعر ہم سے اس لیے چھُپائے ہوں گے کہ یہ مضمون چُرا نہ لے۔

بیگم کو دعا پہنچے۔ عبدالسلام اور کلثوم کو دعا پہنچے۔ جلد سب کی خیر و عافیت لکھیے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

یکشنبہ ۱۶ ستمبر ۱۸۵۵ء از اسد

پیر و مرشد!

بات کو بھی سمجھتے ہو یا یوں ہی شکوہ کرنے کو موجود ہو جاتے ہو۔ میں نے قصیدہ لکھنا موقوف کیا۔ موقوف کیا کیا، مجھ سے لکھا ہی نہیں جاتا۔ قطعہ یا رباعی عیدین کو لکھ کر نذر کر دیتا تھا۔ اب کے حکیم صاحب نے بہت شدت کی اور کہا کہ صاحب یہ تو نذرِ عید نہ ہوئی۔ جیسے معلم لڑکوں کو عیدی کے دو شعر لکھ دیتے ہیں، یہ تو ویسی عیدی ہے۔ ناچار میں نے یہ مثنوی کی روش پر چالیس بیالیس بیت لکھ کر نذر کر دی۔ اگر اپنے دیوان کے حاشیے پر یہ شعر چڑھائے ہوں تو قسم لے لو۔ یہ ہے کیا کہ میں تم کو بھیجتا۔ افسوس ہے کہ تم کو میرے حال کی خبر نہیں، اگر دیکھو تو جانو:

جس دل پہ ناز تھا مجھے، وہ دل نہیں رہا

کوئی دم ایسا نہیں ہے کہ مجھ کو دمِ واپسیں کا خیال نہ ہو۔ ساٹھ برس کا ہو چکا۔ اب کہاں تک جیوں گا۔ غزل، قصیدہ، قطعہ، رباعی، فارسی، اردو دس ہزار بیت کہہ چکا، اب کہاں تک کہوں گا۔ زندگی بری بھلی جس طرح بنی، کاٹی۔ اب فکر یہ ہے کہ دیکھیں موت کیسے ہوتی ہے۔ اور بعد موت کے کیا درپیش آتا ہے:

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

نہ بھیجنا ان اشعار کا صرف افسردگی سے تھا، گویا یہ شعر کہے ہی نہیں۔ دیوان میں رکھتا اور تم کو نہ بھیجتا اس کے معنی کیا جب دیوان ہی میں نہ رکھے تو تم کو کیا بھیجوں۔

منشی عبداللطیف کا جو حال میں سمجھا ہوا تھا، وہ ہی تم نے لکھا۔ اُس کا وہاں دل نہ لگنا اور مشاہرے کا مصارفِ ذات کو کافی نہ ہونا اور تمہارا اور اُس کی والدہ کا بے چین رہنا، یہ سب ایسے امور نہیں ہیں کہ بغیر تمہارے لکھے خیال میں نہ ہوں۔ بھائی روزگار پیشگی میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ترقی مراتب کا امیدوار رہنا چاہیے۔ کاش عبداللطیف کی نوکری عدالتِ دیوانی میں ہوتی تو

یہ دو مہینے تعطیل کے اپنے گھر میں رہتا۔

نصیر الدین کا حال معلوم ہوا۔ میں نے ہنسی سے لکھا تھا ورنہ میں جانتا تھا کہ شعر تمھارے ہیں۔ پلنگ کے پائے ڈھونڈتا ہوں۔ یقین ہے کہ مل جائیں گے، مگر یہ لکھو کہ شادی کس مہینے میں قرار پائی ہے۔ اس کی ضرور اطلاع دو۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں۔ لڑکوں کو دعا اور لڑکوں کی طرف سے بندگی۔

محررۂ دوشنبہ ۲۴ ستمبر ۱۸۵۵ء　　　　　　　　از اسد اللہ

(۶۲)

بھائی!

تمھارا غصہ میرے سر آنکھوں پر، واللہ یہ نہیں ہے جو تم سمجھے ہو۔ البتہ یہ خیال تو مجھ کو آیا کہ دیکھو بھائی کو میرے کلام سے انس نہیں ہے، ورنہ ایسی چیز کو ہاتھ سے نہ دیتے۔ نہ یہ کہ اس کا دینا باعث اس کا ہوا ہو کہ اور نسخہ تم کو نہ بھیجوں۔ چھاپے خانے والوں نے سوداگروں کے ہاتھ بہ طریق پیشگی سو سو دو دو سو مجلد بیچ ڈالے تھے۔ چھاپے خانے سے جو میں نے منگایا تو مجھ کو نہ ملا۔ اب متفرق کتاب فروشوں سے کہہ دیا ہے۔ کوئی نسخہ ہاتھ آیا اور میں نے بھیجا۔ میرا تو یہ حال ہے کہ جو کچھ میں نے کہا، پھر جب تک تمھارے پاس نہ بھیج لوں، مجھ کو چین نہیں آتا۔ تم کو سخن فہم جانتا ہوں۔ رات کو ایک غزل کئی برس کے بعد لکھی ہے، اب صبح دم تم کو لکھتا ہوں۔ خدا کے واسطے غور کرنا کہ غزل اس کو کہتے ہیں۔

عید کی مثنوی صرف روپیے بچانے کی تھی یعنی اگر وہ نہ ہوتی تو مجھ کو چار روپیے نذر دینے پڑتے۔ جب مسودوں میں نہ رکھوں اور دیوان میں نہ لکھوں تو حضرت کو کیوں بھیجوں۔

پلنگ کے پائے ڈھونڈ رہا ہوں۔ خاطر عاطر اس طرف سے جمع رہے۔ لو غزل سنو، مگر غور سے دل لگا کر۔ اس کی نقل جہاں چاہو وہاں بھیجو:

اے ذوقِ نواسنجی بازم بخروش آور
غوغائے شبخونے، بر بنگہ ہوش آور

گر خود نجہد از سر از دیدہ فرو بارم
دل خوں کن و آں خوں را در سینہ بجوش آور

ہاں ہمدم فرزانہ دانی رہِ ویرانہ
شمع کہ نخواہد شد از باد خموش آور

شورابۂ ایں وادی تلخست اگر راوی
از شہر بسوئے من سرچشمۂ نوش آور

دانم کہ زرے داری ہر جا گزری داری
مے گر ندہد سلطاں از بادہ فروش آور

گر مغ بکدو ریزد بر کف نہہ و راہی شو
ور شہ بسبو بخشد بردار و بدوش آور

ریحاں دمد از مینا رامش چکد از قلقل
آں در رہِ چشم افگن ایں از پئے گوش آور

گاہے بہ سبکدستی از بادہ زخویشم بر
گاہے بہ سیہ مستی از نغمہ بہ ہوش آور

غالبؔ کہ بقایش باد ہمپائے تو گر ناید
بارے غزلے فردے زاں موبہ پوش آور

۳ اکتوبر ۱۸۵۵ء

(۶۳)

بھائی صاحب!

کئی خط اس عرصے میں تم کو لکھے، مگر جو لکھنا تھا وہ بھول گیا۔ پلنگ کے پائے مسلّم، لیکن

یہ تم نے نہیں لکھا کہ پائے بڑے پلنگ کے ہوں یا چھوٹی سی پلنگڑی کے ہوں مقدارِ مالیت تو معلوم مگر اندازہ پستی و بلندی کا نہیں معلوم۔ اِس کا لکھنا ضرور ہے۔ ضرور لکھو اور جلد لکھو۔

بھائی کل خط مرزا تفتہ کا آیا۔ انھوں نے کچھ قطعے اصلاح کے لیے بھیجے ہیں۔ از انجملہ دو قطعے تمھاری مدح اور اظہارِ محبت میں ہیں۔ ایک مجھ کو بہت پسند آیا۔ وہ تم کو لکھتا ہوں:

دگر کہ گریہ کند سر بمرگ ماز نیساں
دگر کہ از لبش انگوبہ ہای و ہو بچکد
بود حقیر بہ فنِّ محبت، آں یکتا
کہ خوں شود دل ماوز چشم او بچکد

چوتھے مصرعے میں کیا خیالِ نازک ہے۔ خدا اِس عزیز کو جیتا رکھے اور اِس کے حال پر رحم کرے۔ جواب طلب۔

سہ شنبہ نہم اکتوبر ۱۸۵۵ء　　　　از اسد اللہ

(۶۴)

یا الٰہی! کس کس پر رشک کروں۔ مال و دولت، جاہ و شوکت پر تو میں کسی کا بھی حاسد نہیں ہوا۔ شیخ وزیر الدین برادر مرزا حسن علی بیگ رسالدار پر حسد کیوں کر نہ کروں کہ میرے بھائی کو دیکھتے ہوئے اور اُن سے باتیں کرتے ہوئے آئے ہیں۔ مقصود اس نگارش سے یہ ہے کہ دونوں صاحب جدا جدا آئے اور آپ کی خیر و عافیت اُن سے معلوم ہوئی۔ شیخ وزیر الدین کچھ "مہرِ نیم روز" کے مقدمے میں کہتے تھے، مگر میں جو بہرا ہوں تو کچھ سمجھا نہیں کہ وہ کیا کہتے تھے۔ شاید یہی کہتے ہوں گے کہ جو اب پھر چھاپی جائیں تو ایک نسخہ منشی صاحب کو اور بھیجنا۔

عبد السلام کو میں از راہِ نسیاں بہت چھوٹا سمجھا ہوا تھا۔ اب شیخ جی کے اظہار سے معلوم ہوا کہ وہ باتیں کرتا ہے اور حسین علی کے برابر ہے۔ اُن کے کہنے سے مجھ کو یاد آیا کہ کم و بیش چار برس کا ہوا ہوگا۔ یقین ہے کہ اب بسم اللہ بھی ہو اور وہ پڑھنے بیٹھے۔ اُس کی مجھ کو اطلاع

دیکھے گا کہ بسم اللہ اُس کی کب ہوگی؟

بیگم کو دعا کہہ دینا۔ یقین ہے کہ اب پانچواں سیپارہ شروع کیا ہوگا یا شروع کرے۔

یہاں کے سب حالات بہ دستور ہیں۔ حکیم نورالدین صاحب اور اُن کے بھائی حکیم نصیرالدین اور حکیم مہر علی وغیرہ یہاں آئے تھے۔ نواب زینت محل بیگم کے حقیقی ماموں امین الرحمن خاں اُن کے مُرید ہیں۔ اُن کے بیٹے کی شادی کی تقریب میں آئے تھے۔ انہی کے ہاں اترے تھے۔ میں ایک دن حکیم نورالدین صاحب سے ملنے گیا۔ قضارا وہ تو تھے، مگر حکیم نصیرالدین اور مہر علی اُن میں سے کوئی نہ تھا۔ بادشاہ سے دو ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک تو خواجہ صاحب کی درگاہ میں اور ایک جس دن حکیم صاحب اکبر آباد جاتے تھے۔ حسب الطلب حضور قلعے میں گئے اور بادشاہ سے مل کر رخصت ہوکر اپنے شہر کو تشریف لے گئے۔ حکیم صاحب عابد و زاہد آدمی ہیں۔ صلحا میں ہیں، فقرا میں نہیں ہیں۔ حلقہ اور توجہ اور مراقبہ اور مکاشفہ اور اذکار اور اشغال اور مسائلِ توحید و تصوف کا بیان۔ یہ باتیں بالکل نہیں ہیں۔ صرف اُوراد پر مدار ہے۔ تعلیم و تلقین بھی شاید اُوراد ہی کی ہو۔ ذکر شغل کا ذکر ہی نہ ہو۔ بہ ہر حال خوش اوقات آدمی ہیں اور غنیمت ہیں۔

لو بھئی اب آٹھ بج گئے، نو بجا چاہتے ہیں۔ تم کچہری جاؤ، میں قلعہ ہو آؤں۔ یار باقی صحبت باقی۔ السلام علیکم و علیکم السلام

سنہ ۱۸۵۵ء

(۶۵)

بندگی عرض کرتا ہوں۔ یہاں آج بدھ کا دن تیسری جون کی شہر کے حساب سے انتیس رمضان کی ہے اور پانی پت کرنال کے آئے ہوئے خطوط کی رو سے تیس ہے۔ بہ ہر حال کل عید ہے۔ تم کو اور تمہارے بچوں کو مبارک ہو۔ بیگم مگر دائر سائر ہے۔ کبھی اکبر آباد کبھی مرسان۔ دائر سائر کا سال بھر میں ایک دورہ ہوتا تھا۔ یہ غریب شاید چار مہینے کول میں آرام سے نہ رہتی ہوگی۔ منشی عبداللطیف کی تنہائی نے یہ تقریب پیدا کی کہ سب لوگ اکبر آباد چلے گئے۔

عَرَفتُ رَبّی بِفَسخِ العَزائم۔

"مہر نیم روز" آپ کو مبارک۔ مول لیجیے اور احباب کو بھیجیے۔ میں ایسی خرافات کا مشتاق نہیں جو آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ اگر تو کہے تو میں تجھ کو بھی نہ بھیج دوں۔ ستیاناس جائے اُس کتاب فروش کا کہ جو یہ رسالے کو ل لے گیا اور آپ نے مجھ کو طعنہ دیا۔ بھائی یہ تو میں جانتا ہوں کہ یہ تم نے میرے چھیڑنے کو لکھا ہے، ورنہ وہاں یہ نسخے نہ پہنچے ہوں گے۔ اگر کسی دوست کے واسطے تم کو درکار ہو تو ایک آدھ نسخہ میں بھیج دوں۔ خفا نہ ہو مجھ کو لکھ بھیجو۔

حضرت تم تفتہ کا حال کیا لکھتے ہو۔ اب تفتہ تفتہ نہیں از خود رفتہ ہے۔ خدا اس کو جیتا رکھے! یہ شخص بھی غنیمت ہے۔ بڑا صدمہ اٹھایا ہے۔

گرمی کی کیوں شکایت کرتے ہو۔ اب کے سال نہ آگے کی سی گرمی پڑی نہ لو چلی اور اب پانچ چار دن سے تو خاصی سردی پڑتی ہے کہ اقویا رات کو رضائی اور ضعفا لحاف اوڑھتے ہیں۔ ہوا سرد، پانی سرد ظاہرا کہیں اولے پڑے ہیں ورنہ اس موسم میں یہ سردی کہاں۔ مگر یہ سردی مہمان ہے۔ ابھی جوزا کا آفتاب ہے۔ دن بڑھتا جاتا ہے۔ اس عارضی سردی کے رفع ہونے کے بعد گرمی پڑے گی۔ بہ ہر حال ان دنوں میں یہاں شدت امراض کی نہیں۔ شہر میں امن وامان ہے

تمھارے دونوں بچے باقر علی خاں و حسین علی خاں اچھے ہیں۔ دن بھر میں تین چار بار روزہ کھولتے ہیں اور افطار کے وقت روزہ داروں کے حلق کے دربان بن جاتے ہیں۔

بیگم وغیرہ کے اکبر آباد سے آنے کی خبر لکھتی ہوگی۔

۴ جون ۱۸۵۶ء غالب

(۶۶)

بھائی صاحب!

شکر ہے خدا کا کہ تمھاری خیر و عافیت معلوم ہوئی۔ تم بھی خدا کا شکر بجا لاؤ کہ میرے ہاں بھی اس وقت تک خیریت ہے۔ دونوں لڑکے خوش ہیں۔ آم آم کرتے پھرتے ہیں۔ کوئی اُن

کو نہیں دیتا۔ اُن کی دادی کو یہ وہم ہے کہ پیٹ بھر روٹی اُن کو کھانے نہیں دیتی۔

یہ تم کو یاد رہے کہ ولی عہد کے مرنے سے مجھ پر بڑی مصیبت آئی، بس اب مجھ کو اس سلطنت سے تعلق بادشاہ کے دم تک ہے۔ خدا جانے کون ولی عہد ہوگا۔ میرا قدر شناس مر گیا، اب مجھ کو کون پہچانے گا۔ اپنے آفریدگار پر تکیہ کیے ہوئے بیٹھا ہوں۔ سرِدست یہ نقصان کہ وہ زین العابدین خاں کے دونوں بیٹوں کو میوہ کھانے کو دس روپے مہینا دیتے تھے، اب وہ کون دے گا۔

دو دن سے شدتِ ہوائے وبائی کم ہے۔ مینہ بھی برستا ہے۔ ہوا ٹھنڈی چلتی ہے۔ اِنشاءاللہ تعالیٰ بقیہ آشوب بھی رفع ہو جائے گا۔

تم اپنے شہر کا حال لکھو۔ اور بچوں کی خیر و عافیت بھیجو۔

جب تک یہ ہوا ہے ہر یکشنبے کو خط لکھا کرو۔ میں بھی ایسا ہی کروں گا کہ ہر ہفتے میں ایک بار تم کو خط لکھتا رہوں گا۔

منشی عبداللطیف کو میری دعا کہو اور یہ کہو کہ کیوں صاحب میرٹھ سے کول سے کبھی ہم کو خط نہ لکھا۔ باقی اور سب لڑکوں لڑکیوں کو دعا کہہ دینا۔ بیگم کو خصوصاً۔

یکشنبہ ۲۷ جولائی ۱۸۵۶ء   از غالب

(۶۷)

بھائی صاحب!

خط کے نہ پہنچنے کی شکایت کے کیا معنی۔ شنبے سے جمعے تک کو ہفتہ گنتا ہوں۔ سو اِس ہفتے میں خط بھیج چکا۔ اب کے ہفتے میں جمعے تک مجھ کو اختیار ہے۔ کل منگل کو آپ کا خط آ گیا۔ بعینہٖ یہاں بھی وہی حال ہے جو وہاں ہے۔ وبا کم اور ......! بہت۔ کل سے صورت آفتاب کی نظر آنے لگی وہ اس طرح:

دیدار مے نمائی و پرہیز مے کنی

نظر آیا اور چھپ گیا۔

تپ کی بڑی شدت ہے۔ دونوں لڑکوں کو تپ آتی ہے۔ بڑے کو اتوار سے کہ آج بدھ چوتھا دن ہے۔ چھوٹے کو پیر سے کہ آج تیسرا دن ہے۔ مغلانی متوفیہ کی جگہ جو مغلانی رکھی گئی تھی وہ تپ زدہ ہوکر سراسیمہ اپنے گھر گئی۔ میرا ایک خدمت گار غلام حسین نام تپ میں بے خود پڑا ہے۔

منشی عبداللطیف کا یہاں ہونا سن کر جی خوش ہوا۔ میری دعا کہنا۔ اب تو میرٹھ میں بھی وہ شدت نہیں ہے۔

زکیہ بیگم کو دعا کہنا اور میری طرف سے اور اُس کی چچی یعنی میری بی بی کی طرف سے پیار کرنا۔

میاں نصیرالدین کو دعا پہنچے۔ باقی خیر و عافیت ہے۔

چارشنبہ ۲۰ ماہ اگست ۱۸۵۶ء[۱] غالب

(۶۸)

بھائی صاحب!

یکشنبے کا لکھا ہوا خط پرسوں دوشنبے کو یہاں پہنچا۔ عزیزوں کی سلامتِ حال پہ خدا کا شکر بجا لایا۔ آج منگل کے دن میں آپ کو خط لکھتا ہوں۔ ہر ہفتے میں ایک خط لکھوں اور ایک تم لکھو۔ تمھارے واسطے یکشنبے کی قید ہے۔ میں یکشنبے کا پابند کیوں رہوں۔ منگل بدھ کو میں بھیجا کروں، اتوار کو تم بھیجا کرو۔

یہاں ہوائے وبائی بہ دستور ہے۔ لوگ مرتے ہیں مگر وہ شدت نہیں۔

یکشنبے کے دن ابر آیا۔ دن بھر بوندا باندی رہی۔ آدھی رات سے زور کا مینھ برسا۔ پیر کے دن دوپہر تک برابر موسل دھار پانی پڑا۔ کل دوپہر سے مینھ برسنا موقوف ہے۔ ابر موجود ہے۔ میں اور بی بی اور دونوں لڑکے خیر و عافیت سے ہیں۔ حق تعالیٰ تم کو اور تمھاری بی بی کو اور بچوں کو خیر و عافیت سے رکھے۔

میرٹھ کا حال معلوم ہوا۔ پروردگار اپنے بندوں کا حافظ ہے۔

ہاں صاحب تم تفتہ کی خبر نہیں لکھتے۔ آیا وہ وہاں ہیں یا نہیں۔ اب کے بھیجنے کو جو خط لکھو تو لڑکے بالوں کی خیر و صلاح کے بعد اُن کا بھی ذکرِ خیر لکھو۔ سب کو دعا سلام کہو۔

سہ شنبہ پنجم اگست ۱۸۵۶ء

(۶۹)

بھائی صاحب کو سلام اور حسنِ اہتمام شادی کی اور مع الخیر معاودت کی مبارک باد۔ ہنسی آتی ہے۔ مگر اکیلا کیا ہنسوں۔ واہ سُبحانَ اللہ! کیا دلہن اور کیا اُس کی چائے (کذا) خدا جیتا رکھے۔ حضرت آپ کا بھائی بن کر میں بھی مثل آپ کے عدیم الفرصت بن گیا۔

بیس بائیس دن سے حضور والا روز دربار کرتے ہیں۔ آٹھ نو بجے جاتا ہوں۔ بارہ بجے آتا ہوں۔ یا روٹی کھانے میں ظہر کی اذان ہوتی ہے یا ہاتھ دھوتے ہیں۔ سب ملازمین کا حال یہی ہے اور کوئی روٹی کھا کر جاتا ہوگا۔ مجھ سے بعد کھانا کھانے کے چلا نہیں جاتا۔ یہ تو جو کچھ تھا سو تھا۔ پرسوں سے ازراہِ عنایت حکم دیا ہے کہ شام کو ریتے میں لبِ دریا پتنگ بازی ہوتی ہے تو بھی سلیم گڑھ پر آیا کر۔ خلاصہ یہ کہ صبح کو جاتا ہوں، دوپہر کو آتا ہوں۔ کھانا کھا کر پانچ چار گھڑی دم لے کر جاتا ہوں، چراغ جلے آتا ہوں۔ بھائی تمھارے سر کی قسم۔ رات کو مزدوروں کی طرح تھک کر پڑ رہتا ہوں۔ آج چوتھے دن تمھارے خط کا جواب لکھنے کی فرصت پائی ہے۔ سو فرصت کیا۔ کھانا کھا کر لیٹا نہیں، تم کو خط لکھا۔

میر قاسم علی خاں لکھنؤ سے آئے ہیں۔ کہتے تھے کہ کول میں منشی جی کے مکان پر گیا تھا۔ اُن کے آدمی کہتے تھے کہ وہ کل آئیں گے۔ میں نے اُن سے کہہ دیا کہ مجھ کو اُن کا خط آیا ہے وہ کول آگئے اور بیگم کی شادی سے فرصت پائی۔ یقین ہے کہ وہ بھی تم کو خط لکھیں گے۔

منشی عبداللطیف کو دعا کہنا اور اُن کی میرٹھ کی روانگی کی مجھ کو اطلاع دینا اور جب بیگم آجائے تو اُس کے آنے کی بھی خبر لکھنا۔

روز چار شنبہ ۹ دسمبر ۱۸۵۶ء وقتِ نمازِ ظہر

از اسد اللہ

بھائی صاحب!

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ حال معلوم ہوا۔ میاں کا عذر مقبول و مسموع۔ حق تعالیٰ اُن کو زندہ اور تندرست اور خوش و خرم رکھے اور دولت و اقبال عطا کرے۔ بالفعل جناب مرزا حاتم علی صاحب کا خط آیا۔ انھوں نے جو صورت چھپے کتابوں کی آرایش کی حسب تفریق سے ٹھہرائی ہے وہ مجھ کو بہت پسند آئی ہے۔ کل میں نے اُن کو اجازت اسی طرح کی تزئین کی لکھ بھیجی ہے۔ حال تصحیح کا بہ تصریح آپ کو لکھ چکا ہوں، اُسی پر عمل رہے۔ میں نے مرزا تفتہ کو کہ وہ "غیاث اللغات" کے بہت معتقد ہیں، اس امر کی اطلاع کردی ہے۔

بھائی جان! میں نے ایک قصیدہ جناب ملکۂ معظمہ انگلستان کی مدح میں لکھا ہے۔ ساٹھ شعر ہیں۔ چھ صفحے یعنی تین ورق پر چھپ کر "دستنبو" سے پہلے شیرازے میں شامل کر دیے جائیں تو کتاب کو قصیدے سے عزت اور قصیدے کو کتاب کے سبب سے شہرت حاصل ہو جائے گی۔ کل جناب مرزا صاحب کو یہ لکھ چکا ہوں۔ یقین ہے کہ وہ بھی آپ سے کہیں گے اور آپ اور مرزا صاحب اور مرزا تفتہ اور منشی شیو نرائن صاحب اس خواہش کو منظور اور اس قاعدے کو مقبول کریں گے اور جب بہ اتفاق تم چاروں صاحب پسند کر و گے تو گویا بہ اجلاس کونسل اس قانون کا اجرا منظور ہو جائے گا اور امیدوار ہوں کہ اجرائے قانون سے پہلے مجھ کو منظوری کی اطلاع ہو جائے تاکہ مسودہ اُس قصیدے کا یہ بھیج دوں۔ یہ مہتمم مطبع کو اگر کچھ تامل ہو تو ہو ورنہ بات آسان ہے۔

منشی عبداللطیف کو دعا کہنا اور اُن کے عذر کے مقبول ہونے کی اُن کو اطلاع دینا۔ بیگم کو دعا پہنچے اور سب لڑکے بالوں کو۔ یہاں باقر علی اور حسین علی تم کو بندگی اور اپنے بھائی بہنوں کو علیٰ قدر مراتب بندگی سلام دعا کہتے ہیں۔

ہاں حضرت، اب ایک امر مختصر کے واسطے جداگانہ خط مرزا تفتہ کو کیا لکھوں، میری طرف سے دعا کہہ کر اُن کو کہیے گا کہ اخبار گذشتہ کے اوراق مع خط مہتمم مطبع آفتاب عالم تاب حکیم صاحب

کو پہنچ گئے۔ کل وہ چار روپیے کی ہنڈوی اور اُن کے خط کا جواب روانہ کریں گے۔ آپ بہتر بھوج سہائے سے کہہ دیجے گا اور تاکید کر دیجے گا کہ چار نمبر سابق کا منتخب کاتب سے نقل کروا کر جلد بھیجیں۔

بھائی! مجھ کو اس مصیبت میں کیا ہنسی آتی ہے کہ یہ ہم تم اور مرزا تفتہ میں مراسلت گویا مکالمت ہو گئی ہے۔ روز باتیں کرتے ہیں۔ اللہ اللہ، یہ دن بھی یاد رہیں گے۔ خط سے خط لکھے گئے ہیں۔ مجھ کو اکثر اوقات لفافے بنانے میں گزرتے ہیں۔ اگر خط نہ لکھوں گا تو لفافے بناؤں گا۔ غنیمت ہے کہ محصول آدھ آنہ ہے ورنہ باتیں بنانے کا مزا معلوم ہوتا۔

جو باتیں جواب طلب ہیں اُن کا جواب طلب ہے۔

۲۲ ستمبر چہار شنبہ ۱۸۵۸ء

۳ صفر ۱۲۷۵ھ

تفضّل حسین خاں

(۱)

کیوں صاحب، یہ چچا بھتیجا ہونا اور شاگردی و استادی، سب پر پانی پھر گیا؟ اگر کوئی ہزار پانسو کی چیز ہوتی اور میں تم سے مانگتا تو خدا جانے تم کیا غضب ڈھاتے۔ میرا کلام خرید آٹھ دس روپیے کی، سو وہ بھی میں یہ نہیں کہتا کہ مجھ کو دے ڈالو۔ تم کو مبارک رہے۔ مجھ کو مستعار دو۔ میں اُس کو دیکھ لوں، جو میرے پاس نہیں ہے، اُس کی نقل کر لوں۔ پھر تم کو واپس بھیج دوں۔ اس طرح کی طلب پر، نہ دینا دلیل اس کی ہے کہ مجھ کو جھوٹا جانتے ہو۔ میرا اعتبار نہیں، یا یہ کہ مجھ کو آزار دینا اور ستانا بہ دل منظور ہے۔ وہ کتاب ابھی میرے آدمی کو دے دو۔ باللہ واللہ میں اُس میں سے جو میرے پاس نہیں ہے، نقل کر کے تم کو بھیج دوں گا۔ اگر تم کو واپس نہ دوں تو مجھ پر لعنت اور اگر تم میری قسم کو نہ مانو اور کتاب حاملِ رقعہ کو نہ دو تو تم کو آفریں۔

غالب

نواب سیّد محمّد یوسف علی خاں بہادر ناظم

(۱)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

آداب بجالاتا ہوں۔ غزلوں کے مسودات کو صاف کرکر حضور میں بھیجتا ہوں۔ مسودات اپنے پاس رہنے دیے ہیں، اس نظر سے کہ اگر احیاناً ڈاک میں لفافہ تلف ہو جائے تو میں پھر اس کو صاف کرکر بھیج دوں، ورنہ موقعِ حک و اصلاح مجھے کیا یاد رہے گا۔ ؎ میں نہیں چاہتا کہ آپ کا اسمِ سامی اور نامِ نامی تخلص رہے۔ ناظم، عالی، انور، شوکت، نیساں^۲، ان میں سے جو پسند آئے، وہ رہنے دیجیے، مگر یہ نہیں کہ خواہی نخواہی آپ ایسا ہی کریں۔ اگر وہی تخلص منظور ہو تو بہت مبارک۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو قیامت تک

روز یکشنبہ ۱۵ فروری ۱۸۵۷ء

عنایت کا طالب غالب

(۲)

جناب عالی!

کچھ کم مہینا ہوا کہ میں نے حضور کی غزلوں کو دیکھ کر خدمت میں روانہ کیا ہے اور اُس

کے پہنچنے سے اطلاع نہیں پائی۔ اب ڈاک میں خط تلف بھی ہو جایا کرتے ہیں، اس واسطے میں متردّد ہوں اور مدعا اس تحریر سے یہ ہے کہ اگر وہ لفافہ نہ پہنچا ہو تو میں اُس مسودے کو پھر صاف کر کر روانہ کروں۔

زیادہ حدِ ادب۔

نگاشتۂ صبح پنجشنبہ ۲۷ شعبان ۱۲۷۳ھ

۲۳ اپریل ۱۸۵۷ء [۱] از غالب

(۳)

جناب عالی!

آداب بجا لاتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ اجورہ دار پہنچا، مگر لُٹا ہوا اور بھیگا ہوا اور بھاگتا ہوا۔ گوجروں نے اُسے لوٹ لیا، روپیہ، ململ سب لے لیا، خط اُس دار وگیر میں گر پڑا، بھیگ گیا۔ لفافہ مجھ تک نہ پہنچا۔ خط مع ہنڈوی کے پہنچا۔ خط میں سے القاب بہ تکلف پڑھا اور یہ جملہ : "سفتجۂ مبلغ دو صد و پنجاہ روپیہ" پڑھا گیا اور باقی خیر و عافیت "مکرر آنکہ" اس کے بعد جو کچھ لکھا تھا، اُس میں سے "مولوی" یہ لفظ اور بعد ایک لفظ کے "خاں صاحب" یہ پڑھا گیا اور کچھ نہیں۔ مجھ کو غم یہ ہے کہ غزل ہائے اصلاحی اور دیوانِ اُردو کی رسید میں نے نہ پائی[۲]۔

ہنڈوی کا بعینہٖ وہ حال جو میرے خط کا تھا۔ کچھ پڑھا جائے، کچھ نہ پڑھا جائے۔ آپ کا نام اور "ڈھائی سو روپیہ" یہ پڑھا گیا۔ چونکہ مہاجن مجھ کو جانتا تھا، اُس نے اُس بھیگے ہوئے کاغذ کو اپنی چھٹی میں لپیٹ کر رام پور اُس مہاجن کے پاس بھیجا ہے جب وہ صحیح کر کر بھیجے گا، تب وہ مجھ کو روپیہ دے گا۔ اُس کے صحیح کرنے میں کیا تامل ہے۔ میں نے صرف بہ طریقِ اطلاع لکھا ہے اور غزلوں کی اور دیوان کی رسید اور جو اس خط میں "مکرر آنکہ" کے بعد مطالب مندرج تھے، وہ پھر ایسے ہی باریک کاغذ پر لکھ کر

اس ساہوکار کو دیجے گا اور اُس کو تاکید کیجے گا کہ اس کو بھیج دے۔ یہاں کے ساہوکار نے میری خاطر سے اس رقعے کو اپنی چِٹھی میں روانہ کیا ہے۔

پنجم ذی الحجہ ۱۲۷۳ھ

۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء

غالب

(۴)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

منشورِ عطوفت کے دیکھنے سے زندگی کی صورت نظر آئی۔ مخمس اور غزلوں کے پہنچنے کی اطلاع پائی۔ یہ بھی ایک بخشش کا بہانہ پیدا کرنا ہے، ورنہ حضور کے کلام کو اصلاح کی احتیاج کیا ہے۔ میری کیا سخنوری اور سخن سرائی ہے، آپ کی قدردانی بلکہ قدر افزائی ہے۔ تکلّف ہے اگر کہوں کہ تاقیامت رہو، بے تکلّف دعا یہ ہے کہ خدا کرے ایک سو بیس برس تک سلامت رہو۔

اِس قرینے سے کہ بہ سبب کم فرصتی کے اُن کا ملاحظہ نہ کرنا مرقوم ہوا، ریختے کے دیوان اور اس کتاب کا پہنچنا معلوم ہوا۔ دیوان کے دیکھنے نہ دیکھنے میں آپ کو اختیار ہے مگر یہ چار جزو کا رسالہ، جو اب بھیجا ہے اُس کا دیکھنا ضرور در کار ہے۔ فارسیِ قدیم اور پھر حسنِ معنی اور صنعتِ الفاظ، بایں ہمہ ہر امر کی احتیاط اور ہر بات کا لحاظ۔

جنابِ عالی! طرفہ معاملہ ہے خدا کا شکر ہے اور اپنی قسمت کا گلہ ہے۔ خدا کا شکر یہ کہ باوجودِ تعلقِ قلعہ کسی طرح کے جُرم کا، بہ نسبت میرے احتمال بھی نہیں۔ قسمت کا گلہ یہ کہ عطائے پنشنِ قدیم کا حکام کو خیال بھی نہیں۔ یہ نومبر ۱۸۵۸ء انیسواں مہینا ہے۔ گویا بِن کھائے جینا ہے۔ کہتے ہیں کہ جنوری شروعِ سال میں پنشنداروں کو روپیہ ملے گا۔ دیکھیے کیا نیا گل کھلے گا۔ پہلی نومبر کو یہاں اشتہارِ عام ہو گیا ہے کہ اب قلمروِ ہندوستان میں عملِ ملکۂ معظمۂ عالی مقام ہو گیا ہے۔ میں پہلے سے مدّاحوں میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں اور

وزرائے ملکۂ دارا دربان کے دو سارٹی فکٹ پا چکا ہوں۔ اگر اس اجمال کو بہ تفصیل معلوم کیا چاہیے، تو اسی کتاب موسوم بہ "دستنبو" میں دیکھا چاہیے۔

نگاشتۂ روزِ یکشنبہ ہفتم نومبر ۱۸۵۸ء　　　　خوشنودی کا طالب غالب

(۵)

خداوندِ نعمت بسلامت۔

جو آپ بِن مانگے دیں، اُس کے لینے میں مجھے انکار نہیں اور جب مجھ کو حاجت آپڑے تو آپ سے مانگنے میں عار نہیں۔

بارِ گرانِ غم سے لیست ہو گیا ہوں۔ آگے تنگ دست تھا، اب تہی دست ہو گیا ہوں۔ جلد میری خبر لیجے اور کچھ بھجوا دیجے!

چارشنبہ یازدہم ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ ہجری و
۱۷ نومبر ۱۸۵۸ء　　　　عنایت کا طالب غالب

(۶)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت اسلامت۔

بعد آداب بجا لانے کے عرض کرتا ہوں کہ منشورِ رافت لکھا ہوا پچیس نومبر کا، جمعے کے دن تیسری دسمبر کو اس دعا گوئے دولت کے پاس پہنچا۔ ڈھائی سو روپیے کی ہنڈوی معتمد کے حوالے کی گئی۔ آج یا کل روپیہ آجائے گا۔ خاطرِ عاطرِ اقدس جمع رہے۔

میرے حاضر ہونے کو جو ارشاد ہوتا ہے،[۲] میں وہاں نہ آؤں گا تو اور کہاں جاؤں گا۔ پنسن کے وصول کا زمانہ قریب آیا ہے، اُس کو ملتوی چھوڑ کر کیوں کر چلا آؤں۔ سنا جاتا ہے اور یقین بھی آتا ہے کہ جنوری آغازِ سال ۵۹ عیسوی میں یہ قصہ انجام پائے، جس کو روپیہ ملنا ہے اُس کو روپیہ، جس کو جواب ملنا ہے اُس کو جواب مل جائے۔

حضور نے یہ کیا تحریر فرمایا ہے کہ ان بارہ غزلوں کی اصلاح میں کلامِ خوش مطلوب

ہے، اگلی غزلوں کی طرح نہ ہوں۔ مگر اگلی غزلوں کی اصلاح پسند نہ آئی اور اُن اشعار میں کلام خوش نہ تھا حضرت کا تو اُن غزلوں میں بھی وہ کلام ہے کہ شاید اوروں کے دیوان میں ویسا ایک شعر بھی نہ نکلے گا۔ میں بہ قدر اپنے فہم و استعداد کے کبھی اصلاح میں قصور نہیں کرتا۔

زیادہ حدِ ادب۔

معروضۂ جمعہ ۲۶ ربیع الثانی ۷۵ھ

و ۳ دسمبر ۱۸۵۸ء عرضداشتِ غالب

(۷)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

میں اس دولتِ ابد مدت کا ازراہِ مودّت خیر خواہ ہوں، امرِ ملال انگیز اندوہ آور میں آرائشِ گفتار گوارا نہیں کر سکتا۔ نواب[۱] مرزا نے دلّی آکر پہلے نویدِ بزم آرائی سنائی۔ چاہتا تھا کہ اُس کی تہنیت لکھوں۔ کل اُس نے ازروئے خطِ آمدِ رام پور حضرت جنابِ عالیہ[۲] کے انتقال کی خبر سنائی۔ کیا کہوں کیا غم و اندوہ کا ہجوم ہوا حضرت کے غمگین ہونے کا تصوّر کر کر اور زیادہ مغموم ہوا۔ بے درد نہیں ہوں کہ ایسے مقام میں بہ طریقِ انشا پردازی عبارت آرائی[۳] کروں۔ نادان نہیں ہوں کہ آپ جیسے دانا دلِ دیدہ ور کو تلقینِ صبر و شکیبائی کروں:

از دستِ گدای بے نوا ناید ہیچ
جز آن کہ بصدقِ دل دعای بکند

حق تعالیٰ ذاتِ ستودہ صفات کو دائماً اور ابداً جاہ و جلال و دولت و اقبال کے ساتھ سلامت با کرامت رکھے۔

مرقومۂ یکشنبہ ۲۱ شعبان و

۲۷ مارچ سالِ حال ۱۸۵۹ء[۴] عریضہ نگار اسد اللہ المتخلص بہ غالب

(۸)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

ایک خط مشتمل اپنے حال پر، اور ایک خط جناب بیگم صاحبہ و قبلہ مغفورہ کی تعزیت میں روانہ کر چکا ہوں۔ اب ایک قطعۂ تاریخ بھیجتا ہوں۔ اگرچہ ایک کا تعمیہ ہے لیکن تعمیہ کتنا خوب اور بے تکلف ہے۔

معروضہ ۱۳ رمضان ۱۲۷۵ھ

و ۱۷ اپریل سالِ حال ۱۸۵۹ء — عرضداشتِ اسد اللہ

قطعہ

جنابِ عالیہ از بخششِ حق
بفردوسِ بریں چون کرد آرام
سخن پرداز غالب سالِ رحلت
"خُلودِ خلد" گفت از روی الہام

۱۲۷۵ھ

(۹)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم کے عرض کرتا ہوں۔ آج دوشنبے کا دن چودہ رمضان المبارک کی اور اٹھارہ ماہ اپریل کی صبح کے وقت ڈاک کا ہرکارہ آیا اور منشورِ عطوفت لایا۔ میں نے سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا۔ تعجب ہے کہ میرے دو خطوں کی رسید اس عنایت نامے میں مرقوم نہیں۔ آیا نہ پہنچے یا پہنچے اور نہ پڑھے گئے، کچھ معلوم نہیں۔

پہلے خط میں یہ عرض کیا ہے کہ مجموع پنسداروں کی مثل مرتب ہے اور ہنوز صدر

کو روانہ نہیں ہوئی۔ نواب گورنر جنرل لارڈ کیننگ بہادر نے کلکتے سے میرے پنشن کے کاغذ طلب کیے اور وہ کاغذ فہرست میں سے الگ ہو کر لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں ارسال ہوئے وہاں سے کلکتے کو بھیجے جائیں گے، پھر وہاں سے حکم منظوری پنجاب ہوتا ہوا یہاں آئے گا اور یہاں مجھ کو روپیہ مل جائے گا۔ آج روپیہ ملا، کل میں نے آپ سے سواری اور باربرداری مانگی۔ آج سواری اور باربرداری پہنچی اور کل میں نے رام پور کی راہ لی۔ بلکہ اسی نیاز نامے میں کچھ حسنِ طلب بھی تھا، افسوس کہ ایسا خطِ ضروری نہ پہنچے۔

دوسرا خط جنابِ عالیہ مغفورہ کی تعزیت میں تھا، اُس کا بھی ذکر اس عنایت نامے میں نہ تھا۔ ناچار پہلے خط کا مضمون اس ورق میں مکرر لکھ دیا اور دُوسرے خط کے صرف ذکر پر اکتفا کیا۔ حق تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور صبر و ثبات و دولت و اقبال و عمر و جاہ و جلال بہ طریقِ دوام عنایت کرے۔

دو غزلیں منجملہ بارہ غزلوں کے بعد اصلاح ارسال کر چکا ہوں۔ خدا کرے پہنچ گئی ہوں۔ پرسوں ایک قطعہ جناب بیگم صاحب وقبلہ کی تاریخِ وفات کا بھیجا ہے۔ یقین ہے کہ پہنچے گا۔ ازراہِ احتیاط وہ قطعہ اس ورق میں پھر لکھتا ہوں اور نیز ازراہِ احتیاط یہ خط بیرنگ روانہ کرتا ہوں۔

زیادہ حدِ ادب۔

معروضہ دوشنبہ چہاردہم رمضان ۱۲۷۵ھ

مطابق ہژدہم اپریل ۱۸۵۹ء

عریضۂ اسد اللہ خاں

جنابِ عالیہ از بخششِ حق
بفردوسِ بریں چون کرد آرام
سخن پرداز غالب سالِ رحلت
"خلودِ خلد" گفت از روئے الہام

۱۲۷۵ھ

(۱۰)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

نوازش نامے کے ورودِ مسعود کی اطلاع دیتا ہوں اور ہنڈوی کے پہنچنے کا شکر بجا لاتا ہوں۔ ستمبر ۱۸۵۹ء کے مہینے کے سو روپیے پہنچے۔ خاطر اقدس جمع رہے۔ ۱۲

عزمِ ولایت کا حال معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ آپ کو ہر جگہ مظفر و منصور و کامیاب رکھے۔ خدمت گزار ہوں اور دعا و ثنا میرا کام ہے۔ بڑھاپے نے کھو دیا۔ جز نفسے چند مجھ میں کچھ باقی نہیں۔

زیادہ حدِ ادب۔

معروضۂ یکم اکتوبر ۱۸۵۹ء — عرضداشتِ غالب

(۱۱)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تقدیمِ تسلیم گزارش کرتا ہوں، پرسوں ایک نیاز نامہ بھیجا ہے، یقین ہے کہ پہنچے گا اور اس کا جواب جلد عنایت ہوگا۔ کل نوازش نامہ، جس میں سو روپیے کی ہنڈوی بابت ماہِ اکتوبر ۱۸۵۹ء تھی، شرفِ ورود لایا۔ زرِ مندرجۂ ہنڈوی معرضِ وصول میں آیا۔ خاطرِ اقدس جمع رہے۔

شنبہ ۵ نومبر ۱۸۵۹ء ۲۶

(۱۲)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت

بعد بجا لانے آدابِ نیاز کے، عرض کرتا ہوں۔ یہ میرا دردِ دل ہے، نامۂ تہنیت میں اس کا اندراج مناسب نہیں جانا۔ میں انگریزی سرکار میں علاقۂ ریاستِ دودمانی کا رکھتا ہوں۔ معاش اگرچہ قلیل ہے مگر عزت زیادہ پاتا ہوں۔ گورنمنٹ کے دربار میں داہنی صف میں

دسواں لمبر اور سات پارچے اور جیغہ، سرپیچ، مالاے مروارید، خلعت مقرر ہے۔ لارڈ ہارڈنگ صاحب کے عہد تک پایا۔ لارڈ ڈلہوسی یہاں آئے نہیں۔ اب یہ نواب معلّی القاب آتے ہیں۔ زمانے کا رنگ اور، کوئی حاکم، کوئی سکرتر میرا آشنا نہیں۔ بڑے میرے مُربی قدردان جناب اڈمنسٹن صاحب، وہ بھی چیف سکرتر نہ رہے، لفٹنٹ گورنر ہو گئے۔ وہ سکرتر رہتے تو مجھے کچھ غم نہ تھا۔ اب تک میں اپنے کو یہی نہیں سمجھا کہ بے گناہ ہوں یا گناہ گار، مقبول ہوں یا مردود۔ مانا کہ کوئی خیر خواہی نہیں کی جو نئے انعام کا مستحق ہوں، لیکن کوئی بے وفائی بھی سرزد نہیں ہوئی جو دستورِ قدیم کو برہم مارے۔ بہرحال اس تشویش میں ہوں، راہِ چارہ مسدود اور دُکھ موجود، عُرفی خوب کہتا ہے :

مرا زمانۂ طنّاز دست بستہ و تیغ
زند بفرقم و گوید کہ ہاں سرے میخار ؎

مرقومۂ صبح یکشنبہ ۷ نومبر ۱۸۵۹ء[1]

(۱۳)

حضرتِ ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد بجالانے آدابِ نیاز کے عرض کرتا ہوں، منشورِ عطوفت پہنچا۔ نوابِ عالی جناب کی ملازمت کا حال بہ سبیلِ اجمال مندرج تھا۔ میں از روے اخبار بہ تفصیل دریافت کر چکا ہوں۔ ہندوستان میں کسی رئیس کے واسطے یہ بات کا ہے کو ہوئی ہے۔ مسندِ تکیہ کسی کو کب ملا ہے۔ یہ کمالِ عزّ و شان اور استحکام بناے ریاست کا نشان ہے۔ لطف یہ ہے کہ اب صاحبانِ کورٹ آف ڈرکٹر حائل نہیں رہے۔ نواب گورنر جنرل بہادر نائبِ سلطنت ہیں۔ اس صورت میں جو کچھ انھوں نے دیا ہے، وہ عطیہ حضرتِ فلک رفعت ملکۂ معظمہ کا ہے۔ ایسے شہنشاہ کی سرکار سے وِسادہ سروری کا عطا ہونا بہت بڑی نوازش اور سزاوارِ صد گونہ نازش ہے[2]۔ یہ چار بالشِ امارت اور "کاشی پور" کا ضمیمۂ ملک موروثی ہونا، پہلے آپ کو اور پھر ولی عہد بہادر کو اور[3]

اور پھر آپ کے اولاد و اخوان و انصار کو اور سب کے بعد غالبِ دعا گوے گوشہ نشیں کو مبارک ہو۔

زیادہ حدِ ادب۔

مرقومۂ صبحِ یکشنبہ ۲۷ نومبر ۱۸۵۹ء

(۱۴)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

آداب نیاز بجا لا کر عرض کرتا ہوں کہ سو روپے کی ہنڈوی بابت مصارفِ ماہِ نومبر ۱۸۵۹ء پہنچی اور روپیہ وصول میں آیا اور صرف ہو گیا اور میں بدستور بھوکا اور ننگا رہا۔ تم سے نہ کہوں تو کس سے کہوں، اس مشاہرۂ مقرری سے علاوہ دو سو روپیہ اگر مجھ کو اور بھیج دیجے گا تو چلا لیجے گا، لیکن اس شرط سے کہ اس عطیۂ مقرری میں محسوب نہ ہو اور بہت جلد مرحمت ہو۔[2]

زیادہ حدِ ادب۔

معروضۂ صبحِ پنجشنبہ ہشتم دسمبر ۱۸۵۹ء بہ مجردِ ورودِ عنایت نامۂ مرقومۂ ماہِ حال ۱۲

عرضداشتِ غالب

(۱۵)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

آداب نیاز بجا لاتا ہوں اور مزاجِ اقدس کی خبر پوچھتا ہوں اور بہ کمال ناچاری بصد گونہ شرمساری عرض کرتا ہوں کہ آج سہ شنبہ سات فروری کی ہے، جو لوگ کہ میرے ساتھ ہیں گوش بر آواز ہیں اور جو وظیفہ خوار دلّی میں ہیں وہ چشم بہ راہ ہوں گے۔[3]

زیادہ حدِ ادب۔

صبح سہ شنبہ ۷ فروری ۱۸۶۰ء

خوشنودی کا طالب غالب

حضرت ولی نعمت، آیۂ رحمت! اسلامت۔

تقدیمِ مراسمِ تسلیم مقدمہ اس گذارش کا ہے کہ عالم دو ہیں: ایک عالمِ شہادت، ایک عالمِ غیب۔ جس طرح عالمِ شہادت میں آپ میری دست گیری کر رہے ہیں، عالمِ غیب میں آپ کا اقبال مجھ کو مدد پہنچا رہا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ کہ وہ نقشا پنسن داروں کا جو یہاں سے صدر کو گیا تھا، وہ اب صدر سے بعد صدورِ حکم آگیا۔ حکم بہ نسبت ہر واحد کے مختلف ہے۔ تقلیل بہت ہے۔ سو روپیے مہینے والے کو پچھتر بھی ہیں اور پچیس بھی ہیں اور دس بھی ہیں۔ اب فرمائیے میرے واسطے کیا احتمال گزرتا ہے، یاسِ کلّی ہے لیکن واقع یہ ہوا ہے کہ سب سے پہلے میرا نام اور پورے پنسن کی واگذاشت کا حکم۔ طرفہ یہ کہ میرے نام کے ساتھ ایک انگریزی تحریر ہے کہ جس کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گورمنٹ کا حکمِ منظوری اس تحریر پر متفرع ہے۔ حکام کے عملے میں اور وکلا اور اہلِ شہر میں یہ مشہور ہے کہ وہ تحریر ولایت سے آئی ہے۔ بہ ہر حال دو امر ہنوز مبہم ہیں: ایک اس انگریزی تحریر کا حال اور دوسرے میرے بھائی کے پنسن کی حقیقت، سو یہ دونوں امر چند روز میں معلوم ہو جائیں گے اور جو معلوم ہوگا، وہ عرض کیا جائے گا۔

۱۲ اپریل ۱۸۶۰ء

غالب

(۱۷)

حضور!

سنہ ۱۸۵۸ء میں یہ قصیدہ کہ گویا نامۂ منظوم ہے، میں نے حضور میں بھیجا تھا اور بریلی کا ملک ملنے کی تہنیت دی تھی۔ بعد اس کے حضرت کو دامنۂ کوہ کی محال یعنی کاشی پور ملا، گویا یہ میری تحریر غلط ہو گئی۔ الحمد للہ! انجامِ کار جو میں نے قصیدے میں قصد کیا تھا، وہی ہوا۔ اب ارشاد ہو کہ میں لسان الغیب ہوں یا نہیں۔ فقط:

چوں نیست مرا شربتِ آبی ز تو حاصل
دانم کہ تو دریائی و من سبزۂ ساحل

در بادیہ، بر گورِ غریباں، زچہ سوزد؟
آن شمع فروزاں کہ بود در خورِ محفل

زاں خسروِ خوباں چہ قدر چشمِ وفا بود؟
صد حیف، کہ شد نقشِ امیدم ہمہ باطل

افسانۂ غم گر بسرایم، نبود عیب
باد دست کہ پیوستہ ہمی برد غم از دل

میگویم و ہمدم زندم طعنہ کہ "تن زن
چوں می ندہد داد، ز فریاد چہ حاصل"

از طعنہ شدم خستہ دل و از رہِ تیمار
دل گفت کہ "ہاں شیوۂ عشاق فرو ہل

تا کس نبرد ظن کہ بشاہد بودم روی
حاشا، کہ حکایت کنم از لیلیٰ و محمل

شاہد بود آں دوست کہ اندر غزل اورا
خوانند ستمگارہ و خونخوارہ و قاتل

من نالم ازاں دوست کہ در عالمِ انصاف
شایاں بودش، گویم اگر خسروِ عادل

او خسروِ خوباں بود و بندہ گدایش
او قلزم و عمان بود و من خسِ ساحل

گر خواجہ، ہمانست، و گر دوست، ہماں نیست
مائیم و یقینی کہ بوحدت شدہ کامل

خود ہر چہ سرودم، ہمہ با اوست گزیں بیش
امید کہم بود بہر وادی و منزل

۱۱۹۰

یارب چہ شد اینک کہ نگیرد خبر از من
بربستہ بردیم درِ ارسالِ رسائل
اے یوسفِ ثانی کہ بود در ہمہ عالم
مشتاقِ جمالِ تو، چہ دیوانہ، چہ عاقل
گر نامِ تو در بحر نگنجید، زیان نیست
شد نامِ نظیرِ تو و ہمنامِ تو داخل
تا نزدِ تو چوں آیم و دور از تو چہ سازم
ماندن ز تو دشوار و رسیدن بتو مشکل
اے کاش! بکوی تو چنیں روی نمودی
زنغیساں کہ فرو رفتہ مرا پای دریں گل
چونست کہ گاہی نکنی روی بدین سوی
از چیست کہ ہرگز نہی دایہ بسائل
گر جان دہم از غصہ، تو دانی کہ بہ گیتی
حرفی غلط از صفحۂ ہستی شدہ زائل
خواہی کہ مرا بنگری از دور، بفرمای
تا نزدِ تو آرند یکی طائرِ بسمل
از صنعتِ استادِ ازل داں کہ زہر سوی
چون قبلہ نما، سوی تو ام ساختہ مائل
غالب بسخن نامِ من آمد ازل آورد
دانی کہ دریں شیوہ نیم عامی و جاہل
در فنِ سخن دم مزن از عرفی و طالب
ایں آیۂ خاصست کہ برمن شدہ نازل

من گنجم و گردون بہ گل اندوہ درم را
می بین، درِ گنج ارچہ کشودن شدہ مشکل

خود در خورِ ویرانہ بود گنج گران مند
غم نیست، گر آبادیِ دہلی شدہ زائل

ہاروت، افسونِ نفسِ گرم چہ داند؟
اعجاز ز دہلی بود و سحر ز بابل

آن را کہ صریرِ قلمم ہوش رباید
دیگر نبرد ذوق ز آوازِ عنا دل

توقیعِ بریلی بتو فرخندہ! کہ من نیز
بستم بفرہ مندیِ خویش از کرمت دل

حاشا کہ ستانم رقمِ قاضی و مفتی
حاشا کہ پزیرم عملِ شحنہ و عامل

بفرصت خردمند کسان را بحکومت
درجیبِ گدا ریز قلیلی ز مداخل

ہر سال از ان شہر بمن دایہ روان دار
کز بہرِ ہمین گشتہ در اقطاعِ تو شامل

امید کہ لب تشنگیِ من نہ پسندی
زان رشحہ کہ بر صفحہ فشانی ز انامل

امید کہ بپزیری و برمن نکنی قہر
نپزیرم اگر معذرتِ فرطِ مشاغل

امید کہ آن شیوہ نورزی کہ بگویم
کردردِ دلم فارغ و از من شدہ غافل

ای رای تو در روشنی از مہر فزوں تر
ای روی تو در حسن دو چند از مہِ کامل

تا مہر بیک سال کند دائرہ را دور
تا ماہ بیک ماہ کند قطعِ منازل

باشی بسپہر شرف آن ماہ کہ باشد
در نور بہ خرشیدِ جہانتاب مقابل

اپریل، مئی ۱۸۶۰ء

(۱۸)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

شکرِ بندہ پروری بجا لا کر عرض کرتا ہوں کہ کل بارہ جولائی کو نوازش نامہ مع سو روپیے کی ہنڈوی کے پہنچا اور روپیہ معرضِ وصول میں آیا۔ متوقع ہوں کہ یہ عطیہ چوتھی یا پانچویں انگریزی کو، جیسا کہ ہمیشہ پہنچتا تھا، پہنچا کرے۔ دسویں بارہویں نہ ہوا کرے:

تم سلامت رہو قیامت تک

صبحِ جمعہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۷۶ھ

مطابق ۱۳ جولائی ۱۸۶۰ء — خوشنودی کا طالب غالب

(۱۹)

ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامے کے ورود سے میں نے عزت پائی۔ سو روپیے کی ہنڈوی بابت مصارف مارچ ۱۸۶۱ء کے پہنچی۔ زرِ مندرجہ معرضِ وصول میں آیا۔ خاطر اقدس قرینِ جمعیت رہے۔ کلیاتِ فارسی[۲] کے پہنچنے سے اور اس نذر کے مقبول ہونے سے مجھ کو بہت خوشی حاصل ہوئی:

تم سلامت رہو قیامت تک

صبح یکشنبہ، ۷ اپریل ۱۸۶۱ء عنایت کا طالب غالب

(۲۰)

ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم تورے اور خلعت کے عطیے کا آداب بجا لاتا ہوں۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔ اور اپنی اولاد کی اولاد کی شادیاں کرنی اور اُن شادیوں میں تورے و خلعت کی تقسیم نصیب ہو! یہ تحریر نہیں، مکالمہ ہے۔ گستاخی معاف کروا کے اور آپ سے اجازت لے کے بہ طریقِ انبساط عرض کرتا ہوں کہ یہ سوا سو روپیے، جو تورہ و خلعت کے نام سے مرحمت ہوئے ہیں، میں کال کا مارا اگر یہ سب روپیہ کھا جاؤں گا اور اس میں لباس نہ بناؤں گا تو میرا خلعت حضور پر باقی رہے گا یا نہیں؟

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

دوشنبہ بہ حساب تعزیہ داران پانچویں، اور از روے دوج ۶ محرم الحرام ۱۲۷۸ھ
۱۴ جولائی ۱۸۶۱ء داد کا طالب غالب

(۲۱)

ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے، آٹھ سات برس سے مصدرِ خدمت اور شریکِ دولت ہوں۔ لازم کر لیا ہے کہ بے ہودہ گزارش نہ کروں اور کبھی کسی کی سپارش نہ کروں۔ بھائی علی حسن خاں کے بیٹوں کے باب میں جو علی بخش خاں صاحب کو لکھا، اُس کو میں نے سپارش نہ سمجھا تھا، مخبر بنا اور آپ کے اہل کاروں کو اس بات کی خبر دی کہ جس کا تدارک صاحبانِ ملک و حاکمانِ عہد پر لازم ہے، سو بہ مقتضاے نصفت و عدالت وہ مقدمہ ہو گیا۔ میر سرفراز حسین اور میرن صاحب کو واللہ باللہ اگر میں نے بھیجا ہو۔ نوکری کی جستجو کو

نکلے تھے۔ میر سرفراز حسین نوکری پیشہ اور میرن مرثیہ خواں اور یہاں کے مرثیہ خوانوں میں ممتاز۔ خانساماں صاحب کو جو میں نے یہ لکھا کہ یہ ایسے ہیں اور ایسے ہیں، غرض اس سے یہ تھی کہ محرم میں جہاں دس پانچ مرثیہ خواں اور مقرر ہوتے ہیں، میرن بھی مقرر ہو جائیں۔ آخر جا بہ جا تھانے دار، کوتوال، تحصیلدار نوکر ہیں۔ میر سرفراز حسین ہوشیار اور کار گزار آدمی ہیں۔ کسی علاقے پر یہ بھی مقرر ہو جائیں۔ یہ دونوں امر یا ان دونوں میں سے ایک ہو جاتا، بہتر تھا، نہ ہوا بہتر۔ درحقیقت سپارش نہ تھی، صرف معرف ہونا تھا۔ سپارش کرتا تو کیا میں آپ کو نہ لکھ سکتا تھا۔ میری طرف سے خاطر عاطر جمع رہے:

زسینہ تا بلبم سالہا نیا بد راہ
ہر آن نفس کہ رضای تو اندر آن نبود

دوشنبہ ۲۲ جولائی ۱۸۶۱ء — داد کا طالب غالب

(۲۲)

ولی نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم کے عرض کرتا ہوں اور طلوعِ ستارۂ اقبال کی مبارک باد دیتا ہوں۔ یقین ہے کہ اس سفرِ فیض اثر میں ریل گاڑی کی سواری کی بھی سیر دیکھ لی ہو گی۔ یہ اُس میمنت و شکوہ و شوکت سے علاوہ ایک تماشا نیا دیکھا۔ حق تعالیٰ حضرت کو سلامت باکرامت رکھے۔ ۱۲

دعا گو ایک مہینا بھر سے بیمار ہے۔ ابتدا وہی قولنج دورے، بہ سبب استعمالِ ادویۂ حارّہ کہ اس مرض میں اُس سے گریز نہیں، تپ نے آ گھیرا۔ کئی باریاں جھگتیں۔ اب دو باریاں ٹل گئی ہیں، لیکن طاقت بالکل سلب ہو گئی ہے اور ضعفِ دماغ نے قریب بہ ہلاکت پہنچا دیا ہے۔ بالفعل آبِ سیب کا استعمال ہے۔ ۱۲

طریقۂ دعا گوئی و ثنا خوانی کی رعایت سے نوبت بہ سبیلِ مثنوی، کہ جس میں حصولِ عطیۂ سلطانی کی ہجری و عیسوی تاریخ ہے، بہ ہر حال لکھ لی ہیں۔ کل ورودِ عنایت نامہ سے معزز ہو کر آج وہ اشعار نذر کرتا ہوں۔

زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو قیامت تک

دوشنبہ ۱۱ نومبر ۱۸۶۱ء　　شفقت کا طالب غالب

(۲۳)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت، سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل ایک شعر ظہوری مغفور کا اور ایک شعر غالب مرحوم کا ایک ورق پر لکھ کر صبح کو ڈاک میں بھجوا دیا۔ شام کو توقیعِ وقیع ہرکارۂ ڈاک نے لا دیا۔ اگست ۱۸۶۲ء کی پرورش کی ہنڈوی پہنچی اور سو روپے وصول ہو گئے۔

فقیر کا شیوہ صدق و سداد کا ہے۔ چند روز سے تفقد و التفاتِ قدیم میں 'خدانخواستہ باشد' کچھ کمی پاتا ہوں، اگر غلط ہے میرا گمان تو بہ شرفِ اطلاع مشرف فرمایئے اور اگر میرا دلِ دیوانہ سچ سمجھا ہے تو متوقع ہوں کہ عتاب کے سبب سے آگہی پاؤں۔

زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

معروضۂ صبح دوشنبہ، ۱۵ ستمبر ۱۸۶۲ء　　مہر: غالب ۱۲۷۸ھ

یہ عرضداشت جدا ہے، البتہ اس کے جواب کا امیدوار ہوں اور رسید معمولی جدا ہے۔

(۲۴)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ نوازش نامہ مع سو روپے کی ہنڈوی کے پہنچا۔ اگست ۱۸۶۲ء کے مہینے کی پرورش کا روپیہ وصول ہوا :

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

مہر

غالب ۱۲۷۸ھ

دوشنبہ ۱۵ ستمبر ۱۸۶۲ء

(۲۵)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ نوازش نامہ مع ہنڈویِ سو روپیہ کے شرفِ ورود لایا۔ سو روپیہ مصارفِ ستمبر ۱۸۶۲ء کا معرضِ وصول میں آیا:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

معروضۂ دہم اکتوبر ۱۸۶۲ء خوشنودیِ مزاج کا طالب غالب

(۲۶)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ نوازش نامۂ ربوبیّت طراز، مورخۂ گیارہ مارچ ۱۸۶۳ء، چودہ ماہِ مذکور کو میں نے پایا۔ دو سو روپے کی ہنڈوی کا شکر بجا لایا۔ کہاں تک شکر بجا لاؤں گا، کس کس عنایت کا سپاس ادا کروں گا:

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو

اب سنیے اپنے دعا گو کی داستان: منگل تین مارچ کو جناب لفٹنٹ گورنر بہادر[۲] نے خلعت عطا کیا اور فرمایا کہ ہم تمہیں مژدہ دیتے ہیں کہ نواب گورنر جنرل بہادر[۳] نے اپنے دفتر میں تمھارے دربار اور خلعت کے بدستور بحال رہنے کا حکم لکھوا دیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں انبالے جاؤں؟ فرمایا البتہ انبالے جانا ہوگا۔

بعد جناب نواب صاحب کے جانے کے شہر میں شہرت ہوئی کہ دلّی کے لوگ انبالے جانے

جانے سے ممنوع ہیں۔ گھبرایا اور صاحب کمشنر کے پاس گیا۔ آپ خط اپنا دے آیا۔ زبانی پرسش کا جواب زبانی پایا۔ پھر خط کے جواب میں خط محررۂ سات مارچ آیا۔ چنانچہ لفافہ بہ لحاظِ گرانیِ وزن رہنے دیتا ہوں اور خط بجنسہٖ حضرت کو بھیجتا ہوں۔

کل سے ایک اور خبر اڑی ہے کہ نصیبِ اعدا لارڈ صاحب کی طبیعت ناساز ہو گئی ہے۔ انبالے میں دربار نہ کریں گے اور شملے کو چلے جائیں گے۔[1] اب میں دو وجہ سے بین السّقوط والسّکون متردّد ہوں: پہلی وجہ خاص، دوسری وجہ عام، دو سو میں سے سو لے کر ساز و سامان درست کیا ہے اور سو مہاجن کے ہاں ڈاک اور خرچِ راہ کے واسطے رہنے دیے ہیں۔ تا بر تقی میں جناب نواب صاحب سے حکم منگواؤں گا، جو حکم آئے گا، آپ سے عرض کر کے اس کی تعمیل کروں گا:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

مہر

غالب ۱۲۷۸ھ[2]

معروضۂ ۱۶ مارچ ۱۸۶۳ء

(۲۷)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت، سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ جب انبالے میرا جانا نہ ہوا تو میں نے قصیدۂ مدح،[3] جو دربار کی نذر کے واسطے لکھا تھا، بہ طریقِ ڈاک جناب چیف سکرتر بہادر کو اس مراد سے بھیجا کہ آپ اس کو جناب نواب معلّی القاب[4] کی نظر سے گزرانیں اور یہ دستورِ قدیم تھا کہ جب میں قصیدۂ مدحیہ بھیجتا تو صاحب سکرتر بہادر کا خط بے واسطۂ حکامِ ماتحت مجھ کو آجاتا۔ اب جو میں نے موافقِ معمول قصیدہ بھیجا، یقین ہے کہ مارچ یا اپریل کے مہینے میں وہ لفافہ یہاں سے لشکر کو گیا۔ صدائے بر نخاست۔ ناامید ہو کر بیٹھ رہا، بلکہ یہ خیال گزرا کہ جب رسمِ تحریرِ خطوط نہ رہی تو دربار اور خلعت کہاں۔ ناگاہ کل شام کو جب سکرتر بہادر کا خط ڈاک میں آیا۔ وہی افشانی کاغذ، وہی القاب۔ جی چاہتا تھا کہ اصل خط مع سرنامہ بھیج دوں تا کہ حضور ملاحظہ فرمائیں، مگر

برسات کا اندیشہ مانع آیا۔ نقل سرنامہ اور خط کی بھیجتا ہوں :

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

صبح سہ شنبہ ۴ ماہ اگست ۱۸۶۳ء حضور کی خوشنودی کا طالب غالب

(۲۸)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم کے معروض ہے، نوازش نامہ اور اُس کے ساتھ دو بہنگیاں دو سو آموں کی پہنچیں:

شکرِ نعمت ہاے تو چندانکہ نعمت ہاے تو

زیادہ حدِّ ادب :

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

سہ شنبہ پنجم جولائی ۶۴ء نجات کا طالب غالب

(۲۹)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ عطوفت مع قطعۂ ہنڈوی شرفِ ورود لایا۔ سو روپیے بابت تنخواہ جولائی ۱۸۶۴ء کے معرضِ وصول میں آیا فقط :

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۱ اگست ۱۸۶۴ء ترحم کا طالب غالب

(۳۰)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ نوازش نامہ مع ہنڈوی عزِّ ورود لایا۔ سو روپیہ بابت تنخواہِ ماہ

اگست ۱۸۶۴ء معرضِ وصول میں آیا۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

جمعہ نہم ستمبر ۱۸۶۴ء نجات کا طالب غالب

(۳۱)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ صدورِ والانامہ سے میں نے عزت پائی۔ بذریعہ ہنڈوی سو روپے بابت تنخواہِ ستمبر ۱۸۶۴ء وصول ہوئے۔

زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

دوشنبہ دہم اکتوبر ۱۸۶۴ء ترحم کا مستحق اور تفقد کا طالب غالب

(۳۲)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم و نیاز معروض ہے۔ جب سے حضرت کی ناسازیِ مزاجِ مبارک کا حال خارج سے مسموع ہوا ہے، عالم الغیب گواہ ہے کہ مجھ پر اور میری بی بی پر اور میرے فرزند حسین علی خاں پر کیا گزر رہی ہے۔ ایک دن رات میرے گھر میں روٹی نہیں پکی، ہم سب نے فاقہ کیا۔ بارے وہ خبرِ وحشت اثر غلط نکلی۔ حواس ٹھکانے ہوئے۔ بالکل اطمینان جب ہوگا کہ آپ کے غسل صحت کی نوید سنوں گا اور قطعہ تاریخ غسلِ صحت لکھ کر بھیجوں گا۔ فی الحال اتنا چاہتا ہوں کہ اس خط کا جواب پاؤں اور حقیقتِ مرض سے آگہی حاصل ہو۔

زیادہ حدِّ ادب :

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۸ نومبر ۱۸۶۴ء — تمھاری سلامتی کا طالب غالب

(۳۳)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ ابتدائی یکم نومبر سے گیارہ تک عرض نہیں کر سکتا کہ لیل و نہار مجھ پر کیسے گزرے ہیں۔ راہ دُور، میں رنجور، معہذا بے مقدور۔ اگر دلی سے رام پور تک شکرم کی ڈاک جاتی ہوتی تو میں یہاں ایک دم نہ ٹھہرتا اور خدمت میں حاضر ہوتا۔ تار برقی بھی نہیں جو صحت و عافیت کی خبر جلد حاصل ہو۔ ناچار از راہِ اضطرار آٹھ ماہ حال یعنی نومبر کو عریضہ روانہ کیا۔ خدا کی عنایت اور مرشدِ کامل یعنی حضرت کی ہدایت نے اُس خط کے جواب آنے کی مدت سے پہلے مجھے گردابِ اضطراب سے نکالا۔ کل بارہ نومبر کو نوازش نامہ آگیا۔ گویا میری جان بچ گئی۔ بلکہ ایک اور نئی جان میرے بدن میں آگئی۔ اب استدعا یہ ہے کہ حالِ ناسازیِ مزاجِ اقدس مفصل معلوم ہو۔

زیادہ حدِّ ادب۔

مہر

غالب ۱۲۷۸ھ

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

یکشنبہ ۱۳ نومبر ۱۸۶۴ء — عافیت کا طالب غالب

(۳۴)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ مع ہنڈوی شرفِ ورود لایا۔ سو روپیہ بابت اکتوبر ۱۸۶۴ء

معرضِ وصول میں آیا۔

زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عز و جاہ روز افزوں

۱۳ نومبر ۱۸۶۴ء عافیت کا طالب غالب

(۳۵)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ کس زبان سے کہوں اور کس قلم سے لکھوں کہ یہ ہفتۂ عشرہ کس تردد و تشویش سے بسر ہوا ہے۔ ہر روز شام تک جانبِ در نگراں رہتا کہ ڈاک کا ہرکارہ آئے اور حضرت کا نوازش نامہ لائے۔ بارے خدا کی مہربانی ہوئی۔ از سرِ نو میری زندگانی ہوئی کہ کل چار گھڑی رات گئے ڈاک کے ہرکارے نے وہ عطوفت نامۂ عالی دیا جس کو پڑھ کر روحِ تازہ رگ و پے میں دوڑ گئی۔ نیند کس کی، سونا کس کا، روشنی کے سامنے بیٹھا اور اشعارِ تہنیت لکھنے لگا۔ سات شعر مع مادۂ حصولِ صحت جب لکھ لیے، تب سویا۔ اب اس وقت وہ مسودہ صاف کر کے ارسال کرتا ہوں:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۲۷ نومبر ۱۸۶۴ء خیر و عافیت کا طالب غالب

(۳۶)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ نوازش نامہ عزِ ورود لایا۔ از روئے ہنڈوی سو روپیہ بابت تنخواہ ماہِ نومبر ۱۸۶۴ء معرضِ وصول میں آیا۔

زیادہ حدِ ادب :

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۳ رجب و ۱۲ دسمبر ۱۸۶۴ء   تمھاری سلامتی کا طالب   غالب

(۳۷)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت ! سلامت -

بعد تسلیم معروض ہے. حضرت کے قدموں کی قسم، چوب چینی کے ارسال کا حکم ڈاک سے میں نے نہیں پایا. بائیس دسمبر کو ہرکارہ آیا. نوازش نامۂ شرف افزا لایا. دلّی اب شہر نہیں، چھاؤنی ہے، کیمپ ہے نہ قلعہ، نہ شہر کے امرا، نہ اطرافِ شہر کے رؤسا. بہ ہر حال تین چار دن میں ہر یک ۲ جگہ سے منگوا کر رنگین و سنگین و بے گرہ یا کم گرہ خود چن کر پانچ سیر قطعاتِ چوب چینی ایک ٹھلیا میں رکھ کر آٹے سے منھ بند کیا، پھر کپڑا لپیٹا، ڈوری سے خوب مضبوط باندھ کر دو جگہ اپنی مہر کی اور وہ ٹھلیا کہار کو سونپی -

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

مہر

غالب

روز دوشنبہ ۲۶ دسمبر ۱۸۶۴ء   وقتِ صبح حوالۂ کہار سرکار .

(۳۸)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت ! سلامت -

بعد تسلیم معروض ہے. نوازش نامے کے ورود سے عزّت اور ادراکِ صحت و عافیتِ مزاجِ اقدس سے مسرّت حاصل ہوئی. پرچۂ ہنڈوی اس توقیع میں ملفوف پایا. سو روپیہ بابت تنخواہِ دسمبر ۱۸۶۴ء معرضِ وصول میں آیا -

زیادہ حدِ ادب :

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

۱۴ جنوری ۱۸۶۵ء
حضور کی سلامتی کا طالب غالبؔ

(۳۹)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے، توقیعِ وقیعِ عزّ ورود لایا۔ بذریعۂ ہنڈوی سو روپیے بابت جنوری ۱۸۶۵ء معرضِ وصول میں آئے:

دیکھیے کب غسل فرماتے ہیں آپ
دیکھیے کب دن پھریں حمام کے

زیادہ حدِّ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۸ فروری ۱۸۶۵ء
نجات کا طالب غالبؔ

(۴۰)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے، منشورِ کرامت ظہور کے ورودِ مسعود نے میری عزت بڑھائی اور اُس میں تنخواہ فروری ۱۸۶۵ء کی ہنڈوی پائی۔ زرِ مندرجۂ ہنڈوی معرضِ وصول میں آیا۔ سو روپیہ حضرت کا تصدق پایا۔ الٰہی! وہ دن جلد ہو کہ جو میں سنوں کہ حضرت نے غسلِ صحت فرمایا:

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

۱۱ مارچ ۱۸۶۵ء
نجات کا طالب غالبؔ

بنام نواب کلب علی خاں بہادر

(۱)

حضرتِ ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔

بعد تسلیم معروض باد۔ نوازش نامہ مع ہنڈویِ صد روپیہ عزِ ورود لایا۔ اپریل ۱۸۶۵ء کی تنخواہ کا روپیہ معرضِ وصول میں آیا۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۶ مئی ۱۸۶۵ء
عنایت کا طالب غالب

رُباعی

سرتا سرِ دہر عشرتستانِ تو باد
صد رنگ گلِ طرب بداماںِ تو باد
عید است و بہار خرّمی ہا دارد
جانِ من و صد چوں منُ بقربانِ تو باد

شنبہ صبحِ روز عیدِ ذی الحجہ ۱۲۸۱ھ نبوی
عنایت کا طالب غالب

(۲)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے، تہنیت نامہ ارسال کر چکا ہوں، جواب پا چکا ہوں۔ قصیدے[۲] کا لفافہ ارسال کیا ہے، یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا۔ ۱۲

حضرت فردوس مکان آستاں[۳] کا معمول تھا کہ محرم سے دو تین مہینے پہلے سلام پانچ سات لکھتے تھے اور فرداً فرداً میرے پاس بھیجا کرتے تھے، جب وہ فراہم ہو چکتے تو محرم سے دو چار دن پہلے میں اصلاح دے کر بھیج دیا کرتا تھا۔ اب کے برس ایک ہی سلام بھیجنے پائے۔ بس آج وہ سلام اس مراد سے حضور میں بھیجتا ہوں کہ حضور کے حکم سے حضرت کے دیوان میں شامل ہو جائے۔

زیادہ حدِّ ادب:

تم سلامت رہو ہزار برس

دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

شنبہ یکم محرم الحرام ۱۲۸۲ھ عنایت کا طالب غالب

(۳)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ حق تعالیٰ جلّ جلالہ و عمّ نوالہ جس گروہ پر مہربان ہوتا ہے، وہاں حاکم عادل رحیم بھیجتا ہے کہ بہ قوتِ عادلہ کفر و بدعت کی جڑ اکھاڑ ڈالے اور بہ صفتِ رحم رعایا کو پالے۔ مصداق اس کا ذاتِ قدسی صفاتِ جنابِ عالی ہے کہ قمار خانے کی بنا مٹا ڈالی ہے۔ زہے قانونِ سیاست! غلّے کا محصول معاف کر دیا ہے، روپیہ رعیت پر نثار کیا ہے۔ زہے آئینِ ریاست!

رباعی

نواب کہ شد ز شوکتِ اقبالش

بخشیدنِ باجِ غلہ از اقبالش

فارغ بشد ہر کسی و رودادِ فراغ
ہم فارغ وہم فارغ باشد سالش

پیر و مرشد! حضرت فردوس مکاں کا دستور تھا کہ جب میں قصیدہ بھیجتا[۱۲۸۱ھ] اُس کی رسید میں خط تحسین و آفرین کا بھیجا جاتا،[۲] شرم آتی ہے کہتے ہوئے مگر کہے بغیر بنتی نہیں، دو سو پچاس کی ہنڈوی اُسی خط میں ملفوف عطا ہوا کرتی تھی۔ دو قصیدے مدحیہ میرے دیوانِ فارسی میں مرقوم اور وہ دیوان حضرت کے کتاب خانے میں موجود ہے۔ خطوں کی تصدیق از روے دفتر ہو سکتی ہے۔ یہ رسم بری نہیں ہے، اگر جاری رہے تو بہتر ہے۔

زیادہ حدِ ادب۔

پنجشنبہ ۱۹ محرم ۱۲۸۲ھ۔ ۱۴ جون ۱۸۶۵ء[۳] التفات کا طالب غالب

(۴)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ نوازش نامہ مع سو روپیے کی ہنڈوی کے عزِ ورود لایا۔ مئی ۱۸۶۵ء کا مشاہرہ معرضِ وصول میں آیا۔

زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۵ جون ۱۸۶۵ء التفات کا طالب غالب

(۵)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ روزِ پنجشنبہ پندرہ جون کو ایک عرضداشت روانہ کر چکا ہوں۔ یقین ہے کہ وہ آج پہنچے گا۔ کل سترہ جون کو فرح بخش و روح افزا نوازش نامہ پہنچا۔ قصیدے

کا پہنچا اور اس کا مقبول و منظور ہونا دریافت کر کے اپنے بخت و قسمت پر میں نازاں ہوا۔ اب عرض یہ ہے کہ حسب الحکم حضور کے، یہ قصیدہ میرے دیوانِ فارسی میں جو کتاب خانے میں موجود ہے درج کیا جائے اور سلام حضرت فردوس مکان کا اُن کے دیوانِ اردو میں لکھ دیا جائے۔

حضرت کی خدمت میں نہ آؤں گا تو اور کہاں جاؤں گا۔ وہ آگ برس رہی ہے کہ طیور کے پر جل رہے ہیں۔ بعد آگ کے، پانی برسے گا۔ سفر خصوصاً بوڑھے رنجور آدمی کو دونوں صورت میں متعذر۔ آفتاب میزان میں آیا اور ہنگامۂ آتش و آب رفع ہوا اور میں نے احرام بیت المعمورِ رام پور باندھا۔ اِنشاءَ اللہ العلیّ العظیم۔

پیرومرشد! از راہِ خیر خواہی ایک امر عرض کرتا ہوں۔ محمد علی خاں ابن وزیر محمد خاں، رئیسِ ٹونک نے بعد مسند نشینی گورنمنٹ کو "یمین الدولہ" اور "دوجز ملک و جنگ" لکھ کر دیے۔ اور وہاں سے وہ اُن کو عطا ہوئے۔ حضور کے اجدادِ امجاد نے سلاطینِ بابریہ کا خطاب نہ قبول کیا، مگر حضرت کے جدّ امجد کو احمد شاہ درانی نے مخاطب بہ "مخلص الدولہ" فرمایا۔ حضرت اگر مناسب جانیں تو اُس خطاب کو مع دو جزو "شمس الملک و بہرام جنگ" جناب ملکۂ معظمہ سے بہ ذریعہ گورنمنٹ اپنے واسطے لیں[2]:

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

یکشنبہ ۱۸ جون ۱۸۶۵ء ترقیِ دولت کا طالب غالب

(۶)

حضرت ولیِّ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ عطوفت کے ورود نے معزز فرمایا۔ جون ۱۸۶۵ء کی تنخواہ کا سو روپیہ از روے ہنڈوی معرضِ وصول میں آیا۔

زیادہ حدّ ادب۔

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

معروضۂ دہم جولائی ۱۸۶۵ء عنایت کا طالب غالب

(۷)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت، سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ میری عرضداشت کا جواب آچکا ہے۔ بندہ ہنڈوی کی رسید بھجوا چکا ہے۔ یہاں خلق کو مینہ درکار ہے اور ہوا شرارہ بار ہے۔ دھوپ کی تیزی سے آدمی کے تیور اور پہاڑ کے پتھر جلے جاتے ہیں۔ باقی جگر گداز، ہوا جانستاں، امراضِ مختلفہ کا ہجوم جہاں تہاں جبر اعضائے انسان کے کہ وہ پسینے میں تر ہیں، طراوت و رطوبت کا کہیں پتا نہیں۔ یا لو چلتی ہے یا مطلق ہوا نہیں۔ ان سطور کی تحریر سے مدعا یہ ہے کہ مجھے ہر وقت یہی خیال رہتا ہے کہ حضرت کا مزاج کیسا ہے۔ اس خط کا جواب جس قدر جلد عطا ہو گا، دعا گو پر احسان آپ کا ہو گا۔

زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۲۳ جولائی ۱۸۶۵ء آپ کی سلامتِ ذات اور اپنی نجات کا طالب غالب

(۸)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت، سلامت۔

بعد تسلیم معروض آں کہ منشورِ عطوفت عزِّ ورود لایا۔ تنخواہ جولائی ۱۸۶۵ء حال کا روپیہ از روئے ہنڈوی ملفوفہ معرضِ وصول میں آیا۔ ۵

اگرچہ یہاں مینہ اتنی قدر برسا ہے کہ جس کے پانی سے زمین دار حاصلِ فصلِ ربیع سے ہاتھ دھولیں، مگر چونکہ بہ فرمانِ ازلی میرے رزق کی برات آپ پر ہے اور آپ کے ملک میں

بارش خوب ہوئی ہے، ابرِ رحمت کے شکریے میں ایک قطعہ ملفوف اس عرضی کے بھیجتا ہوں۔
بہ نظرِ اصلاحِ نظم و اصلاحِ حال ملاحظہ ہو۔ زیادہ حدّ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

جمعہ ۱۱ ماہ اگست ۱۸۶۵ء نجات کا طالب غالب

قطعہ

مقامِ شکر ہے اے ساکنانِ خطّہ خاک!
رہا ہے زور سے 'ابرِ ستارہ بار' برس
کہاں ہے ساقیِ مہوش؟ کہاں ہے ابرِ مطیر؟
بیار، لائیے، گلنار گوں، بہار، برس
خدا نے تجھ کو عطا کی ہے گوہر افشانی
درِ حضور پہ اے ابر! بار بار برس
ہر ایک قطرے کے ساتھ آئے جو مَلَک وہ کہے
امیرِ کلبِ علی خاں جئیں ہزار برس
فقط ہزار برس پر کچھ انحصار نہیں
کئی ہزار برس بلکہ بے شمار برس
جنابِ قبلۂ حاجات اس بلاکش نے
بڑے عذاب سے کاٹے ہیں پانچ چار برس
شفا ہو آپ کو غالب کو بندِ غم سے نجات
خدا کرے کہ یہ ایسا ہو سازگار برس

(۹)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل برخوردار نواب مرزا خاں داغؔ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ حضرت کا مزاجِ اقدس ناساز ہو گیا تھا۔ اب خدا کے فضل و کرم سے افاقت ہے۔ نواب مرزا نے مجھ پر ستم کیا کہ پہلے سے یہ حال نہ رقم کیا۔ جو د عاجب کرتا، اب بھی وردِ شب و روز ہے، مگر یہ خیال کہ حضور کو یہ خیال گزرے گا کہ غالب رسمِ عیادت بجا نہ لایا، سخت جگر سوز ہے۔ اب اس خط کے جواب میں نویدِ عافیت کا امیدوار اور یہ سوچ کر کہ آج کے آٹھویں دن جواب آئے گا، بے قرار ہوں۔

ایک عبارت کا ایک جزو بہ طریقِ خط[2] ایک انصاف دشمن کو لکھ کر چھپوا دیا ہے۔ پارسل اُس کا نواب مرزا کو ارسال کیا ہے۔ پانچ رسالے وہ میری طرف سے نذر گزرائیں گے۔ حضرت قبولِ نذر کو میرا عزّ و شرف جانیں گے:

تم سلامت رہو ہزار برس
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

۱۳ ماہ اگست ۱۸۶۵ء   دعاگو غالب

(۱۰)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ "داستانِ حمزہ" قصۂ موضوعی ہے۔ شاہ عباس ثانی کے عہد میں ایران کے صاحب طبعوں نے اس کو تالیف کیا ہے۔ ہندوستان میں "امیر حمزہ کی داستان" اس کو کہتے ہیں اور ایران میں "رموزِ حمزہ" اُس کا نام ہے۔ دو سو کئی برس اس کی تالیف کو ہوئے۔ اب تک مشہور ہے اور ہمیشہ مشہور رہے گا۔

آپ کے اس تکیہ دار، روزینہ خوار فقیر نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے مشتمل

اس التزام پر کہ تشبیب کے ۲ ابیات اور مدح کے اشعار میں حمزہ و اولادِ حمزہ و زمرشاہ وغیرہ یا اُن کے معاملات و حالات کا ذکر درمیان آئے، سو وہ قصیدہ آج اس خط کے ساتھ ارسال کرتا ہوں۔ امید ہے کہ حضرت اس کو پڑھ کر محظوظ ہوں۔ خدا آپ کو قیامت تک سلامت رکھے۔ مگر جب تک "امیر حمزہ" کا قصہ مشہور رہے گا، یہ قصیدہ بھی شہرت پذیر رہے گا:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۲۱ ماہ اگست ۱۸۶۵ء

نجات کا طالب غالب

یا وہاب

زہے دو چشمِ تو در معرضِ سیہ کاری
چو بختیارک و بختک بمردم آزاری
زہے بزورِ بدیع الزمانِ کشتی گیر
کہ کوہسار، چوں نارنجِ تر بیفشاری
زہے خیالِ تو آدم رُبا، چو تندک دیو
دماغِ اہلِ نظر قافِ اوست پنداری
ز غمزۂ تو چگویم؟ کہ آں بود زعمر
دلیر و چست و ہنرمند تر بعیّاری
اگر تو نیستی از ساحرانِ انتریا
چرا بلہوہمی آتش از ہوا باری
بدیں جمال کہ داری عجب مدار، اگر
کند چکیدۂ قدرت ترا پرستاری

بمہرِ روی تو گر دیدیم آفتاب پرست
نہ ایرجم کہ عبث تن دہم بدین خواری

سپس بمذہبِ تورج کہ بودہ ماہ پرست
ترا پرستم ازین رو کہ ماہ رخساری

توئی بمعنیِ اصلی، و بود نور الدھر
ہمیں بنام، کہ معنی نداشت، پنداری

چکد ز زلفِ تو خونِ دلم بدانگونہ
کہ ریزد از لبِ زنگی در آدمی خواری

فغان ز بارِ غمِ دہر، کان بسنجیدن
عمودِ خسروِ ہند است در گرانباری

بہ پیشِ چرخِ مشعبد چہ ہوشیار و چہ مست
کہ این بعربدہ، ہمچون عمر ز طراری

ز روی، ریش تراشد ہمی بہ بیہوشی
ز فرق، تاج رباید ہمی بہ ہشیاری

خصوصاً بمن افتادہ زالِ دینارا
کہ "دُم خبیثہ" بود در فنونِ مکاری

بجیشِ عشق منم سر برہنہ تیشی
کہ موی سر بسرم کردہ است دستاری

نہیبِ فتنہ بہ الچوب ششش گزی ماند
کہ بود ہر لکدش را جراحتِ کاری

شدست لاغریِ من گلیمِ غیبیِ من
کہ باشم، و تو ام از حاضران نہ انگاری

منم کہ فکرِ من اندر زمینِ شعر و سخن
ہمیگذشت ز اشقر بہ تیز رفتاری

چہ اوفتادہ کہ یارب کنون چو ارنائیس
بخاک و خون تپیدم تن ہمی بہ ناچاری

چنان بخوردنِ غم عادیم کہ چون عادی
بتودہ ہیچگہے سیریم ز پُر خواری

نہادہ ہم نفسان نامِ من ملک قاسم
زخونِ دیدہ بودِ بسکہ جامہ گلناری

رسیدہ بخل بفکرِ من از غمِ میراث
کہ ہیچگہ ندہد در سخن مرا یاری

دروغ گفتہ ام آن فکرِ نیز زنبیل است
کہ گم شود ز غمَ در دمِ گرفتاری

چو حمزہ را بجہان بعدِ مرگِ مہرنگار
ز تیغ و تاج و نگیں روی داد بیزاری

نماند در نظرِ دزدِ کہنہ اسلوبے
جز آن کہ باز کشاید دکانِ عطاری

دلست حمزہ و لب در فسونگری عمر است
بدا لبے کہ ز دل نبودش مددگاری

شد آن کہ بود کلامم طلسمِ گوہر بار
ہمارہ نہر ز آبِ گہر دراں جاری
چو حمزہ کش یعقابین درکشید فلک
بہ دامِ وام، نفس میکشم بد شواری
بقاست قرض و منم حمزۂ و ز بہرِ منند
چہل خلیفہ تقاضائیانِ بازاری
چو ساحران ہمہ را شغلِ آتش افشانی
چو اژدہا ہمہ را ذوقِ آدم اوباری
ز زہر مہرہ نشد زہرِ حمزہ بہ، آں بہ
کہ نوشد اروئ نوشیرواں، بچنگ آری
مگر بفضلِ وی آیم برونِ زبندِ بلا
چنانکہ حمزہ بہ نیروئ پیرِ فرخاری
امیرِ کلبِ علی خاں بہادر آن کہ بود
عدیلِ حمزہ در اسپہبدی و سالاری
درش نوازشِ طبلِ سکندری دارد
خہے بلندیٔ آوازۂ جہانداری
بود یلارکِ افراسیابیش در کف
کہ ہیچگہ نشود چوں ہلال، زنگاری
چگوییم از تمطِ لشکرِ ظفر پیکر
کہ در شمار نیاید ہمی ز بسیاری

همه مقابلِ مقبل، به ناوک اندازی
همه مساهمِ خسرو، به طاقت اظهاری
بیا به بین که در اردوی این امیرِ کبیر
سپرده اند علمشاه را علمداری
چو قندر آن که جلو دارِ حمزه بود اینک
رسیده است بخاقانِ چین جلو داری
سزد که فخر بر اقبالِ خود کند لندور
ازین که یافته توقیعِ گرز برداری
مپرس پرورش از هستیِ زمردشاه
مگر یکے بود از کافرانِ زنهاری
شنیدهٔ که خداوند باختر چون بود
کنون به بندگیِ خواجه گشت اقراری
گزشت آن که "چه تقدیر کرده ام" می گفت
بمقتضایِ غلط فہمی و غلط کاری
کنون به عجز "چه تقصیر کرده ام" گوید
ز بندگانِ خدا چون بوی رسد خواری
رموزِ حمزه فرو هِل خمش نشین غالب
چرا مرا به سخنہاے ہرزہ آزاری
ز تست رونقِ گیتی به دانش آرائی
ز تست زینتِ معنی به نغز گفتاری

قصیدۂ تو ولے کا سۂ گدائی تست

ستوہ آمدہ باشی ز رنجِ ناداری
غمیں مباش کہ از گنج خانۂ نواب
خود آں قدر کہ بدل داشتی بدست آری
بوقتِ گدیہ گدارا دعاست دست آویز
بر آر دست بدرگاہِ حضرتِ باری
چراغِ دودۂ سرور علی محمد خاں
گزین ہمالِ تمر در فنِ سپہداری
زروی کلب علی خاں ہمیشہ روشن باد
چناں کہ تابشِ مہر از سپہرِ زنگاری

(۱۱)

حضرت ولی نعمت، آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم عرض یہ ہے۔ فقیرِ تکیہ دار، روزینہ خوار، غالبِ خاکسار حیران ہے کہ شکر بجالائے آپ کی عنایت کا یا ذکر کرے آپ کی کرامت اور ولایت کا۔ آپ بے شبہہ رونقِ مسندِ علم و یقین ہیں۔ تکلف برطرف امیر المسلمین ہیں۔ یہ نہ فقط از روے ارادت ہے بلکہ یہاں مشاہدۂ خرقِ عادت ہے۔ ان دنوں میں متفرقات کے قرض دار سرگرمِ تقاضا بلکہ آمادۂ شور و غوغا تھے۔ دو سو روپیے کی ہنڈوی صراحیِ آبِ حیات ہوگئی۔ دامِ مرگ سے نجات ہوگئی۔ لطف یہ کہ آج بروزِ دوشنبہ اکیس اگست کو نو بجے اول روز ایک قصیدے کا لفافہ بھیجا گیا۔ اسی دن بارہ پر تین بجے یہ کرشمۂ کرامت دیکھا گیا۔ قصیدے کے لفافے میں ایک عرضداشت ہے، اُس سے قصیدے کی حقیقت اور خود اُس نظم سے طرزِ نگارش کی جدت ظاہر ہو جائے گی۔ حضرت کے انبساطِ خاطر

کے واسطے یہ ایجاد ہے۔ مجھے ہر طرح کی نظم و نثر سے آپ کی خوشی اور خوشنودی مراد ہے۔
انجامِ قصیدہ میں جو قرض کے گلے پائے جائیں اُس مجموع میں سے اہلِ بازار منہائی کیے جائیں۔
کوٹھی والے ساہو کار "چہل خلیفہ" گنے جائیں:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نگاشتہ دوشنبہ ۲۱، اور رواں داشتہ سہ شنبہ ۲۲ اگست ۱۸۶۵ء

ترقیِ عمر و دولتِ خداوند کا طالب غالب

(۱۲)

حضرتِ ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ میں طبیب نہیں، مگر تجربہ کار ہوں۔ ستر برس کا آدمی ہوشیار ہوں۔ اور سے یہ کہا نہیں جاتا حضرت پر بغیر ظاہر کیے رہا نہیں جاتا۔ خدا جانے اور طبیب کیا سمجھے ہوں گے کہ کیا تھا۔ میرے نزدیک بہ اشتراکِ معدہ و قلب یہ مرض طاری ہوا تھا۔ اب آپ کو حفظِ صحت کے واسطے گاہ گاہ نارجیلِ دریائی و جدوار کا استعمال ضرور ہے اور معجونِ طلائی عنبری تقویتِ قلب میں مجوزۂ حکیم ببر علی خاں مغفور ہے۔ ورق طلا، عنبر اشہب، عرقِ کیوڑہ، قند۔ کثرتِ اجزا اس ترکیبِ خاص میں ناپسند۔ کثیر الاجزا اور معجونیں ہیں مفرحِ بو علی سینا، خمیرۂ مروارید، خمیرۂ گاؤزبانِ عنبری، ماء اللحم غیر منقّٰی، جس میں طیور کے گوشت اور ادویۂ مفرح و مقوی حرارت و برودت میں معتدل۔ گاہ گاہ سکنجبین و گلاب پی لیا کیجیے۔ غذا میں گوشتِ طیور اکثر، بیضۂ نیم برشت اکثر، لیکن یہ خیال رہے کہ بیضۂ مرغ و لحمِ طیور ایک جلسہ میں تناول نہ فرمائیے۔ بکری کے گوشت کے ساتھ بیضۂ مرغ جائز اور لذیذ اور مرغوب۔ پودینے کا عرق، چھوٹی الائچی کا عرق ہمیشہ دواخانے میں موجود رہے۔ عطریات کے استعمال میں مبالغہ، بعد غذا میاشرت سے پرہیز۔ شوربائے پاچۂ گوسفند مائدۂ خاص پر موجود رہے۔ بہ حسبِ رغبتِ طبیعت نوشِ

جاں فرماتے رہیئے :

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

نگاشتۂ سہ شنبہ و رواں داشتۂ سہ شنبہ
۲ اگست ۱۸۶۵ء   سلامت و صحت کا طالب   غالب

(۱۳)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ شرف افزا عطوفت نامہ عزّ ورود لایا۔ اگست ۱۸۶۵ء کی تنخواہ کا سو روپیہ از روئے ہنڈوی ملفوفہ معرضِ وصول میں آیا۔

زیادہ حدِ ادب :

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

دو شنبہ ۱۱ ستمبر ۱۸۶۵ء   نجات کا طالب   غالب

(۱۴)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ چاہتا ہوں کہ کچھ لکھوں مگر نہیں جانتا کہ کیا لکھوں۔ لازم تھا کہ تعزیت نامہ بہ زبانِ فارسی و عبارتِ بلیغ لکھوں۔ آپ کے قدموں کی قسم دل نے قبول نہ کیا۔ آرایشِ گفتار نظماً و نثراً واسطے تہنیت کے ہے کہ دل کثرتِ نشاط سے گل کی طرح کھل رہا ہے، طبیعت راہ دیتی ہے، الفاظ ڈھونڈے جاتے ہیں، معنی پیدا کیے جاتے ہیں۔ اب میں نیم مردہ، دلِ پژمردہ، خاطر افسردہ، جس باب میں لفظ و معنی فراہم کیا چاہوں، وہ سراسر طبع کے خلاف۔ جس بات کا تصور ناگوار ہو، اُس کے تذکر سے جی کیوں نہ بے قرار ہو۔ یہ میری قسمت کی

خوبی ہے کہ ہنوز تہنیت اور مدح کا حق ادا نہ ہوا تھا کہ مرثیہ لکھنا پڑا۔ اگر ایک بات میرے خیال میں نہ آئی ہوتی تو مجھے زندگی دشوار تھی یعنی حضور کو ابتدائے جلوس میں وہ رنج پہنچا کہ اُس سے زیادہ تصور میں نہیں آتا۔ پس وسادہ نشینی کی بدایت اور غمگینی کی نہایت یہ چاہتی ہے کہ اب مدت العمر ابداً مؤبداً حضرت کو کوئی غم نہ ہو۔ ہمیشہ جہاندار و جہانستان و شاد و شادمان رہیں۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۸ ستمبر ۱۸۶۵ء
آپ کے قدم بوس کا طالب غالبؔ

قطعۂ تاریخ رحلت سکندر زمانی بیگم

دریغا کہ ماند تہی قصرِ دولت
ز خاتونِ نامی، سکندر زمانی
چو سیّارِ روضہ "بود سالِ فوتش" (۱۲۸۴)
سپس اسمِ وے باد "جنّت مکانی"

(۱۵)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ ہرچند آبدار خانے کے ساتھ ہونے سے پانی کی طرف سے خاطر جمع ہے کہ حضور جو پانی ہمیشہ پیتے تھے، وہی پیتے ہوں گے، مگر ہرجِ سفر اور اختلافِ ہوا کا خیال ہے۔ توقع رکھتا ہوں کہ نویدِ صحت و اعتدالِ مزاج اقدس سے عزّ اطلاع پاؤں۔ بُعد اگرچہ بہت نہیں لیکن طبع پر گراں ہے۔ چشم شوقِ ورودِ موکبِ عالی کی نگراں ہے۔ بہ قولِ استاد بہ تغیرِ لفظ:

جو تم پھر آؤ تو حضرت پھریں ہمارے دن[1]

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

چہار شنبہ ۸ نومبر ۱۸۶۵ء

دوامِ بقائے حضور کا طالب فقیر غالب

(۱۶)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ مراد آباد پہنچا[2]۔ بعد پالکی کے اتر آنے کے پل کا ٹوٹ جانا، گاڑی اسباب یہاں تک کہ رختِ خواب کا مع آدمیوں کے اسی زمہریر کے میدان میں رہنا، بغیر جاڑے کے کچھ نہ کھانا۔ خیر جو اُن پر گزری، وہ جانیں۔ میں مراد آباد کی سرا میں ایک چھوٹی سی حویلی میں ٹھہرا۔ بھوکا پیاسا کمل اوڑھ کر پڑ رہا۔ یہ شعر اپنا پڑھ پڑھ کر صبح کی:

گرمِ فریاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے
تب اماں ہجر میں دی بردِ لیالی نے مجھے

صبح کو خستہ و رنجور اٹھا۔ صاحبزادہ ممتاز علی خاں بہادر کے بھیجے ہوئے دو فرشتے آئے۔ اٹھا کر سعید الدین خاں صاحب کے ہاں لے گئے۔ صاحبزادے صاحب نے وہ تعظیم و تکریم اور سعید الدین خاں صاحب نے وہ تکریم و تعظیم کی کہ میری ارزش سے زیادہ تھی۔ ناگاہ مولوی محمد حسن خاں بہادر صدر الصدور آئے اور مجھے اپنے گھر لے گئے[3]۔ پانچ دن وہاں رہا۔ بھائی نواب مصطفٰے خاں بہادر وہیں مجھ سے آ کر ملے۔ دوسرے دن وہ رہگرائے دار السرور رام پور اور میں جادہ نوردِ ستم آبادِ دہلی ہوا۔ دو شنبہ ۲۰ شعبان ۱۲۸۲ھ، ۸ جنوری ۱۸۶۶ء درِ غم کدہ پہ پہنچا۔ حضور کے اقبال کی تائید تھی ورنہ میں اور جیتا دلی پہنچتا:

مغلوبِ غلبۂ غمِ دل، غالبِ حزیں
کاندر تنش ز ضعف "تواں گفت" "جاں نبود"
از رام پور زندہ بدہلی رسیدہ است
مارا بدیں گیاہِ ضعیف ایں گماں نبود

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عز و جاہ روز افزوں

چار شنبہ ۲۲ شعبان ۱۲۸۲ھ
و ۱۰ جنوری سالِ جشنِ حضور ۱۸۶۶ء[۲] نجات کا طالب غالب

(۱۷)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامۂ والا کے مشاہدے نے مجھ کو میری حیات پر یقین عنایت کیا۔ اس سفر کا حال کیا عرض کروں۔ دلی سے رام پور تک ذوقِ قدم بوس میں جو آنا نہ گیا۔ اختلافِ آب و ہوا و تفرقۂ اوقاتِ غذا کو ہرگز نہ مانا اور رنجِ راہ کو ہرگز خیال میں نہ لایا۔ وقتِ معاودت اندوہِ فراق نے وہ فشار دیا کہ جوہرِ روح گداز پاکر ہر بُنِ مو سے ٹپک گیا۔ اگر آپ کے اقبال کی تائید نہ ہوتی تو دلی تک میرا زندہ پہنچنا محال تھا۔ جاڑا، مینہ، قبض و انقباض، فقدانِ جوع، فاقہ ہائے متواتر، منزل ہائے ناما نوس، ہاپوڑ تک آفتاب کا نظر نہ آنا۔ شب و روز ہوائے زمہریر کا جانگزا رہنا۔ بارے ہاپوڑ سے چل کر نیرِ اعظم کی صورت دکھائی دی۔ دھوپ کھاتا ہوا دلی پہنچا۔ ایک ہفتہ کوفتہ و رنجور رہا۔ اب ویسا ہی ناتواں ہوں جیسا کہ اس سفر سے پہلے تھا۔ خدا وہ دن کرے کہ پھر اس در پر پہنچوں:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۲۱ جنوری ۱۸۶۶ء نجات کا طالب غالب

(۱۸)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیع وقیع مع سو روپے کی ہنڈوی کے عزِ ورود لایا، جنوری ۱۸۶۶ء کی تنخواہ کا روپیہ معرضِ وصول میں آیا۔

آپ کے غلامِ نو خرید نے اپنی تنخواہ کا حال پوچھا، میں نے حضور کا خط اُسے دکھا دیا، نا امیدانہ چپ ہو رہا۔

آپ اس درویشِ دلریش کا حال سنیے۔ سامعہ مدت سے کھو بیٹھا، اب آنکھوں کو بھی رو بیٹھا۔ دور سے صرف قد و قامت آدمی کا دیکھا جاتا ہے، چہرہ اچھی طرح نظر نہیں آتا ہے۔ فقدانِ طاقت، سقوطِ اشتہا، ضعفِ بصر، ضعفِ بخت، میرا حال بعینہٖ میرے اس شعر کے موافق ہے:

در کشاکشِ ضعفم نگسلد رواں از تن
اینکہ من نمی میرم، ہم ز نا توانیہا ست

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۵ فروری ۱۸۶۶ء نجات کا طالب غالب

(۱۹)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیعِ وقیع کے ورود نے میری آبرو بڑھائی، اُس میں سے میں نے

سو روپے کی ہنڈوی پائی۔ زرِ مندرجۂ ہنڈوی معرضِ وصول میں آیا۔ فروری ۱۸۶۶ء کی تنخواہ کا روپیہ میں نے پایا۔

زیادہ حدِ ادب :

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

فقط۔

معروضہ ۱۵ مارچ ۱۸۶۶ء عنایت کا طالب غالب

(۲۰)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ اپنا حال اس سے زیادہ کیا لکھوں کہ آگے ناتواں تھا اور اب نیم جاں ہوں۔ برخوردار نواب مرزا خاں اپنے مشاہدے کے مطابق جو میری حقیقت عرض کرے وہ مسموع و مقبول ہو۔

حضور! اس مطلع کے لفظ و معنی کی حدت و جدّت کی داد چاہتا ہوں :

ہم در قیام زندہ نیم کز برای خویش
آں وقت لاے نافیہ ام از دو پای خویش

ایک غزل نئی طرز کی نئی بحر میں عرض کرتا ہوں۔ یہ جشنِ حال کی نذر ہے۔ خدا کرے مقبول ہو۔

زیادہ حدِ ادب :

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۲۹ مارچ ۱۸۶۶ء نجات کا طالب غالب

بحر ہزج مثمّن سالم[1]
فعلاتُن فعلاتُن فعلاتُن فعلاتُن

اے خداوندِ خردمند و جہاں داورِ دانا
وے بہ نیروی خرد بر ہمہ کردار توانا
اے برفتار و بدیدار، بزیبائی و خوبی
سروِ نوخاستہ آسا، مہِ ناکاستہ مانا
بہ ادا پایہ فزایا، بنظر عقدہ کشایا
بکرم ابرِ عطایا، بہ غضب برق سنانا
بہ نگہ خستہ نوازا، بسخن بذلہ طرازا
بہ قلم غالیہ سایا، بہ نفس عطر فشانا
شہ نشاں کلب علی خاں کہ توئی یوسفِ ثانی
نبود ثانی و ہمتایِ تو در دہر ہمانا
دانم از حال و مآلم خبرے داشتہ باشی
سرنوشتِ ازلی گرچہ ندارد خطِ خوانا
دشمنم چرخ و تو بینی و نسوزی بہ عتابش
بہ عدو صاعقہ ریزا، بہ محب فیض رسانا
جانشینِ تو کند نامِ ترا زندہ بگیتی
بادِ فردوسِ بریں جایِ تو فردوس مکانا
غالب از غم چہ خروشی، تبوزیباست خموشی
باکریم ہمہ داں ہیچ مگو، ہیچ مدانا

(۲۱)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ مکرمت ظہور مع ہنڈوی عز ورود لایا۔ سو روپیہ تنخواہ اپریل ۱۸۶۶ء کا معرضِ وصول میں آیا۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۴ مئی ۱۸۶۶ء عنایت کا طالب غالب

(۲۲)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے، جب بادشاہِ دہلی نے مجھ کو نوکر رکھا اور خطاب دیا اور خدمتِ تاریخ نگاریِ سلاطینِ تیموریہ مجھ کو تفویض کی تو میں نے ایک غزل طرزِ تازہ پر لکھی۔ مقطع اُس کا یہ ہے:

غالبؔ، وظیفہ خوار ہو، دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے جو کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

اب مقطع کی صورت بدل کر حضور کی نذر کرتا ہوں۔ خدا کرے[2] کہ حضرت کے پسند آئے۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۹ جون ۱۸۶۶ء عرضداشتِ اسد اللہ بیدستگاہ

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں، پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

یارب، زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے
لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

حد چاہیئے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
رتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں

کرتے ہو مجھ کو منعِ قدم بوس کس لیے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

قطعہ

در پر امیر کلب علی خاں کے ہوں مقیم
شائستۂ گدائیِ ہر در نہیں ہوں میں

بوڑھا ہوا ہوں، قابلِ خدمت نہیں اسد
خیرات خوارِ محض ہوں نوکر نہیں ہوں میں

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل ایک عرض داشت مع ایک غزل کے ڈاک میں بھیجی گئی۔ شام کو منشورِ عطوفت مع ہنڈویِ تنخواہِ مئی ۱۸۶۶ء عزّ ورود لایا۔ سو روپیہ معرضِ وصول میں آیا۔ آج صبح دم وقتِ تحریرِ اس عرضی کے، حضرت فردوس مکاں کا دیوان پیشِ نظر تھا اُس میں یہ شعر نظر پڑا، اس کے مضمونِ حکیمانہ و عارفانہ نے بڑا مزہ دیا۔ یقین ہے کہ اُس کو پڑھ کر حضرت بھی حظ اُٹھائیں گے:

وہ جس طرح سے جسے چاہے اس طرح پالے
کسی کا کچھ نہیں پروردگار پر لینا

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

معروضۂ دہم جون ۱۸۶۶ء   عرضۂ اسد اللہ ترقی خواہ

(۲۴)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیعِ وقیع عزّ ورود دلایا۔ غزل کے پسند آنے نے میری سخنوری کا رتبہ بڑھایا۔ فلک نہیں چاہتا کہ میرا کلام مقبولِ طبائع اہلِ کمال ہو۔ حضرت کو خالقِ اکبر نے وہ قوت اور طاقت عطا کی ہے کہ آپ علی الرغمِ فلک کام کر سکتے ہیں:

قسمت بری سہی، پہ طبیعت بُری نہیں
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

فلک نے مجھ پر بڑے بڑے اُلجھاؤ غم و فکر کے ڈالے مگر میری طبیعت بدل

نہ سکا نہ میں نے بہ جنابِ باری بہت تضرع وزاری کی مگر اپنی قسمت بدل نہ سکا۔
زیادہ حدِّ ادب :

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزون
تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۲۸ جون ۱۸۶۶ء عرضداشتِ اسداللہ بیدستگاہ!

(۲۵)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت

بعد تسلیم معروض ہے۔ آج شنبہ، دس ماہِ اگست ۱۸۶۶ء کی ہے۔ فقیر چشم براہ تھا کہ اب ڈاک کا ہرکارہ آتا ہے اور ہنڈویِ ملفوفۂ نوازش نامہ لاتا ہے۔ ناگاہ اس وقت ڈاک کا آدمی ایک خط برخوردار منشی سیل چند کا لایا۔ اُس میں مندرج تھا کہ تو نے جون سنہ حال کی تنخواہ کی رسید کیوں نہ بھیجی اور بعد اُس کے یہ لکھا تھا کہ جولائی کی تنخواہ کی چٹھیاں ہوتی جاتی ہیں۔ اب دو ایک دن میں تیری تنخواہ بھی بھیجی جائے گی۔ متحیّر کہ یارب میں حسبِ معمول تنخواہِ جون کی رسید ارسال کر چکا ہوں، اب دوبارہ رسید کیوں مانگی جاتی ہے۔ پھر یہ تو گویا پیامِ مرگ تھا کہ جولائی کی تنخواہ اب روانہ ہو گی۔ یارب دس کو وعدہ، تیرہ چودہ کو چلے گی۔ بیسویں تک مجھے پہنچے گی اور میرا حال یہ کہ انگریزی تنخواہ گھر میں اور کچھ قرض کی قسطیں جاتی ہے، حضور کے عطیے پر میرا اور شاگرد پیشے کا اور حسین علی کا گزارا[۲] ہے۔ عالم الغیب جانتا ہے، جس طرح گزرتی ہے۔ چار سو ساڑھے چار سو کا قرض باقی ہے، اب کوئی قرض بھی نہیں دیتا۔ خلاصہ دو عرضیں ہیں: ایک تو یہ کہ میں جون کی تنخواہ کی رسید بھیج چکا ہوں۔ اگر ڈاک میں تلف ہو گئی ہو تو اور لکھ بھیجوں۔ دوسری یہ کہ اس مہینے کی، یعنی جولائی کی تنخواہ تو خیر

بیس ماہِ اگست تک پہنچ جائے گی۔ آئندہ کو حکم ہو جائے کہ ہر مہینے کی پہلی دوسری کو فقیر کی تنخواہ کہ وہ محض صیغۂ خیرات ہے بھیجی جایا کرے۔

تم سلامت رہو قیامت تک

دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

شنبہ ۱۰ ماہ اگست ۱۸۶۶ء   نجات کا طالب غالب

(۲۶)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ پہلے اپنا حال عرض کر لوں تب کچھ اور مدعا لکھوں۔ غم نے بہ شمول بڑھاپے کے پست و مضمحل کر دیا ہے۔ حضرت کے قدموں کی قسم! نہ حواس درست، نہ رائے صحیح۔ برسوں سے مکروہات میں مبتلا رہتے رہتے اب طاقت تحمّل کی نہ رہی۔ خدا جانے کیا ہوتا ہے، کیا سمجھتا ہوں۔ کیا کرنا چاہیے کیا کرتا ہوں۔

کل آخرِ روز میر منشی حضور کا خط آیا۔ جون کی تنخواہ کی رسید کے نہ پہنچنے کی اطلاع پائی۔ تہی دستی و قرض کے رنج میں خستہ و آزردہ بیٹھا تھا۔ اسی وقت عرضی لکھی۔ اگرچہ ڈاک کا وقت نہ تھا مگر بھیج دی۔ آج آخرِ روز توقیع وقیع مع جولائی کی تنخواہ کی ہنڈوی کے پہنچا۔ ہنڈوی مختارِ کار کو دی اور یہ عرضی لکھنے بیٹھا، لکھ کر لفافہ کر رکھتا ہوں۔ کل صبح دم ڈاک میں بھیج دوں گا۔ اگر عرضیِ سابق میں کوئی بات گستاخی و دیوانگی و بدحواسی کی ہو تو فقیر کی خطا معاف ہو۔ میرِ منشی صاحب کے اگر مخالفِ طبع کوئی لفظ ہو تو وہ بھی درگزر کریں۔ جون کی تنخواہ کی رسید کا لفافہ ڈاک میں گم ہو گیا ہو گا۔ اگر میں بھی بھول گیا ہوں تو بعید نہیں۔ بلکہ اغلب ہے کہ غالب کو سہو ہوا ہو۔ ملازمانِ درِ دولت پر ظاہر ہو کہ جون کی تنخواہ جولائی میں اور جولائی کی اگست میں میں نے پائی۔ آئندہ ہر انگریزی مہینے کی دوسری تیسری کو روانگیِ ہنڈوی کا متوقع ہوں۔

زیادہ حدِّ ادب :

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۳ اگست ۱۸۶۶ء
عفو و رحم کا طالب غالبؔ

(۲۷)

حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت! مدظلہ العالی۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیعِ وقیع مع دیباچۂ شرحِ اشعارِ بدر چاچی عزِّ ورود لایا۔ کیا عرض کروں کہ کیا عالم نظر آیا۔ واقعی افتتاحِ کلام بہ طرزِ مرزا طاہر وحید اور پھر نگارشِ مطالب بہ شیوہ مرزا جلالای طباطبائی ہے، لیکن دونوں صورتوں میں "دیباچۂ اعجازِ خسروی" کا رنگ جلوہ گر ہے۔ پس ناقدِ بصیر کے نزدیک یہ نگارش، طاہر وحید اور جلالا کی عبارت سے بہتر ہے۔ یہ عرضداشت جلد بھیجتا ہوں تاکہ حضرت پر پہنچنا اُس دیباچے یا تقریظ کا ظاہر ہو جائے۔

برسات ایسی ہوئی ہے کہ میں باون ترپن برس سے یہاں رہتا ہوں۔ عرش آرام گاہ اکبر شاہ کے عہد میں ایک بار ایسی برسات دیکھی تھی، یا امسال نظر آئی ہے۔ اوراقِ مرسلہ حضور، مومیں جامے میں لپیٹ کر بہ سبیلِ پارسل ارسال کروں گا، پرسوں دو شنبے کو یا سہ شنبے کو:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

روز ۲۸ شنبہ یکم ستمبر ۱۸۶۶ء
نجات کا طالب غالبؔ

(۲۸)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ مکرمت ظہورِ عزِّ ورود لایا۔ سو روپیہ بابت تنخواہِ ماہِ اگست

۱۸۶۶ء معرضِ وصول میں آیا۔

نثرِ نثرہ نثار کے اوراق تین تمبر باہ حال کو ارسال ہوئے ہیں نظرِ انور سے گزرے ہوں گے۔ ؎

اردو کا دیوان ایک شخص کو دیا ہے۔ فارسی دیوان کا شیرازہ کھول کر چند شخصوں کے حوالے کیا ہے۔ بعد اتمامِ تحریر نذر کیا جائے گا۔ بھائی ضیاء الدین خاں کا مجموعۂ نثر و نظمِ فارسی و اردو، سراسر دیکھا ہوا میرا، جو اُن کے کتب خانے میں تھا، غدر میں لٹ گیا۔ بعد غدر ذوقِ شعر باطل اور دل افسردہ ہو گیا۔ دو تین غزلیں فارسی، ہندی جو لکھی ہیں اُن کا انتخاب بھی پہنچے گا :

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

دو شنبہ ۱۰ ستمبر ۱۸۶۶ء

اسد اللہِ بیدستگاہ

(۲۹)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ خاطرِ اقدس میں نہ گزرے کہ غالب تعمیلِ احکام میں کاہل ہے۔ بصارت میں فتور، ہاتھ میں رعشہ، حواس مختل۔ ناچار کاتب کی تلاش کی۔ شہر سراسر ویران ہے۔ کاتب کہاں؟ بارے ایک دوست نے کاتب کا نشان دیا — اردو کا دیوان اشعار پر صاد کر کے اُس کو حوالے کیا۔ کل وہ اجزائے منقولہ آئے، آج بہ طریقِ پارسل مع اس عرضی کے ارسال کیے۔ خط کاتب کا مجھ کو پسند نہیں آیا حضرت کو کیوں کر پسند آئے گا۔ اغلاط اتنے تھے کہ مجھ کو تحریر کے برابر محنت پڑی۔ فارسی کے کلیات کا شیرازہ کھول کر اجزا اُس کے احباب پر تقسیم کر دیے ہیں، جا بہ جا اشعار پر صاد کر دیے ہیں، وہ بھی میرے انتخاب کے مطابق نقل ہو رہے ہیں۔ بعد اتمام وہ بھی پیشکش کر دوں گا۔

زیادہ حدِ ادب :

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

سہ شنبہ ۱۸ ستمبر ۱۸۶۶ء ترحم کا طالب غالب

(۳۰)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ اردو دیوان کا انتخاب بھیج چکا ہوں۔ یقین ہے کہ حضرت کی نظرِ انور سے گزر گیا ہو۔ آج فارسی دیوان کا انتخاب بہ طریقِ پارسل اس عرضی کے ساتھ بھیجتا ہوں اور بھائی ضیاء الدین خاں بہادر نے جو اوراق میرے پاس بھیجے ہیں وہ بھی اسی پارسل میں رکھ دیے ہیں حضرت اس غریب کا مجموعۂ نظم و نثر غدر میں لُٹ گیا، بعد غدر جو کچھ کہا ہے وہ یہی ہے جو پہنچتا ہے۔ اِس درویش نے صرف غزلوں اور رباعیوں کا انتخاب بھیجا ہے۔ قصائد و قطعات و مثنویات کا انتخاب ابھی نہیں بھیجا اگر حکم ہو تو وہ بھی بھیجوں۔

زیادہ حدِّ ادب:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۲۴ ستمبر ۱۸۶۶ء عنایت کا طالب غالب

(۳۱)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ مکرمت ظہورِ عزِّ ورود لایا۔ سو روپیہ بابت تنخواہِ ماہِ ستمبر ۱۸۶۶ء معرضِ وصول میں آیا۔

اشعارِ فارسی و اردو پہنچے۔ خدا کرے پسند آئیں۔

افسوس کہ برخوردار نواب مرزا خاں نے میرا حال سامعۂ اقدس پر عرض نہ کیا۔

حضور ملک و مال جس کو جس قدر چاہیں عطا کر سکتے ہیں۔ میں آپ سے صرف راحت مانگتا ہوں اور راحت منحصر اس میں ہے کہ قرض باقی ماندہ ادا ہو جائے اور آئندہ قرض لینے کی حاجت نہ پڑے۔ ؏ :

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

ششم اکتوبر ۱۸۶۶ء اسد اللہ بے دستگاہ

(۳۲)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ اس عنایت نامے میں ایک فقرہ نظر پڑا کہ جس سے میں کانپ اُٹھا: "مرا از ان مشفق واسطۂ تلمذ بودہ است"۔ یہ ذلیل کو عزّت دینی اور دکانِ بے رونق کی خریداری کرنی ہے، میں تو حضرت کو اپنا استاد اور اپنا مرشد اور اپنا آقا جانتا ہوں۔

بدو فطرت سے میری طبیعت کو زبانِ فارسی سے ایک لگاؤ تھا۔ چاہتا تھا کہ فرہنگوں سے بڑھ کر کوئی ماخذ مجھ کو ملے۔ بارے مراد بر آئی اور اکابرِ پارس میں سے ایک بزرگ یہاں وارد ہوا اور اکبر آباد میں فقیر کے مکان پر دو برس رہا اور میں نے اُس سے حقائق و دقائق زبانِ پارسی کے معلوم کیے۔ اب مجھے اس امرِ خاص میں نفسِ مطمئنہ حاصل ہے، مگر دعویِ اجتہاد نہیں ہے، بحث کا طریق یاد نہیں۔

میاں انجو جامعِ فرہنگِ جہاں گیری"، شیخ رشید راقمِ "فرہنگ رشیدی"، عظمائے عجم میں سے نہیں، ہند اُن کا مولد، ماخذ ان کا اشعارِ قدما ہادی اُن کا اُن کا قیاس ٹیک چند اور سیالکوٹی مل اُن کے پیرو۔ سبحان اللہ ہندی بھی اور ہندو بھی! نورٌ علیٰ نور! فقیر اشعارِ قدما کا معتقد، اُن لوگوں کے کلام کا عاشق۔ مگر جو لغات اُن کے کلام میں ہیں اُس کے معنی تو اہلِ ہند نے اپنے قیاس سے نکالے ہیں میں اُن کے قیاس پر کیوں کر تکیہ کروں۔ اب جو پیر و مرشد نے لکھا کہ "ارتنگ وارژنگ" متحد المعنی اور آشیاں ساختن و بستن و چیدن "گھونسلا بنانے کے معنی پر ہے۔" تو میں نے بے تکلف مان لیا، لیکن نہ اُن صاحبوں کے قیاس کے بہ موجب، بلکہ

اپنے خداوندِ نعمت کے حکم کے مطابق:

تم سلامت رہو

دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

۱۷ اکتوبر ۱۸۶۶ء — انصاف کا طالب غالب

(۳۳)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ آج سہ شنبہ سولہ ماہِ اکتوبر کی، دن کو بارہ بجے کھانا کھا کر بیٹھا تھا کہ توقیعِ وقیع آیا۔ پڑھتے ہی کانپ اٹھا اور عالم نظر میں تیرہ و تار ہو گیا۔ اگر حضور کے ارشادات کو بحث تعبیر کیا ہو تو مجھے جنابِ الٰہی اور حضرتِ رسالت پناہی کی قسم! اگرچہ فاسق و فاجر ہوں، مگر وحدانیتِ خدا اور نبوتِ خاتم الانبیا کا بہ دل معتقد اور بہ زبان معترف ہوں۔ خدا و رسول کی قسم جھوٹی نہ کھاؤں گا۔ انکارِ بحث سے مراد یہ تھی کہ شعرائے ہند کے کلام میں جو غلطیاں نظر آتی ہیں یا ہندی فرہنگ لکھنے والوں کے بیان میں جو نادرستی اور باہم جو ان کے عقول میں اختلاف ہیں، اُس میں، میں کلام نہیں کرتا۔ اپنی تحقیق کو مانے ہوئے ہوں اوروں سے مجھے بحث نہیں۔ باہمہ ضعفِ حافظہ یاد ہے کہ آخر میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ: "ان دونوں باتوں کو میں نے مانا، لیکن نہ فرہنگ لکھنے والوں کی رائے کے بہ موجب؛ بلکہ اپنے خداوند کے حکم کے مطابق" یہ کلمہ موجبِ عتاب نہیں ہو سکتا اور اگر اس کو گناہ سمجھا جائے:

آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

گناہ معاف کیجیے اور نویدِ عفو سے مجھ کو تقویت دیجیے:

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

سہ شنبہ ۱۶ اکتوبر ۱۸۶۶ء — عفو کا طالب غالب

(۳۴)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ ورودِ توقیع و نویدِ عفو نے رواں پروری کی۔ سو روپیہ بابت تنخواہ اکتوبر ۱۸۶۶ء از روے ہنڈوی ملفوفۂ توقیع معرضِ وصول میں آئے۔

یا امیر المسلمین! حضرت کا عزمِ رونق فزائیِ اکبر آباد سن کر چاہا کہ وہاں آؤں۔ ریل کی سواری کی تاب ہرگز نہ پائی۔ منزل بہ منزل جانے میں سوچا کہ آگرہ سات منزل، رام پور چھے منزل۔ یہاں جو جاؤں، وہیں کیوں نہ جاؤں۔ عزمِ مصمم کیا کہ اپنے فرزند اور آپ کے غلام کو بھیجوں، وہ بھی خوش خوش آمادۂ رہروے ہوا۔ ناگاہ تپِ محرق نے اُسے گھیرا اور شانے کا درد علاوہ۔ مہینا بھر ہوا کہ نہ تپ اترتی ہے نہ شانے کا درد جاتا ہے۔ حکیم احسن اللہ خاں کی تجویز سے فصد بھی کھلی، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کسی شب کچھ سو رہتا ہے ورنہ ساری رات جاگتا اور ہائے ہائے کرتا ہے۔ اُس کے ساتھ سب جاگتے ہیں:

راحتے نیست در آں خانہ کہ بیمارے ہست

مجمل یہ ہے اور مکرمی میر محمد زکی صاحب عرض کریں گے۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

معروضۂ دو شنبہ پنجم نومبر ۱۸۶۶ء عرضۂ اسد اللہ بیدستگاہ

(۳۵)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے حضور کے لشکرِ نصرت اثر کا بہ سپہ سالاریِ نواب معلی القاب جناب مہدی علی خاں بہادر اکبر آباد پہنچنا اور خیامِ فلک احتشام کا وہاں نصب ہونا اور رام پور

سے اکبر آباد تک گھوڑوں کی ڈاک کا بیٹھنا اور حضرت کا سنبھل تک بہ سبیلِ ڈاک تشریف لے جانا اور وہاں مزاجِ اقدس کا ناساز ہونا اور دار السلطنت کو معاودت فرمانا۔ یوماً فیوماً مسموع ہوا۔ غرض اس عرضداشت کی تحریر سے یہ ہے کہ حصولِ جواب سے آبرو اور خیر و عافیت مزاجِ مبارک سے عزّ و اطلاع پاؤں۔ ؎

اخبار میں مسطور اور شہر میں مشہور ہے کہ حضرت اجلاسِ کونسل کے واسطے حسب الحکم گورنمنٹ کلکتے کو تشریف لے جائیں گے، نمک خوار و عاگوئی و مدح گستری میں بہانہ طلب رہتا ہے۔ اس تقریب کا ایک قطعہ تاریخ ۱۸۶۶ء رقم کیا ہے۔ عرض کرتا ہوں، اگر پسند آئے تو اجازت مل جائے کہ اس کو کسی اخبار میں چھپوا دوں :

قطعہ

چو نواب از پہرِ اجلاسِ کونسل
بہ کلکتہ از رام پور آورد رخ
عدو را بگیر و بکش زود وی را
بجو سالِ اجلاس از "بخت فرخ"
چو گویند کز کشتنِ وی چہ خواہی
بگو حذفِ اعدادِ "وی" اینت پاسخ

"اینت" لغتِ پارسی ہے۔ مرادفِ "خہے و زہے" اور قتل کا مشار الیہ لفظ "وی" ہے جس کے سولہ عدد ہیں اور "وی" کا مشار "عدو" ہے۔ "بخت فرخ" کے ۱۸۸۲۔ جب اس میں سے سولہ کم کیے تو ۱۸۶۶ رہے۔

زیادہ حدِ ادب :

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۸ نومبر ۱۸۶۶ء ا

(۳۶)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔[1]

بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیع وقیع مع ہنڈوی تنخواہِ نومبر ۱۸۶۶ء عزِ ورود لایا۔ سو روپیہ معرضِ وصول میں آیا۔

قطعۂ تاریخ کے باب میں التماس یہ ہے کہ اب قوتِ ناطمہ پر تصرف اور معنی آفرینی کا زور مطلق باقی نہیں، مگر از راہِ فرطِ ارادت و محبت ثنا و دعا کے واسطے تقریب ڈھونڈتا ہوں۔ جب موقع پاتا ہوں، کچھ عرض کرتا ہوں۔ تخرجہ لطیف ہاتھ آگیا۔ اسی پر مدعا کی بنا رکھی۔

پیر و مرشد! اگر غازی آباد سے حضور ریل پر سوار ہوں تو فقیر کو تاریخِ ورودِ غازی آباد سے آگہی ہو جائے تاکہ میں وہاں حاضر ہو کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کروں۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۸ دسمبر ۱۸۶۶ء[2] عرضہ نگار اسد اللہ

(۳۷)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے، ایک عرضداشت بھیج چکا ہوں، اُس کا جواب نہیں پایا۔ امیدوار ہوں کہ اس عرضداشت کے جواب سے محروم نہ رہوں۔ کل دن کو دس بجے سنا کہ عالی جناب نواب مہدی علی خاں بہادر بہ سواریِ ریل آئے اور املی کے محلے میں ٹھہرے ہیں۔ کھانا کھا کر فوراً سوار ہوا۔ وہاں جاکے سنا کہ نواب صاحب ریل کے اسٹیشن پر گئے ہیں۔ گھنٹا بھر بیٹھا رہا کہ حضرت آئے۔ آگے غازی آباد کے اسٹیشن پر سے سواری ہوتی تھی۔ اب ولی محمد سوداگر کی کوٹھی کے پاس[3] جو بیگم کے باغ کے عقب ہے، نیا اسٹیشن قرار پایا ہے۔ سو صاحبزادے صاحب

نے آپ کے حضور میں اطلاع کی ہے۔ دیکھیے حضرت غازی آباد سے سوار ہوتے ہیں یا شہر میں سے۔ واسطے خدا کے مجھ کو اپنے روزِ ورود و وقتِ ورود سے اطلاع بخشیں اور اس عرضی کا جواب ایسا جلد عنایت ہو کہ فقیرِ بے سرو ساماں اپنا سامان درست کر رکھے۔

حضرت کی توجہِ باطنی، جو ہمیشہ میری مصلحِ حال اور افزایشِ عزّ و وقار کی کفیل ہے، بعد ادائے شکرِ الٰہی اُس کا سپاس بجا لاتا ہوں۔ بیش از غدر گورمنٹ کے دربار میں سات پارچے اور جیغہ، سرپیچ، مالائے مروارید تین رقمیں جواہر کی مجھ کو ملتی تھیں۔ بعد غدر اگرچہ پنسن اور دربار بحال رہا لیکن خلعت موقوف ہو گیا۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کا کل بارہ بجے چار بجے دربار تھا۔ حکم سب درباروں کو پہنچ گیا تھا۔ میں نواب مہدی علی خاں صاحب کو رخصت کر کے گھر آیا۔ دو گھنٹے کے بعد دربار میں گیا۔ خیال یہی کہ ملاقات ہو گی۔ ایک رباعی کاغذِ مذہّب پر لکھی ہوئی نذر کروں گا۔ کلماتِ عنایت سن کر چلا آؤں گا۔ نہ مجھے کچھ احتمال، نہ صاحب کمشنر بہادر شہر کو علم۔ بارے بروقتِ ملاقات تعظیم معمولی اور مصافحہ کر کے لارڈ صاحب نے کھڑے کھڑے جیغہ، سرپیچ میری ٹوپی پر باندھا اور فرمایا کہ: "یہ ہم نے آپ کے واسطے رکھا تھا۔" مالائے مروارید میر منشی نے گلے میں ڈال دی۔ یہ پارچے سات مرحمت ہوئے: دو شالہ ایک، کم خواب کا تھان ایک، بنارسی تھان سنہری بوٹے ایک، بنارسی سیلا ایک، الوان کی چادر کنارہ کلابتون ایک، کتان سبز کا تھان ایک، الوان کی چادر بے کنارہ ایک۔ میں اس عطیے کو آپ کی بخششِ معنوی سمجھا ہوں، اور دوسری بخشش، یعنی اس خط کے جواب کے جلد حاصل ہونے کا متوقع ہوں۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

روزِ سہ شنبہ ۱۸ دسمبر ۱۸۶۶ء — عرضداشت کے جواب کا طالب غالب

(۳۸)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے، نوازش نامہ مع ہنڈویِ صد روپیہ عزّ ورود لایا۔ دسمبر ۱۸۶۶ء کی تنخواہ کا روپیہ معرضِ وصول میں آیا۔ اللہ اللہ! یہ فرطِ عنایت، یہ ظہورِ مکرمت کہ حضرت ڈاک میں سوار ہونے کو ہیں اور میرے نام خط کا حکم ہو اور پھر وہ خط دستخط سے مزیّن ہو۔ دسمبر کی تنخواہ دسمبر ہی میں جاری ہو اور جنوری کی تیسری تاریخ میرے پاس پہنچ جائے ظہورِ آثارِ ربوبیت بہ وجہِ احسن واکمل:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۳۔ جنوری ۱۸۶۷ء — عنایت کا طالب غالب

(۳۹)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ حضرت کا رونق افزائے کلکتہ ہونا از روئے شمارِ رفتارِ ریل یقینی ہے مگر وہاں کی آب و ہوا کا موافق آنا اور جناب لارڈ صاحب بہادر سے ملاقات کا ہونا اور اجلاسِ کونسل کا وقوع میں آنا، یہ امور جب تک حضرت رقم نہ فرمائیں گے، دعاگو کے خیال میں کیوں کر آئیں گے۔ ناچار جرأت بہم پہنچا کر اس عرضداشت کے جواب میں ان حالات کے انکشاف کا امیدوار ہوں۔

پیر و مرشد! حضرت کے تصدق سے قرض ادا ہو گیا۔ تنخواہ نے قسط سے اور میں نے رنج سے رہائی پائی۔ ہم بہ دل ہم بہ زبان ثناخوانِ جود و نوال و دعاگوے دوامِ دولت و اقبال ہوں۔ آدھا قرض عطیۂ سابق میں اور آدھا قرض عطیۂ حال میں ادا ہو گیا۔ کہہ نہیں سکتا اور بن کہے بنتی نہیں اگر دونوں لڑکوں کا پچاس روپیہ مہینا جنوری

۱۸۶۷ء یعنی ماہِ حال وسالِ حال سے جاری ہو جائے گا اور ماہ بہ ماہ فقیر کے روزینے کے ساتھ پہنچا کرے گا تو آپ کا نمک خوار پھر کبھی قرض دار نہ ہوگا۔

زیادہ حدِ ادب :

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

معروضۂ ۸ جنوری ۱۸۶۷ء — فیض کا طالب غالبؔ

(۴۰)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت ! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے کل حضرت کے اقبال سے ایک مسرتِ تازہ مجھ کو پہنچی تفصیل اس کی یہ کہ اقبال نشان مرزا شہاب الدین خاں انگریزی خواں ہے۔ اخبار انگریزی دیکھا کرتا ہے۔ اُس نے مجھ سے بیان کیا کہ "میں نے انگریزی اخبار میں دیکھا کہ جناب نواب صاحب قبلہ جو شریکِ اجلاسِ کونسل ہوئے، تو اب گورنر جنرل بہادر مع اور کونسل نشینوں کے، نواب صاحب کے حسنِ صورت و فرطِ خُلق و لطفِ تقریر سے بہت راضی و خوشنود ہوئے اور اُن کی رائے سب کے پسند آئی"۔

ایں مراتب کے دیدہ، جز ویست
کارِ کلّی ہنوز در قدرست

روز افزونیِ دولت و اقبال کے مدارج ابھی بہت سنوں گا اور دیکھوں گا۔ اِنْشَاءَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم۔

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزون

۲۶ جنوری ۱۸۶۷ء — دوامِ دولت کا طالب غالبؔ

(۴۱)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت ! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ بہت دن تک متردد رہا کہ حضور کلکتے ہیں یا رام پور۔ چنانچہ ایک عرضداشت اسی تردد میں بھیجی بھی ہے۔ ہنوز جواب کے آنے کی مدت منقضی نہیں ہوئی۔ خیر! اُس کے جواب پر کیا موقوف ہے۔ یہ تو جان لیا کہ حضرت رونق افزائے رام پور ہیں، مگر یہ کیوں کر جانوں کہ اب بہ خجستگی و فرخندگی یہیں رونق افزا رہیں گے یا پھر کلکتے تشریف لے جائیں گے۔ خیر اس بے علمی کو سہل سمجھ لیا کہ جو کچھ ہوگا، معلوم ہو جائے گا مگر یہ کیوں کر جانوں کہ مزاجِ اقدس کیسا ہے اور جب تک یہ نہ جانوں تو آرام کیوں کر آئے۔ یہاں سے رام پور تک برابر تار برقی بھی نہیں جو خبر منگواؤں۔ آج چودہ فروری کی ہے یہ خط بھیجتا ہوں، اگر جواب آئے تو نو دن میں۔ مجھ کو اتنے دن صبر کیوں کر آئے گا۔ الٰہی آج یا کل کوئی نوازش نامہ خداوند کا آجائے۔ زیادہ حدِ ادب :

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۴ فروری ۱۸۶۷ء　　　　خیر کا طالب غالب

(۴۲)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت ! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل صبح کو میں نے خط ڈاک میں بھجوایا۔ دو امروں کے تردد کے رفع کی التماس تھی۔ ایک یہ کہ پھر کلکتے کو تشریف لے جائیے گا یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ مزاجِ اقدس کیسا ہے؟ حسنِ اتفاق یہ کہ کل ہی دوپہر کو اخبار میں دیکھا کہ حضور نے بہ وجہ ناسازیِ آب و ہوائے کلکتہ شمولِ کونسل سے انکار کیا۔ بارے اس سے خاطر جمع ہوئی۔ رہی مزاجِ مبارک کی حقیقت، اُس سے بھی فی الجملہ طمانیت ہوگئی۔ یعنی عنایت نامے میں خیر خواہ کے خلافِ مدعا کوئی بات مندرج نہ تھی۔

اسی عرضی میں یہ بھی عرض کر دیتا ہوں کہ سو روپیہ بابت تنخواہِ جنوری ۱۸۶۷ء حال میں نے پائے اور شکرِ درویش پروری بجا لایا:

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

۱۵ فروری ۱۸۶۷ء

عنایت کا طالب غالب

(۴۳)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیعِ عطوفت عزِّ ورود لایا۔ سو روپیہ تنخواہِ فروری ۱۸۶۷ء حال کا معرضِ[2] وصول میں آیا۔ اس درویش کا حال اب قابلِ گزارش نہیں۔ امراضِ قدیم بڑھ گئے۔ دورانِ سر اور رعشہ اور ضعفِ بصر تین بیماریاں نئی پیدا ہوئی ہیں۔ قلم نہیں بنا سکتا، لڑکوں سے بنوا لیتا ہوں۔ برسوں کی بات نہیں رہی، ہفتوں کی یا مہینوں کی زندگی رہ گئی ہے![3]

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

زیادہ حدِّ ادب۔

۱۳ مارچ ۱۸۶۷ء

نجات کا طالب غالب

(۴۴)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے، کل صبح کو دو گھڑی دن چڑھے نوروز ہے۔ آج یہ قطعہ، ہاتھ تھام کر لکھ کر، حضور کی نذر بھیجتا ہوں:

نوروز و دو عید از دو جانب امسال
خوب ست ز روے وضع و نیک است بفال

امید کہ ایں سہ عید نذرِ نواب
آرند دوامِ عمر و عزّ و اقبال

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

چہار شنبہ ۲۰ مارچ ۱۸۶۷ء	نجات کا طالب غالب

(۴۵)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم و تعظیم معروض ہے۔ ہنڈویِ ملفوفۂ نوازش نامے کے ذریعے سے سو روپیے مارچ کی تنخواہ کے وصول ہوئے۔

ایک رباعی بھیجتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ "دبدبۂ سکندری کے آغاز میں اس کے چھاپنے کا التزام رہے:

آن کیست کہ جسمِ ملک را جاں باشد
آن کیست کہ ہمسرِ سلیماں باشد
آن کیست کہ انجمش بفرمان باشد
کس نیست مگر کلبِ علی خاں باشد

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۶ اپریل ۱۸۶۷ء	نجات کا طالب غالب

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے۔ نمایش گاہِ سراسر سورِ رام پور کا ذکر اخبار میں دیکھتا ہوں اور خونِ جگر کھاتا ہوں کہ ہائے میں وہاں نہیں، بالاخانے پر رہتا ہوں، اتر نہیں سکتا۔ مانا کہ آدمیوں نے گود میں لے کر اتارا اور پالکی میں بٹھا دیا۔ کہار چلے، راہ میں نہ مرا اور رام پور پہنچ گیا۔ کہاروں نے جا کر بے نظیر میں میری پالکی رکھ دی۔ پالکی قفس اور میں طائرِ اسیر۔ وہ بھی بے پر و بال۔ نہ چل سکوں نہ پھر سکوں۔ جو کچھ اوپر لکھ آیا ہوں، یہ سب بہ طریقِ فرضِ محال ہے ورنہ ان امور کے وقوع کی کہاں مجال ہے۔ بارے تین بیت کا قطعۂ تاریخ بھیجتا ہوں۔ اگر پسند آئے تو میں خوشنودیِ مزاجِ مبارک سے اطلاع پاؤں:

نمایشگہے در خورِ شانِ خویش[۲]
برآراست نوّابِ عالی جناب
بہ بین چون طرب را نہایت نماند
بود سالِ آن "بخشش بیحساب"
خدایا! بیندد خداوندگار
کہ از طبعِ غالب رود پیچ و تاب

"بخششِ بیحساب" کے بارہ سو پچاسی ہوتے ہیں۔ "طرب" کی نہایت بائے موحدہ ہے۔ جب وہ نہ رہی تو دو عدد گھٹے، اور ۱۲۸۳ رہ گئے۔ فہو المقصود۔ اگر حضرت کی مرضی ہو تو "دبدبۂ سکندری" میں یہ تاریخ چھاپی جائے۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۴ ماہ اپریل ۱۸۶۷ء — داد کا طالب غالب

۱۲۴۵

(۴۷)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت اسلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیعِ وقیع عزِ ورود لایا۔ اپریل ۱۸۶۷ء کی تنخواہ کا سو روپیہ معرضِ وصول میں آیا۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عز و جاہ روز افزوں

۱۴ مئی ۱۸۶۷ء نجات کا طالب غالب

(۴۸)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت اسلامت۔

بعد ادائے مدارجِ تسلیم سوچتا ہوں کہ کیا لکھوں۔ ہے ہے میں کیوں جیتا رہا، جو صاحبزادہ محمد حسن خاں کے مرنے کی خبر سنوں اور خداوندِ نعمت کو تعزیت کے کلمات لکھوں۔ میں نیم جاں نہ مروں اور وہ نوجوان مر جائے:

سروِ چمنِ سروری افتاد زپا، ہائے

حضرت کے رنج و اندوہ کا تصور اور مارے ڈالتا ہے۔ دوسری محرم کو علی بخش خاں خانساماں مرے۔ تیسری کو یہ واقعۂ ہوش ربا پیش آیا۔ یہ تو آپ کا فرزندِ دلبند تھا، جو اس کا غم ہو وہ بجا ہے، یہ فقیر جانتا ہے کہ علی بخش خاں کے مرنے کا بھی حضرت کو بڑا رنج ہوا ہوگا۔ ایسے کارگزار، دیانتدار، ہوش مند، مزاج داں کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ بہ ہر حال رضینا برضاء اللہ۔ حضرت کے سامنے صبر و ثبات و تسلیم و رضا میں کلام کرنا ادریس کو حکمت پڑھانی اور خضر کو راہ بتانی ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۴ مئی ۱۸۶۷ء

غالب

(۴۹)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ ورودِ توقیعِ وقیع سے فیض پایا۔ سو روپیہ مئی ۱۸۶۶ء کی تنخواہ کا معرضِ وصول میں آیا:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۱ جون ۱۸۶۶ء — اسداللہ بیدستگاہ

(۵۰)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے کہ توقیعِ وقیعِ عزّ ورود لایا۔ اُس کی ملفوفہ ہنڈوی سے تنخواہِ جون ۱۸۶۶ء کا سو روپیہ میں نے پایا۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۵ جولائی ۱۸۶۶ء — ہوا خواہ اسداللہ

(۵۱)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ بہ موجبِ تحریرِ مرزا رحیم الدین بہادر حیا کے فاضل شطرنج باز کو خرچ دے کر روانہ کیا:

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

۲۲ جولائی ۱۸۶۶ء — اسداللہ بیدستگاہ

(۵۲)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت ! سلامت ۔

بعد تقدیم مدارج تسلیم نوازش نامے کے وارد کا شکر اور جولائی مہینے کے سو روپیے کے وصول کا سپاس بجالاتا ہوں :

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

۱۳ اگست ۱۸۶۷ء نجات کا طالب ۔ غالب

(۵۳)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت ! سلامت ۔

بعد تسلیم معروض ہے ، آپ کے غلامِ زرخرید یعنی حسین علی خاں کی منگنی ہوگئی اور اپنے کنبے میں ہوئی ۔ یعنی نواب احمد بخش خاں مرحوم کے حقیقی بھائی کی پوتی سے اور رجب کا مہینا قرار پایا ۔ اب میرے بڑھاپے اور میری مفلسی کی شرم آپ کے ہاتھ ہے :

نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں
مدعائے ضروری الاظہار
تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۹ اگست ۱۸۶۷ء نجات کا طالب غالب

(۵۴)

آن کیست کہ جسمِ ملک را جاں باشد
آن کیست کہ ہمسرِ سلیماں باشد

آن کیست کہ انجمش بفرماں باشد
کس نیست مگر کلب علی ؑال باشد

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ عزِ ورود لایا۔ اُس میں یہ حکم مندرج پایا کہ حسین علی خاں کی شادی کے باب میں خلاصہ مکنونِ خاطر عرض کروں۔ حکم بجا لاتا ہوں اور عرض کرتا ہوں: مجملاً یہ کہ میں درِ دولت کا گدائے خاک نشیں اور وہ آپ کا غلام۔ تفصیل یہ کہ میرے پاس نقد، جنس، اسباب، املاک اور میرے گھر میں زیورِ زرینہ و سیمینہ کا نام و نشان نہیں، ہت ادھار قرض کوئی دیتا نہیں، آپ روپیہ عنایت فرمائیں تا یہ کام سرانجام پائے اور بوڑھے فقیر کی برادری میں شرم رہ جائے۔

دوسری بات یہ کہ سو روپیے آپ کی سرکار سے بہ طریقِ خیرات اور باسٹھ روپیے آٹھ آنے مہینا انگریزی سرکار سے بہ عوضِ جاگیر پاتا ہوں۔ عالم الغیب جانتا ہے کہ اس میں میرا بڑی مشکل سے گذار ہوتا ہے، بہو کو کہاں سے کھلاؤں گا۔ حسین علی خاں کی کچھ تنخواہ مقرر ہو جائے، لیکن توقیعِ تنخواہ اُس کے نام جاری نہ ہو بلکہ اُس کی زوجہ حُسن جہاں بیگم بنتِ اکبر علی خاں کے نام وہ تنخواہ مقرر ہو اور اُس کی مہری رسید سے ملا کرے۔ زرِ مصرفِ شادی کی مقدار اور تنخواہ کی مقدار جو خداوند کی ہمت اور اس کنگال اپاہج کی قسمت۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۵ ستمبر ۱۸۶۷ء نجات کا طالب غالب

(۵۵)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ عزِ ورود لایا۔ اللہ اکبر! حضرت نے غم خواری و

تفقد و درویش نوازی کو اُس پایے پر پہنچایا کہ شاہانِ عجم میں سلطان سنجر نے اور شاہانِ ہند میں شاہ جہاں نے ملازموں کی اتنی پرسش اور نوازش کی ہوگی۔ باقر علی خاں کی شادی نواب ضیاء الدین خاں کے یہاں ہوئی انھوں نے کھانے جوڑے کے دو ہزار روپیے دیے اور میری زوجہ نے پانسو روپیے کا زیور لگا کر پچیس سو روپیے صرف کیے۔ حسین علی خاں کا سسرا یعنی اکبر علی خاں اپنے خاندان کا ہے، لیکن امیر نہیں، نوکری پیشہ ہے۔ اب یہ میں کیوں کر عرض کروں کہ مجھے کیا دو۔ سائل ہوں۔ یہ رسم نہیں کہ سائل مقدارِ سوال عرض کرے۔ حالِ مصارف شادیِ خاندان لکھ دیا ہے۔ دو ڈھائی ہزار میں شادی اچھی ہو جائے گی لیکن یہ بھی ساتھ عرض کرتا ہوں کہ میرا حقِ خدمت اتنا نہیں کہ اس قدر مانگ سکوں۔ جو کچھ دو گے اُس میں شادی کر دوں گا۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

معروضہ ۲ جمادی الاول ۱۲۸۴ھ
مطابق ۲۳ ستمبر ۱۸۶۷ء فرادے ورودِ ہمایوں منشور[2] نجات کا طالب غالب

(۵۶)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ فرمانِ والا مع ہنڈویِ تنخواہِ ستمبر ۱۸۶۷ء عزِ ورود لایا۔ سو روپیہ معرضِ وصول میں آیا۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو قیامت تک
دولتِ عزّ و جاہ روز افزوں

۱۰ اکتوبر ۱۸۶۷ء ترحم کا طالب غالب

(۵۷)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ "دبدبۂ سکندری" میں حضرت کے مزاج کی ناسازی کا ذکر دیکھ کر جو مجھ پر گزری کیا میرا خدا جانتا ہے، مگر یہ بڑی بات ہے کہ اسی ذکر کے ساتھ افاقت و رفعِ مرض کی بھی نوید مندرج تھی۔ توقع ہے کہ حضرت مفصل حال مرض کے پیدا ہونے کا اور پھر رفع ہونے کا اور فی الحال مزاجِ اقدس کیسا ہے میر منشی کو حکم ہو جائے کہ حضور کی زبانی خط میں مجھے لکھ بھیجیں:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۸ اکتوبر ۱۸۶۷ء
غالب

(۵۸)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ ایک قطعہ پندرہ شعر کا بھیجتا ہوں۔ حضور ملاحظہ فرمائیں۔ مضامین کی طرز نئی، مدح کا انداز نیا، دعا کا اسلوب نیا۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۲ نومبر ۱۸۶۷ء
۵ رجب ۱۲۸۴ھ
نجات کا طالب غالب

(۵۹)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

آج روز جمعہ سترہ رجب ۱۲۸۴ھ اور پندرہ نومبر ۱۸۶۷ء والا نامہ مع ہنڈویِ تنخواہ

اکتوبر ۱۸۶۷ء آیا۔

سو روپے کل آئیں گے۔ ترسٹھ روپے شاگرد پیشہ اور اکیس روپے قرض متفرق میں جا کر نو روپے بچیں گے۔ اللہ اللہ!

پیر و مرشد! رجب کا مہینا چلا۔ حسین علی خاں کی سسرال سے شادی کا تقاضا ہے۔ ادھر سے جز سکوت جواب نہیں۔ کئی دن ہوئے کہ پندرہ شعر کا قطعہ ارسال ہوا ہے، اُس کی رسید اِس خط میں مندرج تھی۔ خاتمے کے تین شعر دعائیہ یہاں لکھتا ہوں۔ دعا کا نیا طور ہے:

ہم نہ تبلیغ کے مائل، نہ غلو کے قائل
دو دعائیں ہیں کہ وہ دیتے ہیں نواب کو ہم
یا خدا! غالبِ عاصی کے خداوند کو دے
دو وہ چیزیں کہ طلبگار ہے جن کا عالم
اولاً عمرِ طبیعی بہ دوامِ اقبال
ثانیاً دولتِ دیدارِ شہنشاہِ اُمم

روز جمعہ ۱۷ رجب ۱۲۸۴ھ

۱۵ نومبر ۱۸۶۷ء نجات کا طالب غالب[۳]

(۶۰)

حضرت آیۂ رحمت ولیِ نعمت! سلامت[۳]

بعد تسلیم معروض ہے کل ۱۶ دسمبر کو نومبر کی تنخواہ کی ہنڈوی پہنچی۔ وہ بھی سعادت مند منشی سیل چند کے خط میں ملفوف۔ دیر میں ہنڈوی کا پہنچنا ایک طرف حضرت کے توقیعِ وقیع کے مشاہدے سے آنکھوں کا روشن نہ ہونا میری سیاہ بختی کی دلیل ہے۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۷ دسمبر ۱۸۶۷ء   نجات کا طالب غالب

(۶۱)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ آج روزِ شنبہ یکم ماہ رمضان المبارک ۱۲۸۴ھ ہے۔ بہ اتفاقِ حسنات دوج و نگارشِ جنتری:

روزِ روزہ است و روز ناپیداست
غلظتِ ابرو شدّتِ سرماست

چونکہ دھوپ تو نظر ہی نہیں آتی، ناچار دن رات آگ تاپتا ہوں اور ہر وقت کانپتا ہوں۔

ماہِ صیام میں سلاطین و امرا خیرات کرتے ہیں۔ اگر حسین علی خاں یتیم کی شادی اسی صیغے میں ہو جائے اور اس بوڑھے اپاہج فقیر کو روپیہ مل جائے تو اس مہینے میں تیاری ہو رہے اور شوال میں رسمِ نکاح عمل میں آئے اور چونکہ اس ماہِ مبارک میں درِ فیض باز اور سالِ انگریزی کا بھی آغاز ہے۔ وہ پچیس روپے مہینا جو زبانِ مبارک سے نکلا ہے جنوری ۱۸۶۸ء سے بنام حسین علی خاں مذکور جاری ہو جائے تو مجھے گویا دونوں جہاں مل گئے۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

لکھا ہوا یکم رمضان اور بھیجا ہوا دوم رمضان کا۔

۲۷ دسمبر ۱۸۶۷ء
روزِ شنبہ یکم ماہ رمضان ۱۲۸۴ھ   عطا کا طالب غالب

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے منشورِ رأفت عزِ ورود لایا۔ ہنڈویِ ملفوفہ سے روپیہ بابت تنخواہِ دسمبر ۱۸۶۷ء معرضِ وصول میں آیا:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۴ جنوری ۱۸۶۸ء — توجہ کا طالب غالب

(۶۳)

داد و دہشِ تو روز افزون بادا
بر دولتِ تو زمانہ مفتون بادا
ایں عید و دو صد ہزار عیدِ دیگر
بر ذاتِ تو فرخ و ہمایوں بادا

جمعہ ۲۸ رمضان المبارک ۱۲۸۴ھ

۲۳ جنوری ۱۸۶۸ء — نجات کا طالب غالب

(۶۴)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے منشورِ عطوفت ظہور عزِ ورود لایا اور اس کی ملفوفہ ہنڈوی سے [فرو]ری ۱۸۶۸ء حال کا سو روپیہ معرضِ وصول میں آیا:

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عز و جاہ روز افزوں

فروری ۱۸۶۸ء — نجات کا طالب غالب

(٦٥)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

عرضِ مدارجِ عجز و نیاز کے بعد نوازش نامے کے پہنچنے کا اور تنخواہِ فروری ۱۸۶۸ء کے پانے کا شکر بجالاتا ہوں۔ سبحان اللہ! کیا برکت ہے اس سو روپیے میں کہ سو آدمی روٹی کھاتے ہیں اور اس فقیر کے بھی سو کام نکل جاتے ہیں۔

مرزا حسین علی خاں کی شادی رجب کے مہینے میں قرار پائی تھی۔ عطیۂ حضور کے نہ پہنچنے کے سبب ملتوی رہی۔ آج جو ذیقعدہ کی پندرہ ہے۔ پندرہ دن یہ اور مہینا ذی الحجہ کا۔ اگر اسی ذیقعدہ کے مہینے میں کچھ حضرت عطا فرمائیں گے تو آخرِ ذی الحجہ تک نکاح ہو جائے گا۔ خدا کرے خداوند کے ضمیر میں یہ بھی گزرے کہ غالب جب بہو بیاہ لائے گا تو اس کو روٹی کہاں سے کھلائے گا۔ غرض اس سے یہ کہ حسین علی خاں کی تنخواہ جاری ہو جائے۔ حضرت کوئی ایسا نہیں کہ جو میرے مطالب حضور میں عرض کرتا رہے اور مجھے بار بار لکھتے ہوئے شرم آتی ہے:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

دوشنبہ ۹ مارچ ۱۸۶۸ء
نجات کا طالب غالب

(٦٦)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ عطوفت ظہور عزِ ورود لایا۔ سو روپیے کا کاغذ خط کے لفافے میں سے پایا۔ اپریل ۱۸۶۸ء تنخواہ کا روپیہ معرضِ وصول میں آیا:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

دوشنبہ ۱۱ مئی ۱۸۶۸ء

(۶۷)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے، شوقِ قدم بوس نے تنگ کیا۔ جب دیکھا کہ کسی طرح جا نہیں سکتا، ناچار اپنا نقشا اتروایا اور خدمتِ عالی میں روانہ کیا۔ جب تک کہ میں جیتا ہوں، تب تک اس صورت سے حاضر رہوں گا۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۲۷ مئی ۱۸۶۸ء عنایت کا طالب غالبؔ

(۶۸)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ آج چوتھا دن ہے کہ توقیعِ وقیعِ عزِّ ورود لایا ہے۔ ہنڈوی ملفوفہ کی رو سے تنخواہِ مئی ۱۸۶۸ء کا سو روپیہ معرضِ وصول میں آیا ہے۔ جواب کے جلد نہ لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ میں گرمی کی شدت کے سبب سے اور احتباسِ ہوا سے کہ جو لازمۂ موسمِ برسات ہے، بیکارِ محض ہو گیا ہوں مطلق کچھ لکھ نہیں سکتا اور کوئی ایسا شخص کہ جس سے کچھ لکھواؤں، اس چار روز میں میرے پاس نہیں آیا۔ آج اس وقت ایک صاحب آ گئے، اُن سے میں نے یہ عریضہ لکھوا لیا۔

پیر و مرشد! سابق کے عریضے کے ساتھ میں نے اپنی تصویر حضور میں بھیجی ہے۔ اُس کی رسید اس نوازش نامے میں مرقوم نہ تھی۔ مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ لفافہ ڈاک میں تلف نہ ہو گیا ہو، اگر اُس کی رسید سے شرفِ اطلاع پاؤں تو دل جمعی ہو جائے:

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۵ جون ۱۸۶۸ء نجات کا طالب غالبؔ[۲۳]

(۶۹)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ آج شہر میں شہرت ہے کہ حضرت امیرالمسلمین نے مفتی صدرالدین مرحوم کی زوجہ کو پانسو روپیے مفتی جی کی تجہیز و تکفین کے واسطے رام پور سے بھیجے ہیں۔ فقیر کو بھی توقع پڑی کہ میرا مردہ بے گور و کفن نہ رہے گا جیسا کہ مرزا جلال اسیر کہتا ہے:

جُرعۂ لطفِ تو بعد از مایما خواہد رسید

میں نے کل ایک خط نواب مرزا خاں کو لکھا ہے، خدا جانے وہ حضرت کی نظر سے گزرے یا نہ گزرے۔ اُس خط میں، میں نے زوجۂ مفتی جی کا حال یہ لکھا ہے کہ وہ لاولد ہے اور ساٹھ روپیے کرایے کے مکان اُس کے تحت میں ہیں۔ امین الرحمٰن اُس کا بھانجا ہے مفتی جی کا کوئی نہیں۔ اب اپنی حقیقت عرض کرتا ہوں آخر عمر میں تین التماسیں ہیں آپ سے۔ ایک تو یہ کہ میں ہزار بارہ سو روپیے کا قرض رکھتا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں ادا ہو جائے۔ دوسری التماس یہ کہ حسین علی خاں کی شادی آپ کی بخششِ خاص سے ہو جائے اور یہ سو روپیے مہینا جو مجھے ملتا ہے اُس کے نام پر اُس کی حینِ حیات قرار پائے۔ یہ دو خواہشیں خواہ میری زندگی میں، خواہ میرے بعد اجرا پائیں:

تم سلامت رہو قیامت تک
دولتِ عزّ و جاہ روز افزون

روز شنبہ ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ
و ۲۷ جولائی سالِ حال ۱۸۶۸ء

عرضداشت دولت خواہ اسداللہ

(۷۰)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل منشورِ عطوفت عزّ صدور لایا۔ جولائی ۱۸۶۸ء کا سو روپیہ

بذریعہ ہنڈوی وصول پایا۔

تین التماسیں سابق میں پیش ہوئی تھیں۔ سو اب پہلے برخوردار نواب مرزا خاں کی تحریر سے اور پھر جناب مظفر حسین خاں بہادر کے خط سے اُن خواہشوں کے منظور و مقبول ہونے کی نوید پائی۔ اِنشاءاللہ الکریم حسبِ ارشادِ حضور اسی برس ۱۸۶۵ء میں آمدِ زمستان یعنی نومبر و دسمبر میں میرا قرض بھی ادا ہو جائے گا، اور حسین علی خاں کی شادی بھی ہو جائے گی اور اُس کے واسطے اُس کی زندگی تک تنخواہ جداگانہ مقرر ہو جائے گی:

با کریماں کارہا دشوار نیست

معروضہ ۱۳ ماہ اگست ۱۸۶۸ء عرضداشت ہواخواہ اسداللہ

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

(۷۱)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تقدیم مدارجِ تسلیم معروض ہے، توقیعِ رافت عزّ ورود لایا۔ میں نے ہنڈویِ ملفوفہ کے ذریعہ سے بابت تنخواہِ اگست ۱۸۶۸ء سو روپیہ وصول پایا:

نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں
مدعائے ضروری الاظہار

پیر و مرشد! حسین علی خاں کے سسرال والوں کا بڑا تقاضا ہے۔ زندگی مشکل ہو گئی ہے۔ بہ طریقِ "شیئاً للّٰہ" سوالِ مختصر یہ ہے کہ جو حضرت کے مزاج میں آوے وہ عطا کیجیے اور حسین علی خاں کے نام جداگانہ تنخواہ مقرر کر دیجیے۔ لیکن یہ دونوں امر جلد صورت پکڑ جائیں:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

زیادہ حدِ ادب۔

معروضہ ۷ ستمبر ۱۸۶۸ء عرضداشتِ دولت خواہ اسد اللہ

(۷۲)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ مع سو روپیہ کی ہنڈی کے عز ورود لایا۔ تنخواہ ستمبر ۱۸۶۸ء کا روپیہ میں نے پایا:

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عز و جاہ روز افزوں

۱۳ ماہِ اکتوبر ۱۸۶۸ء مشتاقِ مرگِ ناگاہ اسد اللہ

(۷۳)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیع رافت شرفِ ورود لایا۔ سو روپیہ بابت تنخواہ اکتوبر ۱۸۶۸ء از روے ہنڈوی ملفوفۂ خط معرضِ وصول میں آیا۔ خدا حضرت کو سلامت رکھے! مجھ سے اپاہج نکمے کو بے عوضِ خدمت تنخواہ دیتے ہیں۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

معروضہ ۱۱ نومبر ۱۸۶۸ء عرضداشت اسد اللہ

(۷۴)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل عریضۂ مشعرِ رسیدِ تنخواہ نومبر ۱۸۶۸ء حال ارسال کر چکا ہوں۔ آج ناچار از روے اضطرار و افتقار پھر یہ عرضی لکھتا ہوں۔

حال میرا تباہ ہوتے ہوتے اب یہ نوبت پہنچی کہ اب کی تنخواہ میں سے چون روپیے بچے۔ تریسٹھ روپیے کا چھٹا ماہوار کا سود سہ ماہا دینا۔ مجملاً آٹھ سو روپیے ہوں تو میری آبرو بچتی ہے۔ ناچار حسین علی کی شادی اور اُس کے نام کی تنخواہ سے قطع نظر کی۔ اب اس باب میں

عرض کروں کیا مجال، کبھی نہ کہوں گا۔ آٹھ سو روپیے مجھ کو اور دیجے۔ شادی کیسی، میری آبرو بچ جائے تو غنیمت ہے۔ برخوردار نواب مرزا خاں کے خط میں یہ حال مفصّل لکھا ہے، وہ عرض کرے گا۔ مختصر یہ کہ اب میری جان اور آبرو آپ کے ہاتھ ہے، مگر حضور جو عطا فرمانا ہے، جلد ارشاد ہو۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو قیامت تک
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۶ نومبر ۱۸۶۸ء — عرضداشتِ گدائے یک در اسد اللہ مضطر

(۷۵)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ بہت دن ہوئے کہ برخوردار نواب مرزا خاں نے مجھ کو مبارک باد لکھی تھی کہ حضور نے تیرے قرض کے ادا کرنے کی نوید دی ہے اور مقدارِ قرض پوچھی ہے، سو میں نے ان کو لکھ بھیجا تھا کہ آٹھ سو روپیے میں میرا قرض تمام ادا ہو جائے گا۔ اس تحریر سے یاد دہی منظور ہے۔

زیادہ حدِ ادب:

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

صبحِ پنجشنبہ ۱۷ دسمبر ۱۸۶۸ء — آرام کا طالب غالب

(۷۶)

حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت! سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ اور اس میں تنخواہِ دسمبر ۱۸۶۸ء کی ہنڈوی ملفوف پہنچی۔

جلد یاد آوری کا شکر بجا لایا حضور قرض خواہوں نے بہت عاجز کر رکھا ہے۔ بس میرا یہی کام ہے
کہ یاد دلا دوں، آگے حضرت مالک ہیں :

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۰ جنوری ۱۸۶۹ء

مرقومۂ روزِ یکشنبہ اواخرِ تاریخِ رمضان المقدس ۱۲۸۵ھ   عرضداشتِ غالبِ گدیہ خواہ

خطوط کے عکس

نواب سیّد محمّد یوسف علی خاں بہادر ناظمؔ

(خطوط کے عکس تیار کرنے کے دوران کچھ الفاظ مٹ گئے تھے۔ پرتھوی چندر مرحوم نے اپنے قیاس سے کام لے کر کسی کاتب سے وہ الفاظ لکھوا دیے۔ بعض مقامات پر مرحوم کا قیاس درست نہیں تھا۔ خطوط کے عکسوں میں غلطیاں راہ پا گئی ہیں۔ حواشی میں ان کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ خ۔ا۔)

(۱)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

آداب بجا لاتا ہوں غزلوں کے سودات کو صاف کر کر حضور میں بھیجتا ہوں مسودات اپنے پاس
رہنے دیتا ہوں اس نظر سے کہ اگر احیاناً ڈاک میں لفافہ تلف ہو جائے تو میں پھر اوس کو صاف
کر کر بھیجدوں ورنہ موقع حک و اصلاح مجھے کیا یاد رہیگا میں نہیں چاہتا کہ آپ کا اسم اور
نام نامی تخلص رہے ناظم تخلص انور شوکت نیر ان میں سے جو پسند آئے وہ رہنے
دیجے مگر یہ نہیں چاہتا خواہی نخواہی آپ ایسا ہی کریں اگر وہی تخلص منظور ہے تو بہت مبارک
زیادہ حد ادب تم سلامت رہو قیامت تک عنایت کا طالب غالب روز پنجشنبہ ۱۵ فروری ۱۸۵۷

(۲)

جناب عالی کچھ کم مہینا ہوا کہ میں نے حضور کے غزلوں کو دیکھ کر خدمت میں روانہ کیا ہے
اور اوسکی پہنچنے سے اطلاع نہیں پائی اب ڈاک میں خط تلف بھی ہو جایا کرتے ہیں اس
واسطے میں متردد ہوں اور مدعا اس تحریر سے یہ ہے کہ اگر وہ لفافہ نہ پہنچا ہو
تو میں اوس مسودہ کو پھر صاف کر کے روانہ کروں زیادہ حد ادب از غالب نگاشتہ
صبح پنجشنبہ ۲۷ شعبان سنہ ۱۲۶۲ ہجری

(۳)

جناب عالی آداب بجا لاتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ رجوڑہ پہنچا مگر ٹوٹا ہوا اور بھیگا
ہوا اور پھٹا گیا ہوا اگر جوہری نے اوسکو ٹوٹ لیا روپیہ مکمل سب لے لیا خط اوسکا دیگر
بھی گر پڑا پھٹ گیا لفافہ مجھ تک نہیں پہنچا خط مع ہنڈوی کے پہنچا خط میں القاب
بہ تکلف پڑھا اور یہ جملہ سفتجہ مبلغ دو صد پنجاہ روپیہ پڑھا گیا اور تاریخ فروغ قیمت
مکرر آنکہ اسکے بعد جو کچھ لکھا تھا اوسمیں سے کوئی یہ لفظ اور بعد ایک لفظ کے
خاں صاحب یہ پڑھا گیا اور کچھ نہیں مجھکو غم یہ ہے کہ غزلہا اصلاحی اور دیوان اور رقم کی رسید
میں نہ آیا ہنڈوی لکھی بعینہ وہ حال جو میرے خط کا تھا کچھ پڑھا جاوے کچھ نہ پڑھا جاوے اوسکا
نام اور ڈھائی سو روپیہ یہ پڑھا گیا چونکہ مہاجن مجھکو جانتا تھا اوسنے اوس بھیگے ہوئے
کاغذ کو اپنے منیم کی تحریر سے درست کر دیا اور اوس مہاجن کے پاس بھیجا ہے جب وہ صحیح
ہو کر آویگا تب وہ مجھکو روپیہ دیگا اوسکے صحیح کرنے کیواسطے میں نے حضرت کو بطریق اطلاع
لکھا ہے اور غزلوں کے اور دیوان کے رسید اور جو اس خط میں مکرر آنکہ بعد مطالب
مندرج تھے وہ بھی ایسے ہی ہیں اس کاغذ کو دیکھ کر اسی ساہوکار کو دیجیگا اور اوسکو
تاکید کیجیگا کہ اسکو بھیج دے یہاں کے ساہوکار نے میری خاطر سے اس رقعہ کو اسے

(۴)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت منشور معطوفت کے دیکھنے سے زندگی کی صورت نظر آئی مخمس اور
غزلوں کی پہنچنے کی اطلاع پائی یہ بھی ایک بخشش کا بہانہ پیدا کیا ہے ورنہ حضور کے کلام کو اصلاح
کی احتیاج کیا ہے میری کیا سخنوری ہے اور سخن سرائی ہے آپ کے قدردان بلکہ قدر افزائی ہے تکلف ہے
اگر کہوں تا قیامت رہو بے تکلف دعا یہ ہے خدا کرے ایک سو بیس برس تک سلامت رہو اس
قرینے سے کہ بسبب کم فرصتی اونکا ملاحظہ نکرنا مرقوم ہوا ریختہ کے دیوان اور اس کتاب کا
پہنچنا معلوم ہوا دیوان کے دیکھنے نہ دیکھنے میں آپکو اختیار ہے مگر یہ چار جزو کا رسالہ جو
اب بھیجا ہے اسکا دیکھنا ضرور در کار ہے فارسی قدیم اور بہ حسن معنی اور صنعت الفاظ با اینہمہ
ہر امر کی احتیاط اور ہر بات کا لحاظ جناب عاطفت معاملہ ہے خدا کا شکر ہے اور اپنی قسمت کا گلہ
ہے خدا کا شکر یہ ہے کہ باوجود تعلق قلعہ کسی طرح کے جرم کا بہ نسبت میرے احتمال بھی نہیں قسمت کا
گلہ یہ کہ عطائے پنسن قدیم کا حکام کو خیال بھی نہیں یہ نومبر ۱۸۵۸ء انیسواں مہینا ہے گویا
بن کھائے جیتا ہوں کہتے ہیں کہ جنوری شروع سال میں پنسن داروں کو روپیہ ملیگا دیکھئے کیا ہو
کل آہینگا [?] پہلی نومبر کو یہاں اشتہار عام ہوگیا ہے کہ اب قلمرو ہندوستان عمل ملکۂ معظمہ
عالیمقام ہوگیا ہے میں پہلے سے مداحوں میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں اور وزرائے ملکہ دار ولایت کے
دو سارٹفکٹ [?] پا چکا ہوں اگر اس اجمال کی یہ تفصیل معلوم کیا چاہیے تو اس کتاب موسوم
بہ دستنبو میں دیکھا چاہیے خشنود درگاه غالب نگاشتہ روز یکشنبہ ہفتم نومبر ۱۸۵۸ء

(۵)

خداوند نعمت سلامت آپ بن مانگے دیتے اور میں لیتے ہیں مجھے انکار نہیں
اور جب مجھکو حاجت آپڑی تو آپ سے مانگنے میں عار نہیں بار گراں غم
سے پست ہوگیا ہوں آگے تنگدست تھا اب تہیدست ہوگیا ہوں
جلد میری خبر لیجیے اور مجھے بچا دیجیے عنایت کا طالب غالب ۱۲
چہارشنبہ یازدہم ربیع الثانی ۱۲۷۵ ہجری و ۱۷ نومبر ۱۸۵۸ء

(۶)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد اداب بجا لانے کے عرض کرتا ہوں کہ منشور رافت لکھا ہوا ۲۰ نومبر کا جمعہ کے دن تیسرے
دسمبر کو اس دعاگو دولت کے پاس پہنچا ڈھائی سو روپیہ کے ہنڈوی معتمد کے حوالے کر گئی
آج یا کل روپیہ آجاویگا خاطر عاطر اقدس جمع رہے ۱۲ میرے حاضر ہونیکو جو ارشاد ہوتا ہے
میں وہاں نہ آؤنگا تو اور کہاں جاؤنگا نہیں کہ وصول کا زمانہ قریب آیا ہے اسکو ملتوی
چھوڑ کر کیونکر جلد آؤں سُنا جاتا ہے۔ انشاء اللہ یقین ہے آتا ہے ہم جنوری آغاز سال ۵۹ عیسوی میں
یہ قصہ انجام پاتا ہے جسکو روپیہ ملنا ہے اوسکو روپیہ جسکو جواب ملنا ہے اوسکو جواب مل جاتا ہے ۱۲
حضور نے یہ کیا تحریر فرمایا ہے کہ ان بارہ غزلوں کے اصلاح میں کلام خوش مطلوب ہے
اگلی غزلوں کے طرح نہوں مگر اگلی غزلوں کے اصلاح پسند نہ آئے اور اون اشعار
میں کلام خوش نہ تھا حضرت کا تو اون غزلوں میں بھی وہ کلام ہے کہ شاید اوروں کے
دیوانوں میں ویسا ایک شعر بھی نہ نکلیگا میں بقدر اپنی فہم و استعداد کے کبھی اصلاح میں
قصور نہیں کرتا زیادہ حد ادب عرضداشت غالب معروضہ جمعہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۲۷۵ و ۳ دسمبر ۵۸

(۷)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

میں اس دولت ابد مدت کا از راہ مودت خیر خواہ ہوں امر ملال انگیز اندوہ آور
میں آرائش گفتار گوارا نہیں کر سکتا نواب مرزا نے دلی آکر پہلے نوید بزم آرائی
سُنائی چاہتا تھا کہ اوسکی تہنیت لکھوں کل اوسنے از روئے خط آمد رامپور
حضرت جناب عالیہ کے انتقال کی خبر سُنائی کیا کہوں کیا غم و اندوہ کا ہجوم
ہوا حضرت کی غمگین ہونیکا تصور کرکر اور زیادہ مغموم ہوا بیدرد نہیں
ہوں کہ ایسے مقام میں بطریق انشا پردازی عبارت آرائی کروں نادان

نہیں ہوں کہ آپ جیسے دانا دل دیدہ ور کو تلقین صبر و شکیبائی کروں

سے از دست گدائے بے نوا بادیہ ہیچ جز آن کہ بصدق دل دعائی بکند

حق تعالیٰ ذات ستودہ صفات کو دائماً اور ابداً جاہ و جلال و دولت و

اقبال کے ساتھہ سلامت باکرامت رکھے ۱۲

عریضہ نگار اسد اللہ المتخلص بہ غالب ۱۲

مرقومہ یکشنبہ ۱۷ شعبان و ۲۷ مارچ ۱۸۵۹ء عیسوی

(۸)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

ایک خط مشتمل اپنے حال پر اور ایک خط جناب بیگم صاحبہ و قبلہ مغفورہ کے تعزیت میں

روانہ کر چکا ہوں اب ایک قطعہ تاریخ بھیجتا ہوں اگرچہ ایک کا تعمیہ ہے لیکن تعمیہ

کتنا خوب اور بے تکلف ہے عرضداشت اسد اللہ معروضہ ۱۳ رمضان و ۱۷ اپریل

سال حال

جناب عالیہ از بخشش حق

بفردوس برین کردند آرام

سخن سرا از پئے سال رحلت

خلود خلد از روح الہام

سنہ ۱۲۷۵ ہجری

(١٢)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد بجا لانے آداب نیاز کے عرض کرتا ہوں یہ میرا درد دل ہے نامۂ تہنیت میں
اسکا اندراج مناسب نہیں جانا میں انگریزی سرکار میں علاقہ ریاست دودمانی کا رکھتا
ہوں معاش اگرچہ قلیل ہے مگر عزت زیادہ پاتا ہوں گورنمنٹ کے دربار میں داہنی صف
میں دسواں نمبر اور سات پارچے اور جیغہ سرپیچ مالائے مروارید خلعت مقرر ہے لارڈ
ہارڈنگ صاحب کے عہد تک پایا لارڈ ڈلہوسی یہاں آئے نہیں اب نواب معلی القاب آئے ہیں
زمانیکا رنگ اور کوئی حاکم کوئی سکرتر میرا آشنا نہیں بڑا میرا مربی قدرداں جناب
اڈمنسٹن صاحب. وہ بھی چیف سکرتر نہ رہے لفٹنٹ گورنر ہو گئے وہ سکرتر رہتے
تو مجھے کچھ غم نہ تھا اب تک میں اپنی کو یہ ہے نہیں سمجھا ہوں بیگناہ ہوں یا گناہگار
مقبول ہوں یا مردود مانا کہ کوئی خیرخواہی نہیں کی جو نئی انعام کا مستحق ہوں
لیکن کوئی بیوفائی بھی سرزد نہیں ہوئی جو دستور قدیم کو برہم مارے پھر حال اسکا
تشویش میں پایا ہوں راہ چارہ مسدود اور دکھ موجود عرفی خوب کہتا ہے ؎ مرا
زمانہ طرفہ بدست بستہ و تیغ زند بفرقم و گوید کہ ہاں سرے خارد

مرقومۂ صبح یکشنبہ ۲۷ نومبر ۱۸۵۹ء

(۱۴)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

آداب نیاز بجا لاکر عرض کرتا ہوں کہ سو روپیہ کی ہنڈوی بابت مصارف
ماہ نومبر ۱۸۵۹ء بھیجی اور روپیہ وصول ہی آیا اور صرف ہوگیا اور میں
بدستور بھوکا اور ننگا رہا۔ تم سے کہتا ہوں تو کس سے کہوں اس مت ہزارہ مقرری سے
علاوہ دو سو روپیہ اگر مجکو اور بھیجدیجیگا تو جلد بھیجیگا لیکن اس شرط سے
کہ اس عطیۂ مقرری میں محسوب نہو اور بہت جلد مرحمت ہو زیادہ حد ادب
عرضداشت غالب معروضہ صبح پنجشنبہ ہشتم دسمبر ۱۸۵۹ء بمجرد ورود عنایت نامہ
مرقومۂ ماہ حال ۱۲

(۱۵)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

آداب نیاز بجا لاتا ہوں اور مزاج اقدس کی خبر پوچھتا ہوں
اور بکمال ناچاری بصد گونہ شرمساری عرض کرتا ہوں کہ آج سہ شنبہ
۷ فروری کی ہے مجھ لوگ کہ میرے ساتھہ ہیں گوش برآواز ہیں اور جو
وظیفہ خوار دلی میں ہیں وہ چشم براہ ہونگے زیادہ حد ادب

خشنودی کا طالب غالب
صبح سہ شنبہ ۷ فروری ۱۸۶۰ء

(۱۶)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

تقدیم مراسم تسلیم مقدمہ اس گزارش کا ہے کہ عالم دو ہیں ایک عالم شہادت
ایک عالم غیب جس طرح عالم شہادت میں آپ میری دستگیری کر رہے ہیں عالم غیب میں آپکا
اقبال مجھکو مدد پہنچا رہا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ وہ نقشہ پنسنداروں کا جو یہاں سے صدر کو
گیا تھا وہ اب صدر سے بعد صدور حکم آ گیا حکم بہ نسبت ہر واحد کے مختلف ہے تقلیل بہت سے
سو روپیہ مہینے والیکو پچھتر بچے ہیں اور کسی کے پچاس بچے ہیں اور دس بچے ہیں اب فرمائیے میرے
واسطے کیا احتمال گزرتا ہے یا میں کٹا ہے لیکن واقع یہ ہوا ہے کہ سب سے پہلے میرا نام اور
پورے پنسن کے واگزاشت کا حکم طرفہ یہ کہ میرے نام کے ساتھ ایک انگریزی تحریر ہے کہ جسکے دیکھنے سے
یہ معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کا حکم منظوری اس تحریر پر متفرع ہے حکام کے عملہ میں اور وکلا
اور اہل شہر میں یہ مشہور ہے کہ وہ تحریر ولایت سے آئی ہے بہر حال دو امر ہنوز مبہم ہیں
ایک اس انگریزی تحریر کا حال اور دوسرے میرے بچے کے پنسن کی حقیقت سو یہ دونوں امر
چند روز میں معلوم ہو جائینگے اور جو معلوم ہوگا وہ عرض کیا جاویگا غالب ۲۲ اپریل ۱۸۶۰

۱۸

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت

شکر بندہ پروری بجا لا کر عرض کرتا ہوں کہ کل ۱۲ جولائی کو نوازش نامہ
مع سو روپیہ کے ہنڈوی کے پہنچا اور روپیہ معرض وصول میں آیا متوقع
ہوں کہ یہ عطیہ چوتھے پانچویں انگریزی کو جیسا کہ ہمیشہ پہنچتا تھا پہنچا
کرے دسویں بارہویں نہ ہوا کرے تم سلامت رہو قیامت تک

خوشنودی کا طالب غالب
صبح جمعہ ۲۳ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۶
مطابق ۱۳ جولائی سنہ ۱۸۶۰

۱۹

ولی نعمت آیہ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے عنایت نامہ کے ورود سے میں نے عزت
پائی سو روپیہ کی ہنڈوی بابت مصارف مارچ سنہ ۱۸۶۱ء کے
پہنچی زر مندرجہ معرض وصول میں آیا خاطر اقدس قرین جمعیت
رہے کلیات فارسی کے پہنچنے سے اور اس نذر کے مقبول
ہونے سے مجھ کو بہت خوشی حاصل ہوئی تم سلامت رہو
قیامت تک عنایت کا طالب غالب
صبح یکشنبہ ۷ اپریل سنہ ۱۸۶۱ء

(۲۲)

ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم عرض کرتا ہوں۔ اور طلوع ستارۂ اقبال کی مبارکباد دیتا ہوں۔ یقین ہے
کہ اس سفر فیض اثر میں ریل گاڑی کی سواری بھی اور سیر دیکھنے میں آئی ہوگی یہ اوس
میمنت و شکوہ و شوکت سے علاوہ ایک تماشا نیا دیکھا حق تعالی حضور کو سلامت
باکرامت رکھے۔ دعاگو ایک مہینا بھر سے بیمار ہے ابتدا میں تو تپ دورے
بسبب استعمال ادویۂ حارہ کہ اس مرض میں اوس سے گزیر نہیں تپ نے آ گھیرا
کئی بار یا ہچکیاں اب حرارت زائل ہو گئی ہیں لیکن قوت بالکل سلب ہو گئی
ہے اور ضعف دماغ نے قریب بہ ہلاکت پہنچا دیا ہے بالفعل آب سیب کا
استعمال ہے۔ طریقۂ دعاگوئی و ثنا خوانی کی رعایت سے نوبت بسبیل
شنوئے ہے جسمیں حصول عطیۂ سلطانی کے ہجری عیسوی تاریخ ہے بہر حال
لکھ لیے ہیں کل ورود عنایت نامہ سے معزز ہو کر آج وہ اشعار نذر کرتا ہوں
خدا سلامت رکھے تم سلامت رہو قیامت تک شفقت کا طالب غالب

(۲۳)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے کہ کل ایک شعر ظہوری مغفور کا اور ایک شعر
غالب مرحوم کا ایک ورق پر لکھ کر جھجکو ڈاک میں بھجوا دیا شام کو
توقیع وقیع ہرکارۂ ڈاک نے لا دیا اگست ۱۸۶۲ء کی پرورش کے ہنڈوی کے
سو روپیہ وصول ہو گئے فقیر کا شیوہ صدق و سداد کا ہے چند روز سے تفقد
التفات قدیم میں خدانخواستہ بخشش کچھ کمی پاتا ہوں اگر غلط ہے میرا گمان تو
بشرف اطلاع مشرف فرمائیے اور اگر میرا دل دیوانہ سچ سمجھا ہے تو متوقع
ہوں کہ عتاب کے سبب سے آگہی پاؤں نہایۂ حد ادب۔ تم سلامت رہو ہزار
برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار معروضۂ صبح دوشنبہ ۱۵ ستمبر ۱۸۶۲ء

(۲۴)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے نوازش نامہ مع سو روپیہ کے ہنڈوی کے
پہنچا اگست سنہ ۱۸۶۲ کے مہینے کے پرورش کا روپیہ وصول ہوا

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

پنجشنبہ ۴ ستمبر سنہ ۱۸۶۲

(۲۵)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے نوازش نامہ مع ہنڈوی سو روپیہ کے
شرف ورود لایا سو روپیہ مصارف ستمبر سنہ ۱۸۶۲ کا معرض
وصول میں آیا ہے تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں
دن پچاس ہزار معروضۂ دہم اکتوبر سنہ ۱۸۶۲
خوشنودی مزاج کا طالب غالب

(۲۸)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت

بعد تسلیم کے معروض ہے نوازش نامہ اور اوس کے ساتھ تھر بھنگیاں دو سو آموں کی پہنچیں

شکر نعمت ہای تو چندان کہ نعمت ہای تو
زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عز و جاہ روز افزوں

نجات کا طالب غالب

(۳۲)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم و نیاز معروض ہے جب سے حضرت کی ناسازی مزاج مبارک کا حال خارج سے مسموع ہوا ہے عالم الغیب گواہ ہے کہ مجھ پر اور میرے بچے برادر میر فرزند حسین علیخان پر کیا گزر رہی ہے ایکدن رات میرے گھر میں روٹی نہیں پکی ہم سب نے فاقہ کیا بارے وہ خبر وحشت اثر غلط نکلی حواس ٹھکانے ہوئے بالکل اطمینان جب ہوگا کہ آپ کے غسل صحت کی نوید سنونگا اور قطعہ تاریخ غسل صحت لکھکر بھیجونگا فی الحال اتنا چاہتا ہوں کہ اس خط کا جواب پاؤں اور حقیقت مرض سے آگہی حاصل ہو

زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

(۳۵)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے کس زبان سے کہوں اور کس قلم سے لکھوں کہ یہ ہفتہ عشرہ کس تردد و تشویش سے بسر ہوا ہے ہر روز شام تک جانب در نگران رہتا کہ ڈاک کا ہرکارہ آئے اور حضرت کا نوازشنامہ لائے بارے خدا کی مہربانی ہوئی ازسرنو میری زندگانی ہوئی کہ کل چار گھڑی رات گئی ڈاک کے ہرکارے نے وہ عطوفت نامۂ عالی دیا جسکو پڑھ کر روح تازہ رگ و پے میں دوڑ گئی نیند کسکی سونا کسکا روشنی کے سامنے بیٹھا اور اشعار تہنیت کہنے لگا سات شعر مع مادۂ حصول صحت جب لکھ لئے تب سو رہا اب اسوقت وہ مسودہ صاف کرکے ارسال کرتا ہوں ۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب غالب
جمعہ ۲۷ [illegible]

(۳۶)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے نوازشنامہ عز ورود لایا از روی ہنڈوی سو روپیہ بابت تنخواہ ماہ نومبر ۱۸۶۵ء معرض وصول میں آیا زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب غالب
چہار شنبہ ۱۳ دسمبر ۱۸۶۵ء

(۳۷)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہی حضرت کی قدمونکی قسم چوب چینی کی ارسال کا حکم ڈاک
سے مین نی نہین پایا ۲۲ دسمبر کو ہرکارہ آیا نوازشنامہ شرف افزا لایا
دلّی اب شہر نہین چہاونی ہے کیمپ ہے نہ قلعہ نہ شہر کے اُمرا نہ اطراف شہر کی رؤسا
بہر حال تین چار دنمین ہر ایک جگہہ سے منگوا کر رنگین و سنگین وہی گرہ یا کم گرہ
خود چُنکر پانچ سیر قطعات چوب چینی ایک تہلیامین رکہہ کر آتی سے منہہ بند کیا
پہر کپڑا لپیٹا ڈورے سے خوب مضبوط باندہ کر دو جگہہ اپنی مُہر کے اور وہ تہلیا کہار کو سونپی
ہے تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روزافزون

روز دوشنبہ ۲۶ دسمبر ۱۸۵۹ء وقت صبح حوالۂ کہار سرکار

(۳۸)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہی نوازشنامہ کے ورود سی عزت اور ادراک
صحت و عافیت مزاج اقدس سی مسرت حاصل ہوئی پرچۂ ہنڈوی
اوس توقیع مین ملفوف پایا سَو روپیہ بابت تنخواہ دسمبر ۱۸۵۹ء معرفت
وصولین آیا زیادہ حد ادب۔

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عز و جاہ روزافزون

حضور [illegible] ۱۲ جنوری

نواب کلب علی خاں

(۲)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے تہنیت نامہ ارسال کر چکا ہوں جواب پا چکا ہوں
قصیدہ کا لفافہ ارسال کیا ہے یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا ۔

حضرت فردوس مکان سپہر آستان کا معمول تھا کہ محرم سے دو تین مہینے پہلے
سلام پانچ چھ ساتھ لکھتے تھے اور فرداً فرداً میرے پاس بھیجا کرتے تھے جب وہ فراہم
ہو چکتے تو محرم سے دو چار دن پہلے میں اصلاح دیکر بھیجدیا کرتا تھا اب کی برس
ایک ہی سلام بھیجنے پاتے بس آج وہ سلام اس مراد سے حضور میں بھیجتا ہوں کہ
حضور کے حکم سے حضرت کے دیوان میں شامل ہو جائے زیادہ حد ادب
تم سلامت رہو ہزار برس دولت و عز و جاہ روز افزوں

[illegible]

(یہاں خطوط پر وہ نمبر دیے گئے ہیں جو کتابت شدہ خطوط پر ہیں)

(۷)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہی میری عرضداشت کا جواب آچکا ہی بندہ ہنڈوی کی رسید
بھجوا چکا ہی یہاں خلق کو مینہہ ترسا رہی اور ہوا شرارہ بار ہی دھوپ کی تیزی سے
آدمی کے تیور اور پہاڑ کے پتھر جلی جاتی ہیں پانی جگر گداز ہوا جانستاں امراض
مختلفہ کا ہجوم جہاں تہاں بجز اعضاے انسان کے کہ وہ پسینے میں تر ہیں طراوت و رطوبت
کا کہیں پتا نہیں یا تو غلطی ہی یا مطلق ہوا نہیں ان سطور کے تحریر سے مدعا یہ
ہی کہ مجھے ہر وقت یہی خیال رہتا ہی کہ حضرت کا مزاج کیسا ہی اس خط کا جواب
جسقدر جلد عطا ہوگا دعاگو پر احسان آپکا ہوگا زیادہ حد ادب سے تم سلامت رہو ہزار
برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار آپکی سلامتی ذات اور اپنی نجات کا طالب غالب

۲۳ جولائی ۶۶ء

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے کل برخوردار نواب مرزا خان داغ کی تحریر سے معلوم
ہوا کہ حضرت کا مزاج اقدس ناساز ہو گیا تھا اب خدا کے فضل و کرم سے
افاقہ ہے نواب مرزا نے مجھ پر ستم کیا کہ پہلے سے یہ حال نہ رقم کیا جو دعا
جب کرتا اب بھی ورد شب و روز ہے مگر یہ خیال کہ حضور کو یہ خیال گزرے گا کہ
غالب رسم عیادت بجا نہ لایا سخت جگر سوز ہے اب اس خط کے جواب میں نوید عافیت
کا امیدوار اور یہ سوچ کر کہ آج کی آٹھویں دن جواب آئیگا بیقرار ہوں ایک عبارت
انشا بطریق خط ایک انصاف دوست کو لکھ کر چھپوا دیا ہے پارسل اوسکا نواب مرزا کو
ارسال کیا ہے پانچ رسالے میری طرف سے نذر گزرانینگے حضرت قبول نذر کو میری عزت
و شرف جانینگے نعمت سلامت رہو ہزار برس دولت و عزت و جاہ روز افزوں دعا گو غالب
۱۲ ماہ اگست ۱۸۶۵ء

(۱۱)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم عرض یہ ہے فقیر تکیہ دار روزینہ خوار غالب خاک رہ حضرت ہے کہ شکر بجا لاتا ہے
آپکی عنایت کا یاد کر کر آپکی کرامت اور ولایت کا آپ بیشبہہ رونق
مسند علم و یقین ہیں بے تکلف بر طرف امیر المسلمین ہیں یہ نہ فقط از رہ ارادت
ہے بلکہ ہوا مشاہدہ خرق عادت ہے ان دنوں میں متفرقات کے قرضدار سرگرم تقاضا بلکہ آمادہ
شور و غوغا تھے دو سو روپیہ کی ہنڈوی صراف آب حیات ہو گئی دام مرگ سے نجات ہو گئی
لطف یہ ہے کہ آج پنجشنبہ بروز دو شنبہ ۲۱ اگست کو نو بجے اول روز ایک قصیدہ کا لفافہ بھیجا
گیا اوسی دن بارہ پر تین بجے یہ کرشمہ کرامت دیکھا گیا قصیدہ کی لفافہ میں ایک
عرضداشت ہے اوس سے قصیدہ کی حقیقت اور خود اوس نظم کی طرز نگارش کی جدت
ظاہر ہو جائیگی حضرت کی انبساط خاطر کیواسطے یہ ایجاد ہے مجھے ہر طرح کی نظم و نثر سے
آپکی خوشی اور خشنودی مراد ہے انجام قصیدہ میں جو فرض کی گئی باتیں ہیں اونمیں کچھ سے
میں آپکی بارزم منصبی کی گئی جائیں کو تیے والی ساہو کار مہا خلیفہ کی جائیں سے تم سلامت
رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار ترقی عمر و دولت خداوند کا طالب غالب
نگارش دو شنبہ ۲۱ اور دن پنجشنبہ سہ شنبہ ۲۲ اگست ۱۸۶۵

(۱۲)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے میں طبیب نہیں مگر تجربہ کار ہوں ستر برس کا آدمی ہوشیار ہوتا
ہے یہ کیا نہیں جانتا حضرت پر بغیر ظاہر کچھ رہا نہیں جاتا خدا جانے اور طبیب نے کیا سمجھے ہوں گے
مرض کیا تھا میرے نزدیک بہ اشتراک معدہ و قلب مرض طاری ہوا تھا اب آپ کو حفظ صحت کے واسطے
گاہ گاہ نارجیل دریائی و جدوار کا استعمال ضروری ہے اور معجون طلائی عنبری تقویت قلب میں
مجوزہ حکیم میر علی خان مغفور ہے ورق طلا عنبر اشہب عرق کیوڑہ قند کثرت اجزا اس ترکیب
خاص میں ناپسند کثیر الاجزا اور معجونیں ہیں مفرح بو علی سینا خمیرہ مروارید خمیرہ گاؤزبان عنبری
ماء اللحم غیر منتشی جس میں طیور کے گوشت اور ادویہ مفرح مقوی حرارت و برودت میں معتدل
گاہ گاہ سکنجبین و گلاب پلایا کیجئے غذا میں گوشت طیور اکثر بیضہ نیم برشت اکثر لیکن نہ بہ جمال
ہاں بیضہ مرغ و لحم طیور ایک جلسہ میں تناول نہ فرمائیے بکری کے گوشت کے ساتھ بیضہ مرغ جائز ہے
لذیذ اور مرغوب بیدمشک کا عرق جو فی الاکثر کا عرق ہمیشہ دوا خانہ میں موجود رہے عطر پان کی
استعمال میں مبالغہ بعد غذا میاخرت سے پرہیز شوربا پانچ گوسفند مائدہ خاص پر موجود
رہے ہمیشہ طبیعت خوش فرماتے رہئے تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ
روز افزوں سلامت و صحت کا طالب غالب نگاشتۂ یکشنبہ و روانۂ دوشنبہ

(۱۳)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے چاہتا ہوں کہ کچھ لکھوں مگر نہیں جانتا کہ کیا لکھوں لازم تھا
کہ تعزیت نامہ بزبان فارسی و عبارت بلیغ لکھوں آپکی قدمبوسی کی قسم دل نے
قبول نہ کیا آرائش گفتار نظماً او نثراً واسطے تہنیت کی ہے کہ دل کثرت نشاط سے گل کی
طرح کھل رہا ہے طبیعت راہ دیتی ہے الفاظ ڈھونڈے جاتے ہیں معنی پیدا کئے جاتے ہیں
اب میں نیم مردہ دل پژمردہ خاطر افسردہ جس باب میں لفظ و معنی فراہم کیا چاہوں وہ
سراسر طبع کے خلاف جس بات کا تصور ناگوار ہو اوسکے تذکرے سے جی کیوں نہ بیقرار ہو یہ میرے
قسمت کی خوبی ہے کہ ہنوز تہنیت اور مدح کا حق ادا نہ ہوا تھا کہ مرثیہ لکھنا پڑا اگر ایک
بات میرے خیال میں نہ آئے ہوتے تو مجھے زندگی دشوار تھی یعنے حضور کو ابتداء جلوس میں وہ رنج
پہنچا کہ اوس سے زیادہ تصور میں نہیں آتا بس وسادہ نشینی کی بدایت اور غمگینی کی نہایت
یہ چاہتی ہے کہ اب بقیۃ العمر ابداً سرمداً حضرت کو کوئی غم نہ ہو ہمیشہ جہاندار و جہانستان و
شاد و شادمان رہیں ~ تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
آپکے قدمبوس کا طالب غالب ۱۸ ستمبر ۱۸۶۵ء

(۱۷)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے عنایت نامۂ والا کشت مردہ مجھکو میری حیات پر یقین عنایت کیا اس سفر کا حال کیا عرض کروں دلی سے رامپور تک ہم قافلہ سے محسوس مین جو آنا گیا اختلاف آب و ہوا و تفرقہ اوقات غذا کو ہرگز نہ مانا اور رنج راہ کو ہرگز خیال میں نہ لایا وقت معاودت اندوہ فراق نے وہ فشار دیا کہ جوہر روح گداز پاکر بدن سے ٹپک گیا اگر آپ کے اقبال کی تائید نہ ہوتی تو دلی تک میرا زندہ پہنچنا محال تھا جاڑا مینہ قبض انقباض فقدان جوع فاقہ ہاے متواتر منزلہاے ناماًنوس ایک دو منزل تک آفتاب کا نظر نہ آنا شب و روز ہواے زمہریر کا جانگزا رہنا بارے میرٹھ سے چلکر نیر اعظم کی صورت دکھائی دی دھوپ کھاتا ہوا دلی پہنچا ایکہفتہ کوفتہ و رنجور رہا اب ویسا ہی ناتوان ہوں جیسا کہ اس سفر سے پہلے تھا خدا وہ دن کرے کہ پھر اوس در پر پہنچوں

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب غالب

(۱۸)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے توقیع وقیع مع سو روپیہ ہنڈوی کے عز ورود لایا ستمبر کی تنخواہ کا روپیہ معرض وصول میں آیا آپکے غلام زادہ نے اپنی تنخواہ کا حال پوچھا میں نے حضور کا خط اوسے دکھا دیا نا امیدانہ چپ ہو رہا اب نفس درویش دلریش کا حال سنیے سامعہ مدت سے کھو بیٹھا اب آنکھوں کو بھی رو بیٹھا دو برس سے فقد و قامت و ترکا دیکھا جاتا ہے چہرہ اچھی طرح نظر نہیں آتا ہے فقدان طاقت سقوط اشتہا ضعف بصر ضعف بخت میرا حال بعینہ میرے اس شعر کے موافق ہے

درکشاکش ضعفم نگسلد روان از تن
اینکہ من نمی میرم ہم ز ناتوانیہاست

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب غالب

۱۲۸۶

(۲۰)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے اپنا حال اس سے زیادہ کیا لکھوں کہ آگے ناتواں
تھا اور اب نیمجاں ہوں برخوردار نواب مرزا خاں اپنی مشاہدہ
کے مطابق جو میری حقیقت عرض کریں وہ مسموع و مقبول ہو حضور اس مطلع کے
لفظ و معنی کے جدت و حدت کی داد چاہتا ہوں ؎ ہم در قیام زندہ
نیم گز براز خویش   آنوقت لاں نا قیام از دو بار خویش ۱۲
ایک غزل نئی طرز کی نئی بحر میں عرض کرتا ہوں یہ جشن حال کے سند
ہی خدا کرے مقبول ہو زیادہ حد ادب ۱۲
تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب غالب
۲۹ مارچ سنہ ۶۶ء

(۲۳)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے کل ایک عرضداشت مع ایک غزل کی ڈاک
میں بھیج چکا ہوں شام کو منشور عطوفت مع ہنڈوی تنخواہ مئی سنہ ۱۸۶۶
عز ورود لایا سو روپیہ معرض وصول میں آیا آج صبحدم وقت تحریر اس
عرضی کے حضرت فردوس مکاں کا دیوان پیش نظر تھا اوس میں یہ شعر
نظر پڑا اوسکے مضمون حکیمانہ و عارفانہ نے بڑا مزا دیا یقین ہے اوراد سکو
پڑھ کر حضرت بھی حظ اوٹھاوینگے ؎
وہ جس طرح سے جسے چاہیں اوس طرح پالیں
کسیکا کچھ نہیں پروردگار پر لینا
؎ تم سلامت رہو ہزار برس   ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

عرضداشت اسد اللہ [illegible]
مرقومہ [illegible] جون
۱۸۶۶ء

(۲۴)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے توقیع وقیع عز ورود لایا غزل کی پسند آنی نے میری سخنوری کا
رتبہ بڑھایا فلک نہیں چاہتا ہے میرا کلام مقبول طبایع اہل کمال ہو حضرت کو خالق اکبر
نے وہ قوت اور رفعت عطا کی ہے کہ آپ علی الرغم فلک کام کر سکتے ہیں سے قسمت
بری سہی پہ طبیعت بری نہیں ہے شکر کی جگہ ہے شکایت نہیں مجھے فلک نے مجھ پر
بڑی بڑی ادلجھاو غم و فکر کے ڈالی مگر میری طبیعت بدل نسکا میں نے بجناب باری بہت
تضرع و زاری کی مگر اپنی قسمت بدل نسکا زیادہ الحد ادب سے تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عز و جاہ روز افزوں سے تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں
دن پچاس ہزار

(۲۵)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے آج شنبہ ۱۰ ماہ اگست سنہ ۶۶ کی ہے فقیر چشم براہ تہا کہ
اب ڈاک کا ہرکارہ آتا ہے اور ہندوی ملفوفہ نوازشنامہ لاتا ہے ناگاہ اسوقت ڈاک
کا آدمی الحفیظ برخوردار منشی سیلچند کا لایا اوسمین مندرج تہا کہ تونے جون سنہ حال
کے تنخواہ کی رسید کیوں نہ بہیجی اور بعد اسکی یہ لکہا تہا ہے جولائی کے تنخواہ کے چیتبیاں ہو جاتی
ہیں اب تاکید نہیں تیری تنخواہ بہی بہیجی جائیگی متحیر ہے یارب میں حسب معمول تنخواہ جون کے
رسید ارسال کرچکا ہون اب دوبارہ رسید کیوں مانگی جاتی ہے پہر یہ تو گویا پیام مرگ تہا
کہ جولائی کے تنخواہ اب روانہ ہو گئے یارب اکو وسع ۱۳ ہے اکو چلینگے بیسویں تک مجہی
پہنچیگے اور میرا حال یہ ہے کہ نگریزی تنخواہ گہر میں اور کچھ قرض کے قسط میں جاتی ہے حضور کے عطیہ
پر میرا اور شاگرد پیشہ کا اور حسین علیکا گزارا ہے عالم الغیب جانتا ہے جسطرح گزرتے ہیں
چارسو ساٹہ سے چارسو کا قرض باقی ہے اب کوئے قرض بہی نہیں دیتا خلاصہ عرض
ہے ایک تو یہہ ہے میں جون کے تنخواہ کے رسید بہیج چکا ہوں اگر وہ کہیں تلف ہو گئی ہو تو اور
لکہہ بہیجوں دوسرا یہ ہے اس مہینے کے یعنی جولائی کے تو تنخواہ خیر ہے ماہ اگست تک پہنچ جائیگی
آئندہ کو حکم ہو جائے ہر مہینے کے پہلے ۱۰ کو فقیر کے تنخواہ ہے وہ محض صیغہ خیرات ہے

(۳۶)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے پہلے اپنا حال عرض کروں تب کچھ اور مدعا لکھوں غم نے بشمول بڑھاپے
کی پستی و کم ضمحل کر دیا ہے حضرت کی قدموں کی قسم نہ حواس درست نہ رای صحیح برسوں سے
مکروہات میں مبتلا رہتے رہتے اب طاقت تحمل نہ رہی خدا جانے کیا ہوتا ہے کیا سمجھتا ہوں
کیا کرنا چاہیے کیا کرتا ہوں کل آخر روز میر منشی حضور کا خط آیا جون کے تنخواہ کی رسید کے
نہ پہنچنے کی اطلاع پائی تہیدستی و قرض کے رنج میں خستہ و آزردہ بیٹھا تھا وہ وقت عرضی
لکھنے اگرچہ ڈاک کا وقت نہ تھا مگر بھیج دی آج آخر روز توقیع وقیع مع جون کے تنخواہ کے ہنڈوی
کی پہنچا ہنڈوی مختار کار کو دی اور یہ عرضی لکھی بیٹھا لکھ کر لفافہ کر رکھتا ہوں کل بھیجوں
ڈاک میں بھیجونگا اگر عرضی میں کوئی بات گستاخی و دیوانگی و بدحواسی کی ہو تو تقصیر معاف فرمائیے
پیر شکستہ ہوں جب اگر مخالف طبع کوئی لفظ ہو تو وہ بھی درگزر کریں جون کے تنخواہ کی رسید کا
لفافہ ڈاک میں گم ہو گیا ہوگا اگر میں بھی بھول گیا ہوں تو بعید نہیں بلکہ اغلب ہے ۱۱ غالب
کو سہو ہوا ہو جلد رفع ہو برحال بر ظاہر یہ ہے جون کے تنخواہ جولائی میں اور جولائی کی اگست
میں لی پائی آئندہ ہر انگریزی مہینے کے دوسرے تیسرے کو روانگی ہنڈوی کا متوقع ہوں زیادہ حد ادب
سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار ۱۳ اگست ۱۸۶۶

نجات کا طالب
غالب

(۳۷)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت مدظلہ العالی

بعد تسلیم معروض ہے توقیع وقیع مع دیباچۂ شرح اشعار بدر چاچ
عز ورود لایا کیا عرض کروں کہ کیا عالم نظر آیا واقعی افتتاح کلام بطرز
میرزا طاہر وحید اور پھر نگارش مطالب بشیوۂ میرزا جلالا طباطبا
ہے لیکن دونوں صورتوں میں دیباچۂ اعجاز خسروی کا رنگ جلوہ گر ہے پس
ناقد بصیر کے نزدیک یہ نگارش طاہر وحید اور جلالا کی عبارت سے بہتر ہے
یہ عرضداشت جلد بھیجتا ہوں تاکہ حضرت پر پہنچنا اوس دیباچہ یا تقریظ
کا ظاہر ہو جائے برسات ایسی ہوئی ہے کہ میں باون ترپن برس سے یہاں
رہتا ہوں عرش آرامگاہ اکبر شاہ کے عہد میں ایکبار ایسی برسات دیکھی تھی یا
امسال نظر آئی ہے اوراق رسالۂ حضور موم جامہ میں لپیٹ کر بسبیل پارسل
ارسال کرونگا یا پرسوں دوشنبہ کو یا سہ شنبہ کو سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار روز شنبہ یکم ستمبر ۱۸۶۶

نجات کا طالب
غالب

(۲۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے منشور مکرمت ظہور بعز ورود لایا سو روپیہ
بابت تنخواہ ماہ اگست گذشتہ معروض وصول میں آیا نثر نثرہ شمار سے
اوراق ۳ ستمبر ماہ حال کو ارسال ہوئے ہیں نظر انور سے گزرے ہونگے
اردو کا دیوان ایک شخص کو دیا ہے فارسی دیوان کا شیرازہ کھول کر
چند شخصوں کے حوالے کیا ہے بعد اتمام تحریر نذر کیا جائیگا پنج آہنگ ضیاء الدین خان
کا مجموعہ نثر و نظم فارسی اردو سر بسر دیکھا ہوا میرا جو اونکی کتابخانہ
میں تہا غدر میں لٹ گیا بعد غدر ذوق شعر باطل اور دل افسردہ ہو گیا دو تین
غزلیں فارسی ہندی جو لکھی ہیں اوسکا انتخاب بھی پہنچیگا تم سلامت رہو ہزار
برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

(۲۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے خاطر اقدس میں گذرے کہ غالب تعمیل احکام
میں کاہل ہے بصارت میں فتور ہاتھ میں رعشہ حواس مختل ناچار کاتب کی تلاش کی
شہر سر بسر ویران ہے کاتب کہاں بارے ایک دوست نے کاتب نشان دیا اردو کا
دیوان اشعار پر صاد کر کے اوسکو حوالہ کیا کل دو اجزاء منقولہ آئے آج بطریق پارسل
مع اصل مسودے کے ارسال کئے خط کاتب کا مجھکو پسند نہیں آیا حضرت کو کیونکر
پسند آئیگا اغلاط اتنی تھیں کہ مجھکو تحریر کے برابر محنت پڑی فارسی کی کلیات
کا شیرازہ کھول کر اجزا اوسکی احباب پر تقسیم کر دئیے ہیں جا بجا اشعار پر صاد
کر دئیے ہیں وہ بھی میرے انتخاب کے مطابق نقل ہو رہی ہیں بعد اتمام وہ بھی
پیشکش کرونگا زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۳۰

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے اردو دیوان کا انتخاب بھیج چکا ہوں یقین ہے
حضرت کے نظر انور سے گزر گیا ہو آج فارسی دیوان کا انتخاب بطریق
پارسل اسی عرضی کے ساتھ بھیجتا ہوں اور یہ بھی کہ ضیاء الدین خان بہادر نے
جو اوراق میرے پاس بھیجے ہیں وہ بھی اسی پارسل میں رکھ دیئے ہیں حضرت
اس غریب کا مجموعۂ نظم و نثر غدر میں لٹ گیا بعد غدر جو کچھ کہا ہے وہ یہی ہے جو
پہنچتا ہے اسی رو سے میں نے صرف غزلیں اور رباعیوں کا انتخاب بھیجا ہے قصائد و قطعات و
مثنویات کا انتخاب ابھی نہیں بھیجا اگر حکم ہو تو وہ بھی بھیجوں زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

[illegible]

۳۱

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے منشور مکرمت ظہور عز ورود لایا سو روپیہ بابت
تنخواہ ماہ ستمبر ۱۸۶۶ء معرض وصول میں آیا اشعار فارسی و اردو پہنچے خدا
کرے پسند آئیں افسوس ہے برخوردار نواب مرزا خان نے میرا حال سامعۂ اقدس پر
عرض نہ کیا حضور ملک و مال جسکو جسقدر چاہیں عطا کر سکتے ہیں میں آپ سے صرف
راحت مانگتا ہوں اور راحت منحصر اسمیں ہے کہ قرض باقیماندہ ادا ہو جائے اور
آئندہ قرض لینے کی حاجت نہ پڑے تم سلامت رہو قیامت تک دولت و
عز و جاہ روز افزون اسد اللہ بیدستگاہ ششم اکتوبر ۱۸۶۶ء

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہی

(۳۲)

اس عنایت نامے مین ایک فقرہ نظر پڑا کہ جس سے مین کانپ اوٹھا "مرا از آن مشفق واسطۂ تلمذ بودہ است" یہ ذلیل کو عزت دینی اور دکان بیرونق کے خریدار کرلی ہی مین تو حضرت کو اپنا استاد اور اپنا مرشد اور اپنا آقا جانتا ہون۔ ہرچہ فطرت سے میری طبیعت کو زبان فارسی سے ایک لگاؤ تھا چاہتا تھا کہ فرہنگوں سے بڑھکر کوئی ماخذ مجھکو ملی بارے مراد بر آئی اور اکابر پارس مین سے ایک بزرگ یہان وارد ہوا اور اکبرآباد مین فقیر کے مکان پر دو برس رہا اور مین نے اوس سے حقایق و دقایق زبان پارسی کے معلوم کئی اب مجھی اس امر خاص مین نفس مطمئنہ حاصل ہی مگر دعوی اجتہاد نہین ہی بحث کا طریق یاد نہین میان انجو جامع فرہنگ جہانگیری شیخ رشید راقم فرہنگ رشیدی عظماء عجم مین سے نہین ہند انکا مولد ماخذ انکا اشعار قدما اور انکا قیاس نکتہ چند اور سیالکوٹی مل انکی پیرو سبحان اللہ ہندی ہی اور ہندو بھی نور علی نور۔ فقیر اشعار قدما کا معتقد اون لوگون کی کلام کا عاشق مگر جو لغات اونکی کلام مین ہین اونکی معنی تو اہل ہند نے اپنی قیاس سے نکالی ہین مین انکی قیاس پر کیونکر تکیہ کرون اب جو پیر و مرشد نے لکھا کہ ارژنگ و ارژنگ متحد المعنی اور آخشیا ساختن و بستن و چیدہ کہو تو بنا بنا لینے کی معنی ہین تو مین نے بے تکلف مان لیا لیکن نہ اون صاحبونکے قیاس کے بموجب بلکہ اپنی خداوند نعمت کے حکم کے مطابق۔ تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

(۳۳)

بعد تسلیم معروض ہے۔ آج شنبہ ۱۶ ماہ اکتوبر کے دن کو بارہ بجے کھانا کھا کر بیٹھا تھا کہ توقیع وقیع آیا پڑھتے ہی کانپ اوٹھا اور عالم نظر مین تیرہ و تار ہوگیا اگر حضور کی ارشادات کو بحث تعبیر کیا ہو تو مجھے جناب الہی اور حضرت رسالت پناہ کی قسم اگرچہ فاسق و فاجر ہون مگر وحدانیت خدا اور نبوت خاتم الانبیا کا بدل معتقد اور بزبان معترف ہون خدا و رسول کی قسم جھوٹی نکھاؤنگا انکار بحث سے مراد یہ تھی کہ شعرای ہند کے کلام مین جو غلطیان نظر آتے ہین یا ہندی فرہنگ لکھنی والون کے بیان مین جو نادرستی اور باہم جو اونکی عقول مین اختلاف ہین اوسمین مین کلام نہین کرتا اپنی تحقیق کو مانے ہوئے ہوئے اورون سے مجھے بحث نہین باہمہ ضعف حافظہ آخر مین یہ بھی لکھدیا تھا کہ ان دونون باتونکو مین نے مانا لیکن نہ فرہنگ لکھنی والون کی رای کے بموجب بلکہ اپنی خداوند کے حکم کی مطابق یہ کلام موجب عتاب نہین ہو سکتا اور اگر اسکو گناہ سمجھا جائے تو آخر گنہگار ہون کافر نہین ہون میری گناہ معاف کیجئے اور نوید عفو سے مجھکو تقویت دیجئے تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

عفو کا طالب غالب

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے ورود توقیع و نوید عفو نے روان پروری کی شکر و سپاس بجا لایا
تنخواہ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ از روی ہنڈوی ملفوفہ توقیع معروض وصول میں آئی.....
یا امیر المسلمین حضرت کا عزم رونق افزائی اکبر آباد سنکر جا ہا کہ آؤں ریل کے
سوار ہونے کی تاب ہرگز نہیں ہے منزل بمنزل جا نہیں سکتا اگرچہ سات منزل رامپور تک ہے
منزل بمنزل جو جاؤں وہیں کیونکر نہ جاؤں عزم مصمم کیا کہ اپنے فرزند اور آپکے غلام کو
بھیجوں۔ وہ بھی خوش خوش آمادہ رہرو ہوا ناگاہ تپ محرقہ نے اوسے گھیرا اور
تپ کا درد علاوہ بھیلسا پہر ہوا کہ نہ تپ اوترتی ہے نہ [illegible] درد جاتا ہے
حکیم احسن اللہ خاں کی تجویز سے فصد بھی کھلی مگر کچھ فائدہ نہوا کچھ شب کو کچھ ہوش
رہتا ہے ورنہ ساری رات جاگتا اور ہائے ہائے کرتا ہے اوسکے ساتھ سب جاگتے ہیں ع
راحتے نیست درآن خانہ کہ بیمار ہست۔ مجمل یہ ہے اور مکرمی میر محمد زکی صاحب
عرض کرینگے زیادہ حد ادب تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
معروضہ شنبہ پنجم ۵ نومبر سنہ ۱۸۶۶
(۳۴)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے حضور کے لشکر نصرت اثر کا بسبیل ڈاک نواب معلی القاب کلب علیخان بہادر
اکبر آباد پہنچنا اور خیام فلک احتشام کا وہاں نصب ہونا اور رامپور سے اکبر آباد تک گھوڑوں کے
ڈاک کا بیٹھنا اور حضرت کا سنبھل تک بسبیل ڈاک تشریف لیجانا اور روان مزاج اقدس کا ناساز
ہونا اور دار السلطنت کو معاودت فرمانا یوماً فیوماً مسموع ہوا غرض اس عرضداشت کی تحریر سے
یہ ہے کہ حصول جواب سے آبرو اور خیریت و عافیت مزاج مبارک سے عز اطلاع پاؤں گا
اخبار میں مسطور اور شہر میں مشہور ہے کہ حضرت اجلاس کونسل کیواسطے حسب الحکم گورنمنٹ کلکتہ کو
تشریف لیجاوینگے نمکخوار دعاگو نے و مدح گستر نے بہانہ طلب جتا ہے اس تقریب کا ایک قطعہ
تاریخ سنہ ۱۸۶۶ عیسوی رقم کیا ہے عرض کرتا ہے اگر پسند آئے تو اجازت ملے کہ اسکو کسی اخبار
میں چھپوا دوں گا
(۳۵)

قطعہ

بود نواب [illegible] از بہر اجلاس کونسل [illegible] از رامپور آوردہ رخ
بہ کلکتہ [illegible]
[illegible] سال اجلاس [illegible]
[illegible]

بینت لغت پارسی ہے مرادف نہیں وزن ہے اور قتل کا مشار الیہ لفظ وی ہے جسکے ۱۶ عدد ہیں اور
دی کا مشار عدد ہے بحکم فرہنگ ۸۲ ۱۸ اجب اسمیں سے ۱۶ کم کیے تو ۱۸۶۶ رہے زیادہ حد ادب
تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے توقیع وقیع مع ہنڈوی تنخواہ نومبر ۱۸۶۶ عیسوی
عز ورود لایا سو روپیہ معرض وصول مین آیا قطعۂ تاریخ کی باب مین التماس
یہ ہی ہے اب قوت ناظمہ بے تصرف اور معنی آفرینی کا ذوق مطلق باقی نہین
مگر ازراہ فرط ارادت و محبت تمنائے دعا کیواسطے تقریب ڈھونڈھتا ہون جب
موقع پاتا ہون کچھ عرض کرتا ہون تخرجہ لطیف ہات آگیا اوسی پر مدعا کی بنا رکھی
پیر و مرشد اگر غازی آباد سے حضور ریل پر سوار ہون تو فقیر کو تاریخ ورود غازی آباد
سے آگہی ہو جائے تاکہ مین وہان حاضر ہو کر قدمبوسی کی سعادت حاصل کرون زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

[illegible]

(۳۸)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے نوازشنامہ مع ہنڈوی صد روپیہ عز ورود لایا دسمبر ۱۸۶۶ء کے تنخواہ کا روپیہ معرض وصول میں آیا اللہ اللہ یہ فرط عنایت یہ ظہور کرامت ہے حضرت ڈاک مین سوار ہوتے ہیں اور میرے نام خط کا حکم ہو اور پھر وہ خط دستخط سے مزین ہو دسمبر کی تنخواہ دسمبر ہی مین جاری ہو اور جنوری کے تیسری تاریخ میرے پاس پہنچ جائے ظہور آثار ربوبیت بوجہ احسن و اکمل

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

[illegible]

(۳۹)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہی حضرت کا رونق افزای کلکتہ ہونا از روے شمار رفتار ریل یقینی ہی مگر وہاں کے آب و ہوا کا موافق آنا اور جناب لارڈ صاحب بہادر سے ملاقات کا ہونا اور اجلاس کونسل کا وقوع مین آنا یہ امور جب تک حضرت رقم نفرمائینگے دعاگو کی خیال مین کیونکر آئینگی ناچار جرأت بہم پہنچاکر اس عرضداشت کے جواب مین ان حالات کے انکشاف کا امیدوار ہوں دوسرے پیر و مرشد حضرت کے تصدق سے قرض ادا ہو گیا تنخواہ پہلے قسط سی اور مین نے رنج سے رہائی پائی ہم بدل و ہم بزبان ثناخوان جود و نوال و دعاگوی دوام دولت و اقبال ہون آدھا قرض عطیۂ سابق مین اور آدھا قرض عطیۂ حال مین ادا ہو گیا کچھ نہین سکتا اور بن کہی بنتی نہین اگر حضور نے لڑکون کا پچاس روپیہ مہینا جنوری ۱۸۶۷ء یعنے ماہ حال و سال حال سے جاری ہو جائیگا اور ماہ بماہ فقیر کے روزینہ کے ساتھ پہنچا کریگا تو آپکا نمکخوار پھر کبھی قرضدار نہو گا زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

[illegible]

(۴۰)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے کل حضرت کی اقبال سے ایک مسرت تازہ مجکو پہنچی تفصیل اسکی
یہہ کہ اقبال نشان میرزا شہاب الدینخان انگریزی خوان ہے اخبار انگریزی
دیکھا کرتا ہی اوسنے مجھسی بیان کیا کہ مین نی انگریزی اخبار مین دیکھا ہے جناب
نواب صاحب قبلہ جو شریک اجلاس کونسل ہوئے تو نواب گورنر جنرل بہادر مع
اور کونسل نشینونکی نواب صاحب کے حسن صورت و فرط خلق و لطف تقریر سے
بہت راضی و خشنود ہوئے اور انکی رای سبکی پسند آئی ہے این مراتب
ہے ادنی جزو ولیست کار کلی ہنوز در قدرت روزافزونی دولت و اقبال
کے مدارج ابھی بہت سنونگا اور دیکھونگا انشاء اللہ العلی العظیم
تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روزافزون

(۴۱)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے بہت دن تک متردد رہا ہون حضور کلکتہ ہین یا رامپور چنانچہ
ایک عرضداشت اوسی تردد مین بھیجی ہے ہنوز جواب کے آنے کی مدت منقضی نہین ہوئی
خیر اوسکے جواب پر کیا موقوف ہے یہ تو جان لیا کہ حضرت رونق افزای رامپور
ہین مگر یہ کیونکر جانون ہون اب بہ فرخندگی و فرخی یہین رونق افزا رہینگی یا
پھر کلکتے تشریف لیجائینگی خیر اس بیعلمی کو سہل سمجھ لیا ہے جو کچھ ہوگا معلوم
ہو جائیگا مگر یہ کیونکر جانون ہون مزاج اقدس کیسا ہی اور جب تک یہ نجانون
تو آرام کیونکر آئی یہانسے رامپور تک برابر تار برقی بھی نہین جو خبر منگواؤن
آج ۱۴ فروری کے ہے یہ خط بھیجتا ہون اگر جواب آئی تو ۹ دن مین مجکو اتنی دن
صبر کیونکر آئیگا الہی آج یا کل کوئی نوازشنامہ خداوند کا آجائے زیادہ حد ادب
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

(۴۲)

بعد تسلیم معروض ہے کل صبحکو میں نے خط ڈاک میں بھجوایا ہے اور دو تردد کی رفع کی
التماس تھی ایک یہ کہ پھر کلکتے کو تشریف لیجائیگا یا نہیں دوسرے یہ کہ مزاج اقدس کیسا ہے
حسن اتفاق یہ ہے کہ کل ۱۶ مئی کو اخبار میں دیکھا کہ حضور نے بوجہ ناسازی آب و ہوائے کلکتہ
شمول کونسل سے انکار کیا بارے اس سے خاطر جمع ہوگئی رہی مزاج مبارک کی حقیقت اوس سے
بھی فی الجملہ طمانیت ہوگئی یعنے عنایت نامے میں خیرخواہ کے خلاف دعاگوئے بات مندرج
نتھی اسے عرضے میں یہ بھی عرض کر دیتا ہوں کہ سو روپئے بابت تنخواہ جنوری سنہ ۱۸۶۳ حال میں
نے پائے اور شکر درویش پرور ہے بجا لایا ہے تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عزت و جاہ
روز افزوں ہو

نجات کا طالب
غالب
[illegible]

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

(۴۴)

بعد تسلیم معروض ہے کل صبحکو ۸ گھڑی سے دو دن چڑھے نوروز ہے
آج یہ قطعہ بات تمام کر لکھکر حضور کے نذر بھیجتا ہوں

نوروز و [illegible] عید از جاہ و جلال
خوشبستہ [illegible] [illegible] بفال

این عید [illegible] عید نوروز بود
از بہر دوام عمر و عز و اقبال

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عزت و جاہ روز افزوں

نجات کا طالب غالب
[illegible]

(۴۵)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم و تعظیم معروض ہے ہنڈوی ملفوفہ نوازش نامہ کے ذریعہ سے سو روپیہ فصل ربیع کی تنخواہ کے وصول ہوئے —
ایک رباعی بھیجتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ دبدبۂ سکندری کے آغاز میں اسکے چھاپنے کا التزام رہے —

ای کرده به بخشش [illegible]
[illegible] طلب [illegible]
ای کرده که [illegible] باشد
[illegible] جان باشد

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب
غالب
[illegible] اپریل ۱۸۶۶ء

(۴۶)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے نمائشگاہ سراسر سرور رامپور کا ذکر اخبار میں دیکھتا ہوں اور خون جگر کھاتا ہوں ہائے میں وہاں نہیں بالاخانے پر رہتا ہوں اتر نہیں سکتا ہاں آدمیوں نے گود میں لیکر اتارا اور پالکی میں بٹھا دیا کہار لے چلا راہ میں نہ مرا اور رامپور پہنچ گیا کہاروں نے جا کر بے نظیر میں میری پالکی رکھدی پالکی قفس اور میں طائر اسیر وہ بھی بے پر و بال نہ چل سکوں نہ پھر سکوں جو کچھ اوپر لکھ آیا ہوں یہ سب بطریق فرض محال ہے ورنہ ان امور کے وقوع کا کہاں احتمال ہے فارسی میں تہنیت کا قطعہ تاریخ بھیجتا ہوں اگر پسند آئے تو میں خوشنودی مزاج مبارک سے اطلاع پاؤں

[illegible]

تو ہم عدد گھٹتی اور سو ۱۲۸۳ رہ گئے فہو المقصود اگر حضرت کی مرضی ہو تو دبدبۂ سکندری میں یہ تاریخ چھاپا جائے تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب
غالب
[illegible]

(۴۸)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد ادائے مراسم تسلیم سوچتا ہوں کہ کیا لکھوں ہے ہے میں کیوں جیتا رہا جو صاحبزادہ محمد حسن خاں کے مرنیکی خبر سنوں اور خداوند نعمت کو تعزیت کے کلمات لکھوں میں نہیں جانتا مروں اور وہ نوجوان مرجائے سرو چمن سروری افتاد ز پا ہائے حضرت کے رنج و اندوہ کا تصور مار ڈالتا ہے دوسری محرم کو علی بخش خاں مرے تیسرے کو یہ واقعہ ہوش ربا پیش آیا یہ تو آپکا فرزند دلبند تھا جو اسکا غم ہو وہ بجا ہے پر فقیر جانتا ہے علی بخش خاں کے مرنیکا بھی حضرت کو بڑا رنج ہوا ہوگا ایسے کارگزار دیانت دار ہوشمند مزاجداں نوکر کہاں پیدا ہوتے ہیں بہر حال رضینا برضاء اللہ حضرت کے سامنے صبر و ثبات و تسلیم و رضا میں کلام کرنا ادریس کو حکمت پڑھانا اور خضر کو راہ بتانا ہے ۵ تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

سہ شنبہ ۴ محرم ... غالب

(۵۱)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے بموجب تحریر مرزا رحیم الدین بہادر حیا کے فاضل سطرنج بابتکو خرچ دیگر روانہ کیا تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزوں

جمعہ ۲۱ محرم ۱۲۸۲ ... نجات کا طالب غالب

(۵۳)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے آپ کے غلام زادہ یعنی حسین علی خاں کی منگنی ہو گئی اور اپنی کنبی میں ہوئی یعنی نواب محمد بخش خاں مرحوم کے حقیقی بھتیجے کی پوتی سے اور رجب کا مہینا قرار پایا اب میرے بڑھاپے اور میری مفلسی کی شرم آپ کے ہاتھ ہے نہ لکھوں آپ سے تو کس سے کہوں مدعا ضروری الاظہار تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب غالب
۱۹ اگست ۱۸۶۶ء

آن کیست کہ جسم فلک را جان است
آن کیست کہ عمر سکندر بخشد
آن کیست کہ بخشش بغرامی باشد
کیست کہ کلب علیخان باشد

(۵۴)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے عنایت نامہ ورود لایا اوسمیں یہہ حکم مندرج پایا کہ حسین علی خاں کی شادی کے باب میں خلاصۂ کیفیت خاطر نشان کروں حکم بجا لاتا ہوں اور عرض کرتا ہوں مجملاً یہہ ہے کہ میں دولت کا گدائے خاک نشیں اور وہ آپ کا غلام تفصیل یہہ ہے کہ میرے پاس نقد جنس اسباب املاک اور میرے گھر میں زیور زرینہ و سیمینہ کا نام و نشان نہیں ہے اور دار قرض کوئی دیتا نہیں آپ روپیہ عنایت فرمائیں تا یہہ کام سرانجام پائے اور بوڑھے فقیر کی برادری میں شرم رہ جائے دوسری بات یہہ کہ سو روپیہ آپ کے سرکار سے بطریق خیرات اور ۶۲ روپیہ مہینا انگریزی سرکار سے بعوض جاگیر پاتا ہوں عالم الغیب جانتا ہے کہ اسمیں بڑی مشکل سے گزارا ہوتا ہے مجھکو کہاں سے کہلاؤں گا حسین علی خاں کے کچھ تنخواہ مقرر ہو جائے لیکن توقیع تنخواہ اوسکے نام جاری نہو بلکہ اوسکی زوجہ محسن جہاں بیگم بنت اکبر علی خاں کے نام وہ تنخواہ مقرر ہو اور اوسکی مہری رسید سے ملا کرے زر مہر و فرش وغیرہ کی مقدار اور تنخواہ کی مقدار جو خداوند کی ہمت اور اس کنگال کی قسمت زیادہ حد ادب ہے تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب غالب ۵ ستمبر ۱۸۶۶ء

(۵۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے عنایت نامہ عز ورود لایا اللہ اکبر حضرت نے غمخواری و تفقد
درویش نوازی کو اوس پایہ پر پہنچایا کہ شاہان عجم میں سلطان سنجر نے اور
شاہان ہند میں شاہ جہان نے ملازموں کا اتنی پرکشش اور نوازش کی ہوگی
باقر علیخان کی شادی نواب ضیاء الدین خان کے ہان ہوئی اونہوں نے کہانے جوڑے
کے ۵ ہزار روپیہ دیئے اور میری زوجہ نے پانسو روپیہ کا زیور لگا کر
پچیس سو روپیہ صرف کئے حسین علیخان کا سہرا یعنی اکبر علیخان
اپنی خاندان کا لیکن امیر نہیں نوکر پیشہ ہے اب یہ میں
کیونکر عرض کروں کہ مجھے کیا دو سائل ہوں یہ رسم نہیں کہ سائل

مقدار سوال عرض کرے حال معاش شادی خاندان لکھدیا ہے دو ڈھائی
ہزار میں شادی اچھی ہو جاویگی لیکن یہ بے ساختہ عرض کرتا ہے کہ میرا
حق خدمت اتنا نہیں کہ اسقدر مانگ سکوں جو کچھ دو گے اوسمیں شادی
کر دونگا زیادہ حد ادب ہے تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب معروضہ ۲۳ جمادی الاول سنہ ۸۳ مطابق ۲۳ ستمبر ۶۶ء روز ورود ہمایوں منشور

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے دبدبۂ سکندری میں حضرت کے مزاج کی
ناسازی کا ذکر دیکھ کر جو مجھ پہ گزری میرا خدا جانتا ہے
مگر یہ بڑی بات ہے کہ اوسی ذکر کے ساتھ افاقت و رفع مرض کی
بھی نوید مندرج تھی توقع ہے کہ حضرت مفصل حال مرض کے پیدا
ہونیکا اور پھر رفع ہونیکا اور فی الحال مزاج اقدس کیسا ہے
میر منشی کو حکم ہو جائے کہ حضور کے زبانے خط میں مجھکو لکھ بھیجیں

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب
غالب

۵۸

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے ایک قطعہ ۱۵
شعر کا بھیجتا ہوں حضور ملاحظہ
فرمائیں مضامین کے طرز نئے مدح
انداز نیا دعا کا اسلوب نیا زیادہ
حد ادب ہے تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب
غالب

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

آج روز جمعہ ۱۷ رجب ۱۲۸۴ھ اور ۱۵ نومبر ۱۸۶۷ء والا نامہ مع ہنڈوی تنخواہ اکتوبر ۱۸۶۷ء آیا سو روپے کل آئینگے ۵۰ شاگرد پیشہ اور ۱۶ قرض متفرقہ میں جا کر ۳۴ روپے بچینگے الحمد للہ

(۵۹)

پیر و مرشد

رجب کا مہینا چلا حسین علیخان کی شادی کا اتفاق سسرال سے ہے ادھر سے جز سکوت جواب نہیں ہے کئی دن ہوئے کہ ۱۵ شعر کا قطعہ ارسال ہو چکا ہے اوسکی رسید آنے خط میں مندرج نہیں خاتمہ کے تین شعر دعائیہ یہاں لکھتا ہوں دعا کا نیا طور ہے

[illegible]

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے آج روز شنبہ یکم ماہ رمضان المبارک ۱۲۸۴ھ ہے بہ اتفاق صبح و نگارش جنتری کے روز روزہ ہے و روز ناپیدا ہے غلظت ابر و شدت سرما چونکہ دھوپ تو نظر ہی نہیں آتی ناچار دن رات آگ تاپتا ہوں اور ہر وقت سانپتا ہوں رکھتا

(۶۱)

ماہ صیام میں سلاطین و امرا خیرات کرتے ہیں اگر حسین علیخان جیتے کی شادی اسی مہینے میں ہو جائے اور اس بوڑھے اپاہج فقیر کو روپیہ ملجائے تو اس مہینے میں تیار رہو رہے اور شوال میں رسم نکاح عمل میں آئے اور چونکہ اس ماہ مبارک میں ۱ یقین باز اور سال انگریزی کا بھی آغاز ہے وہ پچیس روپیے مہینا جو زبان مبارک سے نکلا ہے جنوری ۱۸۶۸ء سے بنام حسین علیخان مجھکو رجاری ہو جائے تو مجھے گویا دونوں جہان ملگئے تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے دن ہوں پچاس ہزار

لکھا ہوا یکم رمضان اور بھیجا ہوا ۲ رمضان کا

عطا کا غالب

۱۳۰۴

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

(۶۷)

بعد تسلیم معروض ہے شوق قدم بوس نے تنگ کیا جب دیکھا کہ کسیطرح جا نہیں سکتا ناچار اپنا نقشا اُدتروایا اور خدمت عالی میں روانہ کیا جب تک ہ میں جیتا ہوں تب تک اس صورت سے حاضر رہو لگا زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب غالب
۱۸ جون ۶۹ء
پنجشنبہ

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

(۶۸)

بعد تسلیم معروض ہے آج جو تیسرا دن ہے کہ توقیع وقیع عز ورود لایا ہے مندرجۂ ملفوفہ کی رو سے تنخواہ مئی ۱۸۶۹ء کا سو روپیہ معرض وصول میں آیا ہے جواب کے جلد نہ لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ میں گرمی کی شدت کی سبب سے اور احتباس ہوا کہ جو لازمہ موسم برسات ہے بیکار محض ہو گیا ہوں مطلق کچھ لکھ نہیں سکتا اور کوئی ایسا شخص کہ جس سے کچھ لکھواؤں اس چار روز میں میرے پاس نہیں آتا۔ آج اسوقت ایک صاحب آگئے اونسے میں نے یہ عریضہ لکھوا لیا ــــ پیر و مرشد سابق کی عریضہ کے ساتھ میں نے اپنی تصویر حضور میں بھیجی ہے اوسکی رسید اس نوازشنامہ میں مرقوم نہ تھی مجھکو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ لفافہ ڈاک میں تلف ہو گیا ہو اگر اوسکی رسید سے شرف اطلاع پاؤں تو دلجمعی ہو جائے ۵ تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار ۵ ۱۵ جون ۶۹ء پنجشنبہ

نجات کا طالب غالب

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے آج شہر میں شہرت ہے کہ حضرت امیر المسلمین نے
مفتی صدر الدین مرحوم کی زوجہ کو پانسو روپیہ مفتی جی کی تجہیز و تکفین کیواسطے
رامپور سے بھیج دیا فقیر کو بھی توقع پڑی ہے کہ میرا مردہ بے گور و کفن نہ رہیگا جیسا کہ
میرزا جلال اسیر کہتا ہے ع تجرعۂ لطف تو بعد از ما بما خواہد رسید میں نے کل ایک خط
نواب میرزا خاں کو لکھا ہے خدا جانے وہ حضور تک نظر سے گزرے یا نہ گزرے اوس خط میں
میں نے زوجۂ مفتی جی کا حال یہ لکھا ہے کہ وہ لاولد ہے اور سات آٹھ روپیہ کا کرایہ کے
مکانات اوسکے تحت میں ہیں یہی اوسکا رزق اوسکا بہانا ہے مفتی جی کا کوئی نہیں ہے
اب اپنی حقیقت عرض کرتا ہوں آخر عمر میں تین التماسیں ہیں آپ سے ایک تو
یہ ہے کہ میں ہزار بارہ سو روپیہ کا قرض رکھتا ہوں چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں
ادا ہو جاے دوسری التماس یہ ہے کہ حسین علی کی شادی آپکی بخشش خاص سے ہو جاے
اور یہ سو روپیہ مہینا جو مجھ کو ملتا ہے اوسکے نام پر اوسکی حین حیات قرار پاے
یہ ہے خواہش خواہ میری زندگی میں خواہ میرے بعد اجرا پائیں تم سلامت رہو
قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزوں
روز شنبہ ربیع الثانی ۱۲۸۶ ۲۷ جولائی سال حال
عرضہ نجات کا طالب غالب

(۶۹)

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے کل منشور عطوفت عز صدور لایا اگست ۱۸۶۸ء کا سو روپیہ جو آیا ہے
بذریعۂ ہنڈوی وصول پایا میں التماسیں سابق پیش ہو چکی نہیں سو اب
پہلے برخوردار نواب میرزا خاں کی تحریر سے اور پھر جناب مظفر حسین خاں بہادر کے
خط سے اون خواہشوں کا منظور و مقبول ہونا کھلا تو ہیر یا ان شاء اللہ الکریم
حسب ارشاد حضور اسی برس میں آمد زمستان یعنی نومبر و دسمبر میں میرا قرض
بھی ادا ہو جائیگا اور حسین علی کی شادی بھی ہو جائیگی اور اوسکے واسطے
اوسکی زندگی تک تنخواہ جداگانہ مقرر ہو جائیگی ع با کریماں کارہا
دشوار نیست عرضداشت ہوا خواہ اسد اللہ معروضۂ ۱۳ ماہ اگست ۱۸۶۸ء

تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عز و جاہ روز افزوں

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تقدیم مدارج تسلیم معروض ہے توقیع رافت عز ورود لایا مین نے ہنڈوی ملفوفہ کے ذریعہ سے بابت تنخواہ اگست ۱۸۶۸ سو روپیہ وصول پایا

نکہون آپ سے تو کس سے کہون

(۷۱)

مدعای ضروری الاظہار

پیر و مرشد حسین علیخان کے سسرال والون کا بڑا تقاضا ہے زندگی مشکل ہو گئی ہے بطریق شیئاً للہ سوال مختصر یہ ہے کہ جو حضرت کے مزاج مین آوے وہ عطا ہو بیبی اور حسین علیخان کے نام جداگانہ تنخواہ مقرر کر دیجئے لیکن یہ صورت ہوئی تو اور جلد بگڑ جائیں ہے

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

زیادہ حد ادب

[illegible]

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے کل عریضہ مشعر رسید تنخواہ نومبر ۱۸۶۸ حال ارسال کر چکا ہون آج ناچار از روی اضطرار و افتقار پھر یہ عرضی لکھتا ہون کہ حال میرا تباہ ہوتے ہوتے اب یہ نوبت پہنچی کہ اپنی تنخواہ مین سے للعہ روپئے بچے ہے روپئے کا چوتھا ماہوار کا سو سو ماہ دینا مجملاً آٹھ سو روپئے ہون تو میری آبرو بچتی ہے ناچار حسین علیخان کی شادی اور اوس کے نام کی تنخواہ سے قطع نظر کی اب اس باب مین عرض کرون کیا مجال کبھی نہ کہونگا آٹھ سو روپئے مجکو اور دیجئے دیجئے تاکہ میری آبرو بچ جاوے تو غنیمت ہے برخوردار نواب مرزا خان کے خط مین یہ حال مفصل لکھا ہے وہ عرض کریگا مختصر یہ ہے کہ اب میری جان اور آبرو آپ کے ہاتھ ہے مگر حضور جو عطا فرمانا ہے جلد ارشاد ہو زیادہ حد ادب

(۷۲)

تم سلامت رہو قیامت تک
ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

[illegible]

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے بہت دن ہوئے ہیں برخوردار نواب مرزا خان نے مجھکو مبارکباد لکھی تھی کہ حضور نے تیری قرض کے ادا کرنیکا نوید دی ہے اور مقدار قرض پوچھی ہے سو میں نے اونکو لکھہ بھیجا تھا کہ آٹھہ سو روپئے مین میرا قرض تمام ادا ہو جایگا

اس تحریر سے یاد دہانی منظور ہے زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

آرزومند اسد اللہ خاں غالب
صبح پنجشنبہ ۲ اکتوبر ۱۸۶۶

متن کے ماخذ

۱۔ آجکل (ماہنامہ)، دہلی — مئی ۱۹۵۲ء

۲۔ آجکل (ماہنامہ)، دہلی — اپریل ۱۹۵۴ء

۳۔ آجکل (ماہنامہ)، دہلی — فروری ۱۹۶۰ء

۴۔ اردوئے معلّٰی، مطبع اکمل المطابع، دہلی، (اردوئے معلّٰی) — ۱۸۶۹ء

۵۔ اردوئے معلّٰی، جلد اول، صدی اڈیشن، مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل، لاہور (اردوئے معلّٰی، فاضل، حصہ ۱) — ۱۹۶۹ء

۶۔ اردوئے معلّٰی، جلد دوم، صدی ایڈیشن، مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل، لاہور، (اردوئے معلّٰی، فاضل، حصہ ۲) — ۱۹۶۹ء

۷۔ اردوئے معلّٰی، غالب نمبر، دلی یونیورسٹی، جلد ۲، شمارہ ۲، ۳

۸۔ خطوط غالب، پہلی جلد، مرتبہ مہیش پرشاد، الٰہ آباد — ۱۹۴۱ء

۹۔ عودِ ہندی، مطبع مجتبائی، میرٹھ، (عود اول) — ۱۸۶۸ء

۱۰۔ عودِ ہندی، مطبع مجتبائی، میرٹھ، (عود دوم) — ۱۸۶۸ء

۱۱۔ غالب کی نادر تحریریں، مرتبہ خلیق انجم، دہلی — ۱۹۶۱ء

۱۲۔ فروغِ اردو (ماہنامہ) غالب نمبر، لکھنؤ، 1969ء

۱۳۔ ماہِ نو (ماہنامہ) کراچی، فروری 1962ء

۱۴۔ مرقعِ ادب، جلد ۲، مرتبہ، صفدر مرزا پوری، لکھنؤ،

۱۵۔ مرقعِ غالب، مرتبہ پرتھوی چندر، دہلی، 1966ء

۱۶۔ مکاتیبِ غالب، پہلا اڈیشن، مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی، رام پور، (مکاتیب اوّل) 1937ء

۱۷۔ مکاتیبِ غالب، چھٹا اڈیشن، مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی رام پور (مکاتیب ششم) 1949ء

۱۸۔ نادراتِ غالب، مرتبہ آفاق حسین آفاق کراچی، (نادرات) 1949ء

نواب انوار الدولہ سعد الدین خاں بہادر شفق

۱۔ قبلۂ حاجات! قصیدہ دوبارہ پہنچا۔

(اردوئے معلیٰ، ص ۲۹۸۔ عود اول، ص ۴۸۔ عود دوم ص ۴۸) 1853ء

۲۔ کیوں کر کہوں کہ میں دیوانہ نہیں ہوں۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۳۰ اردوئے معلیٰ، ص ۳۱۴۔ عود اول ص ۵۲۔

عود دوم، ص ۵۲) ۴ اکتوبر 1855ء

۳۔ للہ الشکر کہ پیر و مرشد کا مزاجِ اقدس بخیر و عافیت ہے۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۳۲۔ اردوئے معلیٰ، ۳۱۳، عود اول و دوم، ص ۵۳) ہر دہم اکتوبر 1855ء

۴۔ پیر و مرشد! یہ خط لکھنا نہیں ہے باتیں کرنی ہیں۔

خطوطِ غالب، ص ۱۳۴۔ اردوئے معلیٰ، ص ۳۱۲۔ عود اول و دوم، ص ۵۴ ۲۹ جون 1856ء

۵۔ قبلہ وکعبہ! وہ عنایت نامہ جس میں حضرت نے مزاج کی شکایت لکھی تھی۔
(خطوطِ غالب، ص ۱۳۶۔ اردوے معلّٰی ص ۳۱۱۔ عود اول و دوم، ص ۵۵) ۱۰ نومبر ۱۸۵۶ء

۶۔ حضرت پیر و مرشد! اگر آج میرے سب دوست و عزیز یہاں فراہم ہوتے
(خطوطِ غالب، ص ۱۳۷۔ اردوے معلّٰی ص ۳۱۰۔ عود اول و دوم، ص ۵۶) اکتوبر ۱۸۵۸ء

۷۔ پیر و مرشد! ایک نوازش نامہ آیا اور "دستنبو" کے پہنچنے کا مژدہ پایا
(خطوطِ غالب، ص ۱۳۸۔ اردوے معلّٰی، ص ۳۰۸، عود اول و دوم، ص ۵۶) ۵ نومبر ۱۸۵۸ء

۸۔ پیر و مرشد! بارہ بجے تھے۔ میں ننگا اپنے پلنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا۔
(خطوطِ غالب، ص ۱۴۱۔ اردوے معلّٰی، ص ۳۰۳، عود اول و دوم، ص ۶۰) ۱۸۶۰ء

۹۔ پیر و مرشد، معاف کیجیے گا۔ میں نے جمنا کا کچھ نہ لکھا حال
(خطوطِ غالب، ص ۱۴۳۔ اردوے معلّٰی، ص ۳۱۱ عود اول و دوم، ص ۵۵) ۱۹ جولائی ۱۸۶۰ء

۱۰۔ پیر و مرشد! شبِ رفتہ کو مینہ خوب برسا
(خطوطِ غالب، ص ۱۴۴۔ اردوے معلّٰی، ص ۳۰۰۔ عود اول و دوم، ص ۶۳) جولائی یا اگست ۱۸۶۰ء

۱۱۔ پیر و مرشد! کورنش مزاجِ اقدس۔
(خطوطِ غالب ص ۱۴۴۔ اردوے معلّٰی، ص ۲۹۹، عود اول و دوم، ص ۶۴) جولائی یا اگست ۱۸۶۰ء

۱۲۔ خداوند نعمت! شرف افزا نامہ پہنچا۔
(خطوطِ غالب، ص ۱۴۵۔ اردوے معلّٰی، ص ۳۰۲۔ عود اول و دوم، ص ۶۲) ۲۴ اگست ۱۸۶۰ء

۱۳۔ پیر و مرشد! میں آپ کا بندۂ فرماں پذیر اور آپ کا حکم بہ طیبِ خاطر بجا لانے والا ہوں۔
(خطوطِ غالب، ص ۱۴۶۔ اردوے معلّٰی، ص ۳۰۱۔ عود اول و دوم، ص ۶۲) ۲ جون ۱۸۶۱ء

۱۴۔ قبلہ وکعبہ! کیا لکھوں؟ امورِ نفسانی میں اضداد کا جمع ہونا محالاتِ عادیہ میں سے ہے
(خطوطِ غالب ص ۱۴۷۔ اردوے معلّٰی، ص ۳۱۵۔ عود اول و دوم، ص ۵۱) ۲۲ اکتوبر ۱۸۶۱ء

۱۵۔ ناوکِ بیداد کا ہدف پیر خرف، یعنی غالبؔ آداب بجالاتا ہے۔
(خطوطِ غالبؔ، ص ۱۴۹۔ عود اول و دوم، ص ۵۲) ۱۹ جون ۱۸۶۳ء

۱۶۔ پیر و مرشد! آداب تتمہ غلط نامہ "قاطع برہان" کو بھیجے ہوئے۔
(خطوطِ غالبؔ، ص ۱۴۹۔ اردوے معلّیٰ، ص ۳۰۵۔ عود اول و دوم ص ۵۸) ۱۱ اگست ۱۸۶۳ء

۱۷۔ ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق۔
(اردوے معلّیٰ، ص ۲۹۵۔ عود اول و دوم، ص ۱۱۸) ۱۵ فروری ۱۸۶۴ء

۱۸۔ پیر و مرشد! اگر میں نے "امید کا" ہ بہ کافِ عربی ازراہِ شکوہ لکھا۔
(اردوے معلّیٰ، ص ۲۹۷۔ عود اوّل و دوم، ص ۴۹)

۱۹۔ پیر و مرشد! آداب، مزاجِ مقدس؟ میرا جو حال آپ نے پوچھا۔
(اردوے معلّیٰ، ص ۳۱۴۔ عود اول و دوم، ص ۵۰)

۲۰۔ پیر و مرشد! حضور کا توقیعِ خاص اور آپ کا نوازش نامہ۔
(اردوے معلّیٰ، ص ۲۹۶۔ عود اول و دوم، ص ۵۰)

نواب میر غلام بابا خاں

۱۔ سُبحَانَ اللہ تَعَالیٰ شَانُہٗ مَا اَعظَمَ بُرہَانَہٗ
(اردوے معلّیٰ، ص ۶) ۶ ستمبر ۱۸۶۳ء

۲۔ بہ جناب نواب صاحب، جمیل المناقب، عمیم الاحسان، سَلَّمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔
(اردوے معلّیٰ، ص ۱۱) ۳ دسمبر ۱۸۶۴ء

۳۔ نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان امید گاہِ درویشاں زاد افضالکم۔
(اردوے معلّیٰ، ص ۱۲) ۱۷ دسمبر ۱۸۶۵ء

۴۔ نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت۔ فقیر اسد اللہ عرض کرتا ہے۔
(اردوے معلّیٰ، ص ۵) ۲۲ مارچ ۱۸۶۶ء

۵۔ بہ خدمت نواب صاحب جمیل المناقب، عمیم الاحسان، نواب میر غلام بابا خاں بہادر زاد مجدہٗ۔
(اردوئے معلیٰ، ص ۹) ۹ اگست ۱۸۶۶ء

۶۔ ستودہ بہ ہر زباں و نامور بہ ہر دیار، نواب صاحب شفیق کرم گستر۔
(اردوئے معلیٰ، ص ۹) ۱۴ نومبر ۱۸۶۶ء

۷۔ نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان، عالی شان والا دودمان زاد مجدکم سلام مسنون الاسلام و دعائے دوام دولت و اقبال کے بعد عرض کیا جاتا ہے۔
(اردوئے معلیٰ ص ۱۰) مارچ ۱۸۶۷ء

۸۔ نواب صاحب جمیل المناقب، عمیم الاحسان، عنایت فرمائے مخلصان زاد مجدہ شکر یاد آوری و رواں پروری بجالاتا ہوں۔
(اردوئے معلیٰ، ص ۷) ۳۰ اپریل ۱۸۶۷ء

۹۔ جناب نواب صاحب! میں آپ کے اخلاق کا شاکر اور آپ کی یاد آوری کا ممنون۔
(اردوئے معلیٰ، ص ۱۱) ۳ مئی ۱۸۶۷ء

۱۰۔ جناب سید صاحب و قبلہ! بعد بندگی عرض کرتا ہوں کہ عنایت نامہ آپ کا پہنچا۔
(اردوئے معلیٰ، ص ۸) ۶ اپریل ۱۸۶۸ء

منشی محمد ابراہیم خلیل

غالب کمینہ، بازاری، فرومایہ کا سلام۔
(ماہِ نو کراچی، فروری ۱۹۶۲ء) ۴ جنوری ۱۸۶۱ء

نواب ابراہیم علی خاں وفاؔ

۱۔ پیر و مرشد! جناب سید ابراہیم علی خاں کو بندگی۔ غزل پہنچی ہے۔
(اردوئے معلیٰ، ص ۲۳۶) ۲۱ جولائی ۱۸۶۶ء

۲۔ بہ خدمت قبلہ سید احمد حسن صاحب مودودی تسلیم۔ جناب میر ابراہیم علی خاں بہادر کورنش مقبول باد

(اردوے معلیٰ، ص ۲۳۷) ۱۷ اگست ۱۸۶۶ء

۳۔ ولیِ نعمت کو غالب کی بندگی

(اردوے معلیٰ، ص ۲۳۵) ۲ اکتوبر ۱۸۶۶ء

۴۔ سید صاحب قبلہ نواب ابراہیم علی خان بہادر کو غالب علی شاہ کا سلام۔

(اردوے معلیٰ، ص ۲۳۶) ۵ دسمبر ۱۸۶۶ء

۵۔ جنابِ تقدس انتساب سید صاحب و قبلہ، والامناقب، عالی شان

(اردوے معلیٰ ص ۲۳۷) جولائی، اگست ۱۸۶۸ء

صاحبِ عالم مارہروی

۱۔ می کنم عرض گر مکرر باش

(عود اول و عود دوم، ص ۱۹) مارچ ۱۸۵۹ء

۲۔ پیر و مرشد! اس مطلع و حسنِ مطلع کو کیا سمجھوں اور اس کا شکر کیوں کر بجالاؤں۔

(اردوے معلیٰ، ص ۲۰۲ عود اول و عود دوم، ص ۲۸) جولائی، اگست ۱۸۶۱ء

۳۔ بعد حمد خداوند و نعمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(اردوے معلیٰ، ص ۲۰۳۔ عود اول و عود دوم ص ۳۷) ۱۸۶۱ء اور ۱۸۶۲ء کے درمیان

۴۔ حضرت صاحب قبلہ و کعبہ جناب صاحبِ عالم کو فقیر اسد اللہ کی بندگی

(علی گڑھ میگزین' غالب نمبر' ص ۹۷) ۲۶ اگست ۱۸۶۶ء

۵۔ ایک شعر میں نے بہت دنوں سے کہہ رکھا ہے۔

(اردوے معلیٰ، فاضل، جلد ۲، ص ۱۰۱۵) دسمبر ۱۸۶۶ء

۶۔ دیگر از خویشتنم خبر نبود تکلف برطرف

(مرقع ادب' جلد ۱' ص ۲۲ - اردو' اورنگ آباد' اپریل ۱۹۲۹ء ص ۷۷)

اردوے معلیٰ (فاضل)' حصہ ۲' ص ۱۰۱۱) ۱۸۶۷ء

شاہ عالم

۱ - مخدوم زادۂ والا اتبار حضرت شاہ عالم سلام و دعاے درویشانہ قبول فرماویں۔

(اردوے معلیٰ' ص ۲۰۰ - عود اول و عود دوم' ص ۲۴) مئی سنہ ۱۸۶۰ء

۲ - مخدوم زادۂ عالی شان مقدس دودمان حضرت شاہ عالم

(اردوے معلیٰ' ص ۲۰۱ - عود اول و عود دوم' ص ۲۷) ۲۶ اگست سنہ ۱۸۶۰ء

۳ - مخدوم زادۂ مرتضوی نژاد کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہنچے۔

(اردوے معلیٰ (فاضل) حصہ ۲' ص ۱۰۰۹) ۶ نومبر سنہ ۱۸۶۵ء

حکیم سید احمد حسن صاحب مودودی

۱ - حضرت قبلہ! پہلے التماس یہ ہے کہ آپ سید صحیح النسب' تمام امتِ مرحومۂ محمد علیہ السلام کے قبلہ و کعبہ۔

(اردوے معلیٰ' ص ۲۴۰) ۲۸ جنوری سنہ ۱۸۶۱ء

۲ - حضرت پیر و مرشد! غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔

(اردوے معلیٰ' ص ۲۴۰) ۱۹ جنوری سنہ ۱۸۶۲ء

۳ - پیر و مرشد! تین برس عوارضِ احتراقِ خون میں ایسا مبتلا رہا ہوں کہ اپنے جسم و جان کی بھی خبر نہیں۔

(اردوے معلیٰ' ص ۲۴۲) ۲۴ جولائی سنہ ۱۸۶۵ء

۴ - حضرت پیر و مرشد! ان دنوں میں اگر فقیر کے عرائض نہ پہنچے ہوں۔

(اردوے معلیٰ' ص ۲۴۲) ۱۷ جنوری سنہ ۱۸۶۶ء

۵ - پیر و مرشد! آپ کو میرے حال کی بھی خبر ہے؟

(اردوے معلیٰ، ص ۲۴۳) ۸ اپریل ۱۸۶۶ء

۶۔ پیر و مرشد! یکم محرم کا خط کل اٹھارہ محرم کو پہنچا۔

اردوے معلیٰ، ص ۲۴۴) ۲ جون ۱۸۶۶ء

۷۔ سید صاحب وقبلہ! عنایت نامہ مع قصیدہ پہنچا۔

(اردوے معلیٰ، ص ۲۴۱) یکم ستمبر ۱۸۶۶ء

۸۔ قبلہ! ڈاک کے ہرکارے نے کل دو خط ایک بار پہنچائے۔

(اردوے معلیٰ، ص ۲۴۴) ۲۵ ستمبر ۱۸۶۶ء

۹۔ حضرت! یہ آپ کے جد امجد کا غلام تو مر لیا۔

(اردوے معلیٰ، ص ۲۴۵) ۱۸ اکتوبر ۱۸۶۶ء

۱۰۔ سید صاحب وقبلہ حکیم سید احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کا سلام پہنچے۔

(اردوے معلیٰ، ص ۲۴۶) ۳ جولائی ۱۸۶۷ء

۱۱۔ جناب سید صاحب وقبلہ سید احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کی بندگی مقبول ہو۔

(اردوے معلیٰ، ص ۲۴۶) ۱۷ جولائی ۱۸۶۸ء

بنام منشی سخاوت حسین

۱۔ مشفقی مکرمی منشی سخاوت حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

(آجکل، نئی دلی، فروری ۱۹۶۰ء۔ اردوے معلیٰ، دلی یونیورسٹی ۱۹۶۰ء

غالب کی نادر تحریریں، ص ۳۸) ۴ فروری ۱۸۶۱ء

بہاری لال مشتاق

۱۔ سعادت مند با کمال، منشی بہاری لال کو بہ یمن تاثیر دعاے غالب خستہ حال۔

(اردوے معلیٰ، ص ۴۵۷) ۲۶ فروری ۱۸۶۸ء

۲- برخوردار بہاری لال، مجھ کو تم سے جو محبت ہے

(اردوئے معلیٰ، ص ۲۵۷) ۷ جون ۱۸۶۴ء

ظہیر الدین کی طرف سے اُن کے چچا کے نام

۱- جناب فیض مآب چچا صاحب قبلہ و کعبۂ دو جہاں الخ

(عود اول و دوم۔ فروغِ اردو، لکھنؤ، غالب نمبر، ۱۹۶۹ء، ص ص ۲۷-۲۶)

سید بدر الدین احمد کاشف المعروف بہ فقیر

۱- مخدوم و مکرم جناب فقیر صاحب کی خدمتِ عالی میں عرض کیا جاتا ہے کہ بہت دن سے آپ نے مجھ کو یاد نہیں کیا۔

(اردوئے معلیٰ، ص ۱۲۷) ۱۸۵۳ء

۲- حضرت مخدوم و مکرم و معظم جناب فقیر صاحب دامت برکاتہم۔

(اردوئے معلیٰ، ص ۱۲۶) ۳ جنوری ۱۸۵۵ء

۳- حضرت! آپ کے خط کا جواب لکھنے میں درنگ اس راہ سے ہوئی کہ میں منتظر رہا میاں کے آنے کا۔

(اردوئے معلیٰ، ص ۱۳۰) ۱۳ مئی ۱۸۶۳ء

۴- سید صاحب جمیل المناقب عالی خاندان سعادت و اقبال توامان، مجھ کو اپنی یاد سے غافل اور سید احمد کی خدمت گزاری سے فارغ نہ سمجھیں۔

(اردوئے معلیٰ، ص ۱۲۸) ۲۵ مئی ۱۸۶۳ء

۵- پیر و مرشد! آج نواں دن ہے حسین صاحب الور گئے۔

(اردوئے معلیٰ، ص ۱۲۹) ۷ جون ۱۸۶۳ء

منشی عبداللطیف

۱۔ برخوردار نورچشم منشی عبداللطیف سلّمہٗ اللہ تعالیٰ۔ بعد دعائے دوام دولت وطول عمر معلوم کریں۔

۱۰ مارچ ۱۸۵۱ء

(نادرات، ص ص ۹۔۱۰)

۲۔ صاحب آگے تمھارا ایک خط، پھر بارہ کتابوں اور ایک جنتری کا پارسل پہنچا۔

۶ دسمبر ۱۸۵۸ء

(اردوئے معلّٰی ص ۲۷۲ ۔ نادرات ص ص ۸۹۔۹۰)

منشی شیونرائن آرام

۱۔ گمان زیست بود بر منت ز بے دردی۔

۱۸ جولائی ۱۸۵۸ء

(مرقع ادب، جلد ۲، ص ص ۲۵۔۲۴)

۲۔ صاحب! خط پہنچا، اخبار کا لفافہ پہنچا۔

۱۸۵۸ء

(اردوئے معلّٰی، ص ۳۴۹)

۳۔ شفیق میرے، مکرم میرے، منشی شیونرائن صاحب،

۳۱ اگست ۱۸۵۸ء

(اردوئے معلّٰی، ص ۳۵۱)

۴۔ مہاراج! سخت حیرت میں ہوں کہ منشی ہرگوپال صاحب نے مجھ کو خط لکھنا کیوں چھوڑا۔

۳ ستمبر ۱۸۵۸ء

(اردوئے معلّٰی، ص ۳۵۲)

۵۔ برخوردار نورچشم منشی شیونرائن آرام کو معلوم ہو کہ میں کیا جانتا تھا کہ تم کون ہو۔

۱۹ اکتوبر ۱۸۵۸ء

(اردوئے معلّٰی، ص ۳۵۵)

۶۔ نور بصر، لخت جگر، منشی شیونرائن کو دعا پہنچے۔

ستمبر ۱۸۵۸ء

اردوئے معلّٰی، ص ۳۵۴)

۷۔ برخوردار اقبال نشان منشی شیونرائن کو بعد دعا کے معلوم ہو

۲۳ اکتوبر ۱۸۵۸ء

(اردوئے معلّٰی، ص ۳۵۷)

۸۔ برخوردار کامگار کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ "دستنبو" کے آغاز کی عبارت از روے احتیاط دوبارہ ارسال کی ہے۔

(اردوے معلیٰ، ص ۳۵۸) اکتوبر ۱۸۵۸ء

۹۔ میاں! تمھارے کمال کا حال معلوم کر کے میں بہت خوش ہوا۔

(اردوے معلیٰ، ص ۳۵۸ ۹ نومبر ۱۸۵۸ء

۱۰۔ برخوردار کارگار منشی شیونرائن طالعمرہٗ و زاد قدرہ۔

(اردوے معلیٰ، ۳۶۰) ۱۳ نومبر ۱۸۵۸ء

۱۱۔ صاحب! تمھارا خط آیا، دل خوش ہوا۔

(اردوے معلیٰ، ۳۶۰) ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء

۱۲۔ برخوردار اقبال نشان کو دعا پہنچے

(اردوے معلیٰ، ص ۳۶۱) ۲۰ نومبر ۱۸۵۸ء

۱۳۔ صاحب تم کندھولی سے کب آئے؟

(اردوے معلیٰ، ص ۳۶۲) ۳۰ نومبر ۱۸۵۸ء

۱۴۔ صاحب! تم خط کے نہ بھیجنے سے گھبرا رہے ہو گے۔

(اردوے معلیٰ، ص ۳۶۲) ۱۱ دسمبر ۱۸۵۸ء

۱۵۔ بھائی! یہ بات تو کچھ نہیں کہ تم خط کا جواب نہیں لکھتے۔

(اردوے معلیٰ، ص ۳۶۴) ۱۵ دسمبر ۱۸۵۸ء

۱۶۔ برخوردار! آج اس وقت تمھارا خط مع لفافوں کے لفافہ آیا۔

(اردوے معلیٰ، ص ۳۶۵) ۱۸ دسمبر ۱۸۵۸ء

۱۷۔ اب ایک امرِ خاص کو سمجھو۔

(اردوے معلیٰ، ص ۳۶۶) ۴ جنوری ۱۸۵۹ء

۱۸- پرسوں اور کل دو ملاقاتیں جناب آرنلڈ صاحب بہادر سے ہوئیں۔
۱۵ جنوری ۱۸۵۹ء
(اردوے معلّٰی، ص ۳۶۸)

۱۹- بھائی! میں تم کو اطلاع دیتا ہوں۔
(یہ خط پہلی مرتبہ اردوے معلّٰی دلی یونیورسٹی جلد ۲، شمارہ ۲، ۳ (ص ۷۴) میں
۱۷ جنوری ۱۸۵۹ء
چھپا تھا۔

۲۰- صاحب! میں ہندی غزل بھیجوں کہاں سے؟
۱۹ اپریل ۱۸۵۹ء
(اردوے معلّٰی، ص ۳۶۸)

۲۱- بھائی! حاشا ثم حاشا، اگر یہ غزل میری ہو۔
۲۶ اپریل ۱۸۵۹ء
(اردوے معلّٰی، ص ۳۷۰)

۲۲- برخوردار منشی شیو نرائن کو دعا پہنچے۔
۱۲ جون ۱۹۶۸ء
(اردوے معلّٰی، ص ۳۷۲)

۲۳- برخوردار نورچشم منشی شیو نرائن کو دعا پہنچے۔
۱۹ جولائی ۱۸۵۹ء
(اردوے معلّٰی، ص ۳۷۳)

۲۴- برخوردار کو بعد دعا کے معلوم ہو، تمھارا خط پہنچا۔
۲۳ جولائی ۱۸۵۹ء
(اردوے معلّٰی، ص ۳۷۴)

۲۵- میاں، یہ کیا معاملہ ہے؟
۱۷ اگست ۱۸۵۹ء
(اردوے معلّٰی، ۳۷۴)

۲۶- کیوں میری جان تم نے خط نہ لکھنے کی قسم کھائی ہے یا لکھنا ہی بھول گئے ہو۔
۲۲ ستمبر ۱۸۵۹ء
(اردوے معلّٰی، ص ۳۷۵)

۲۷- میری جان! دو جلدیں "بغاوتِ ہند" کی پرسوں میرے پاس پہنچیں۔
۲۰ اکتوبر ۱۸۵۹ء
(اردوے معلّٰی، ص ۳۷۷)

۲۸- برخوردار منشی شیونرائن کو بعد دعا کے معلوم ہو کیا میرے خط نہیں پہنچے۔

(اردوے معلّٰی، ص ۳۷۵)

۲ نومبر ۱۸۵۹ء

۲۹- برخوردار! دو خط آئے اور آج یکشنبہ تیرہ نومبر کو لفافہ اخبار آیا۔

(اردوے معلّٰی، ص ۳۷۷)

۱۳ نومبر ۱۸۵۹ء

۳۰- برخوردار منشی شیونرائن کو دعاے دوام دولت پہنچے۔

(اردوے معلّٰی، ص ۳۷۹)

۱۳ مارچ ۱۸۶۰ء

۳۱- برخوردار اقبال آثار منشی شیونرائن کو بعد دعا کے معلوم ہو۔

(اردوے معلّٰی، ص ۳۸۰)

۱۴ مارچ ۱۸۶۰ء

۳۲- میاں! دیوان کے میرٹھ میں چھاپے جانے کی حقیقت سن لو۔

(اردوے معلّٰی، ص ۳۸۱)

اپریل ۱۸۶۰ء

۳۳- صاحب! میں تمھارا گنہ گار ہوں۔ تمھاری کتاب میں نے دبا رکھی ہے۔

(اصل خط۔ یہ خط غالباً مولوی مہیش کی دریافت ہے۔)

۲۵ جون ۱۸۶۰ء

۳۴- میاں! تمھاری باتوں پر ہنسی آتی ہے۔

(اردوے معلّٰی، ص ۳۸۴)

۳ جولائی ۱۸۶۰ء

۳۵- میاں! میں جانتا ہوں کہ مولوی میر نیاز علی صاحب نے وکالت اچھی نہیں کی۔

(اردوے معلّٰی، ص ۳۸۵)

۱۰ جنوری ۱۸۶۲ء

۳۶- برخوردار منشی شیونرائن کو دعا کے بعد معلوم ہو۔

(اردوے معلّٰی، ص ۳۸۲

۳ مئی ۱۸۶۳ء

منشی نبی بخش حقیر

۱- صاحب بندہ! میاں نسیم اللہ یہاں آئے۔

(نادرات، ص ۲)

۹ مارچ ۱۸۴۸ء

۲۔ بندہ پرور! بہت دنوں سے میرا دھیان آپ میں لگا ہوا تھا۔

(نادرات، ص ص ۴-۲) ۴ جون ۱۸۴۸ء

۳۔ شفیق میرے، منشی میرے، کرم فرما میرے، عنایت گستر میرے!

(نادرات، ص ۵) ۱۰ جنوری ۱۸۵۰ء

۴۔ بھائی صاحب! بندہ گنہگار حاضر ہوا ہے اور بندگی عرض کرتا ہے اور عفوِ تقصیر کا آرزومند ہے۔

(نادرات، ص ص ۵-۷) اگست تا اکتوبر ۱۸۵۰ء

۵۔ اپنے بھائی صاحب قبلہ کی خدمت میں بندگی عرض کرتا ہوں۔

(نادرات، ص ص ۷-۸) ۲ جنوری ۱۸۵۱ء

۶۔ بھائی صاحب کو بندگی پہنچے۔

(نادرات، ص ص ۸-۹) ۲ مارچ ۱۸۵۱ء

۷۔ بھائی صاحب کو سلام پہنچے۔

(نادرات، ص ص ۱۱-۱۰) ۲۸ مارچ ۱۸۵۱ء

۸۔ بھائی صاحب! یہ عنایت نامہ بھی پایا اور جس کی مجھے فکر تھی، وہ بھی آیا۔

(نادرات، ص ص ۱۳-۱۱) اپریل، مئی ۱۸۵۱ء

۹۔ بھائی صاحب! تم کو مبارک ہو۔ نصیر الدین کا بیاہ اور عبدالسلام کا ختنہ۔

(نادرات، ص ص ۱۴-۱۳) اپریل تا جولائی ۱۸۵۱ء

۱۰۔ بھائی صاحب کو سلام اور منشی عبداللطیف اور نصیر الدین اور پیاری زکیہ کو دعا پہنچے۔

(نادرات، ص ص ۱۵-۱۴) اپریل تا جولائی ۱۸۵۱ء

۱۱۔ آداب بجا لاتا ہوں۔ بہت دن سے آپ کا خط نہیں آیا۔

(نادرات، ص ص ۱۶، ۱۵) جولائی ۱۸۵۱ء

۱۲۔ بھائی صاحب! آپ کا خط بہت دن کے بعد آیا۔

(نادرات، ص ص ۱۷۔۱۶) ۲۴ اگست ۱۸۵۱ء

۱۳۔ زکیہ اور عبد السلام کا آنا مبارک ہو۔

(نادرات، ص ص ۱۷۔۲۰) ۶ ستمبر ۱۸۵۱ء

۱۴۔ بھائی صاحب! آپ کا خط پہنچا۔

(نادرات، ص ص ۲۱۔۲۰) ستمبر ۱۸۵۱ء تا مارچ ۱۸۵۲ء

۱۵۔ بھائی صاحب! آج ہفتے کا دن پندرھویں مئی کی صبح کا وقت ہے۔

(نادرات، ص ص ۲۳، ۲۲) ۱۵ مئی ۱۸۵۲ء

۱۶۔ بھائی صاحب! آگے اس سے دو خط تم کو بھیج چکا ہوں۔

(نادرات، ۲۵۔۲۳) ۲۱ مئی ۱۸۵۲ء

۱۷۔ بھائی صاحب! آپ کا خط آیا۔ پاکھل کے مُربّے کا پہنچنا معلوم ہوا۔

(نادرات، ۲۸۔۲۵) اگست، ستمبر ۱۸۵۲ء

۱۸۔ بھائی صاحب! آپ کے دو خط آئے۔

(نادرات، ص ص ۳۰۔۲۸) ۱۹ نومبر ۱۸۵۲ء

۱۹۔ بھائی! مجھ کو تم سے بڑا تعجب ہے کہ اس بیت کے معنی میں تم کو تامل رہا۔

(نادرات، ص ص ۳۱۔۳۰) ۸ جنوری ۱۸۵۳ء

۲۰۔ بھائی! کئی دن ہوئے کہ آپ کا عطوفت نامہ پہنچا

(نادرات، ص ۳۱) جنوری ۱۸۵۳ء

۲۱۔ قبلہ معاف رکھیے گا۔ کئی دن کے بعد آپ کو خط لکھتا ہوں۔

(نادرات، ص ص ۲۲۔۲۱) ۹ مارچ ۱۸۵۳ء

۲۲۔ لو بھائی، اب تو بی زکیہ ہمارے تمھارے برابر ہو گئیں۔

(نادرات، ص ص ۳۳۔۳۱) ۱۷ مارچ ۱۸۵۳ء

۲۳- حضرت! عجب تماشا ہے۔ منشی ہرگوبند سنگھ کا اظہار تو یہ ہے کہ منشی صاحب تو میرے سامنے ہاترس سے ہو آئے۔

(نادرات، ص ص ۳۳-۳۴) ۴ اپریل ۱۸۵۳ء

۲۴- بھائی صاحب! کیسی تاریخ اور کیسی نقل۔ کیا فرماتے ہو؟

(نادرات، ص ص ۳۴-۳۵) ۱۰ اپریل ۱۸۵۳ء

۲۵- بھائی! یہاں بادشاہ نے قلعے میں مشاعرہ مقرر کیا ہے۔

(نادرات، ص ص ۳۵-۳۶) ۱۰ تا ۲۳ اپریل ۱۸۵۳ء

۲۶- بڑا تعجب ہے تم اس شعر کے معنی پوچھتے ہو

(نادرات، ص ص ۳۸-۳۹) ۲۳ اپریل ۱۸۵۳ء

۲۷- بھائی صاحب! آپ کا عنایت نامہ مقام ہاترس سے پہنچا۔

(نادرات، ص ص ۳۹-۴۰) ۲۹ مئی ۱۸۵۳ء

۲۸- بھائی صاحب کا عنایت نامہ پہنچا۔

(نادرات، ص ص ۴۱-۴۲) ۲۲ جون ۱۸۵۳ء

۲۹- پیرومرشد! غلام کی کیا طاقت کہ آپ سے خفا ہو۔

(نادرات، ص ص ۴۲-۴۳) ۲۱ اگست ۱۸۵۳ء

۳۰- بھائی صاحب! یہ شعر کس کا ہے:

(نادرات، ص ص ۴۳-۴۴) ۳ ستمبر ۱۸۵۳ء

۳۱- بھائی صاحب! تمھارا خط آیا اور حال جیت سنگھ کا معلوم ہوا۔

(نادرات، ص ص ۴۵-۴۶) ۲ اکتوبر ۱۸۵۳ء

۳۲- بھائی صاحب! یہ نئی طرز روش ہے کہ خط کی رسید تو نہیں لکھتے اور اُلٹا شکوہ کرتے ہو۔

(نادرات، ص ص ۴۶-۴۷) ۶ اکتوبر ۱۸۵۳ء

۳۳ - بھائی صاحب! یہ آپ کے دل میں کس نے شبہہ ڈال دیا؟

(نادرات، ص ص ۴۹ - ۴۸) ۷ نومبر ۱۸۵۳ء

۳۴ - بھائی صاحب! میں بھی تمہارا ہمدرد ہو گیا۔

(نادرات، ص ص ۵۰ - ۴۹) ۲۲ دسمبر ۱۸۵۳ء

۳۵ - بھائی جان! تمہارا خط کہ جو شیخ رحمت اللہ صاحب کے ذریعے کے خط کے جواب میں تھا پہنچا۔

(نادرات، ص ص ۵۱ - ۵۰) ۲۳ جنوری ۱۸۵۴ء

۳۶ - بھائی صاحب! میں نہیں جانتا تھا کہ تم کہاں ہو۔

(نادرات، ص ۵۱) ۲۳ فروری ۱۸۵۴ء

۳۷ - بھائی صاحب! آپ کا خط آیا۔ حال لڑکے بالوں کا اور تمہارا معلوم ہوا۔

(نادرات، ص ص ۵۲ - ۵۱) ۲۷ مارچ ۱۸۵۴ء

۳۸ - بھائی صاحب! الحمد للہ کہ اور تو سب طرح خیر و عافیت ہے مگر گرمی کی وہ شدت ہے کہ عیاذاً باللہ۔

(نادرات ص ص ۵۴ - ۵۳) ۴ جون ۱۸۵۴ء

۳۹ - بھائی صاحب! کیا کہوں کہ کتنا ہنسا ہوں تمہاری اس بات پر کہ تو تو قطعہ یا رباعی کہہ کر الگ ہو گیا اور مجھ کو تیس روزے رکھنے پڑے۔

(نادرات، ص ص ۵۵ - ۵۴) ۱۹ جون ۱۸۵۴ء

۴۰ - بھائی صاحب! قصیدہ مدحیہ حضرت ولی عہد بہادر میں شین کی ضمیر مطلع سے لے کر دُور تک بہ طرف معشوق کے راجع ہے۔

(نادرات ص ص ۶۱ - ۵۸) مئی، جون ۱۸۵۴ء

۴۱ - بھائی صاحب! یہ جواب آپ نے لکھا کہ تیرے وہ اشعار سنے جاتے ہیں کہ جو

کبھی نہیں سُنتے تھے۔

(نادرات، ص ص ۵۸-۵۶) جولائی ۱۸۵۴ء

۴۲۔ بھائی صاحب! آپ کے عنایت نامے سے بھابی صاحبہ کے مزاج کی ناسازی اور بچّوں کی ناخوشی معلوم ہوئی۔

(نادرات، ص ۶۱) ۱۱ اگست ۱۸۵۴ء

۴۳۔ بھائی صاحب! پرسوں شام کو مرزا یوسف علی خاں شہر میں پہنچے۔

(نادرات، ص ص ۶۲-۶۱) ۱۵ اگست ۱۸۵۴ء

۴۴۔ بھائی صاحب کو بندگی پہنچے۔ یہاں کی عید کا ماجرا عرض کروں گا۔

(نادرات، ص ص ۶۴-۶۲) ۱۵ ستمبر ۱۸۵۴ء

۴۵۔ بھائی صاحب! جی چاہتا ہے باتیں کرنے کو، حق تعالیٰ عبدالسلام کی ماں کو شفا دے۔

(نادرات، ص ص ۶۶-۶۴) ۳ اکتوبر ۱۸۵۴ء

۴۶۔ ہائے ہائے وہ نیک بخت نہ بچی۔

(نادرات، ص ص ۶۶) ۶ اکتوبر ۱۸۵۴ء

۴۷۔ بھائی صاحب! آپ کا خط آیا اور منشی عبداللطیف کی دختر بلند اختر کا اپنی پھپھیوں کے ساتھ اکبر آباد جانا معلوم ہوا۔

(نادرات، ص ص ۶۷-۶۶) ۱۵ اکتوبر ۱۸۵۴ء

۴۸۔ آداب بجالاتا ہوں اور جا جم کا عرض کرتا ہوں۔

(نادرات، ص ص ۶۸-۶۷) ۵ نومبر ۱۸۵۴ء

۴۹۔ بھائی صاحب! السلام علیکم۔ حق تعالیٰ تم کو اور تمھارے بچّوں کو سلامت رکھے۔

(نادرات، ص ص ۶۸-۶۹) ۲۳ نومبر ۱۸۵۴ء

۵۰۔ بھائی صاحب! خدا کے واسطے ماجرا کیا ہے۔

(نادرات، ص ۶۹) ۸ دسمبر ۱۸۵۴ء

۵۱۔ خدا کے واسطے رسول کے واسطے۔ منشی عبداللطیف کی خیر و عافیت لکھو۔

(نادرات، ص ۷۰) ۳۱ دسمبر ۱۸۵۴ء

۵۲۔ بھائی صاحب کا عنایت نامہ پہنچا۔ میرا خط لکھنا تغافل و تساہل سے نہ تھا۔

(نادرات، ص ص ۷۱۔۷۰) ۸ مارچ ۱۸۵۵ء

۵۳۔ پیر و مرشد! مجھ پر عتاب کیوں ہے۔

(نادرات ص ص ۷۲۔۷۱) ۱۹ مئی ۱۸۵۵ء

۵۴۔ بھائی صاحب! کہیے کیا گرمی پڑتی ہے اور کیوں کر گزرتی ہے۔

(نادرات، ص ص ۷۴۔۷۳) ۲۵ مئی ۱۸۵۵ء

۵۵۔ لو صاحب اور تماشا سنو، آپ مجھ کو سمجھاتے ہیں کہ تفتہ کو آزردہ نہ کرو۔

(نادرات، ص ص ۷۶۔۷۵) ۳ جون ۱۸۵۵ء

۵۶۔ الحمد للہ کہ حرارتِ صومی اور حرارتِ یومی باہم رفع ہو گئیں۔

(نادرات، ص ص ۷۷۔۷۶) جون ۱۸۵۵ء

۵۷۔ بھائی جان! منشی عبداللطیف کی شادی پہلے اس پر پھر اس کے والدین پر اور اس کی بہنوں پر اور بھائیوں پر مبارک ہو۔

(نادرات ص ۷۷) ۵ جولائی ۱۸۵۵ء

۵۸۔ بھائی صاحب! مینہ کا یہ عالم ہے کہ جدھر دیکھیے اُدھر دریا ہے۔

نادرات، ص ۷۸) ۲۶ جولائی ۱۸۵۵ء

۵۹۔ عیاذاً باللہ۔ ماجرا یہ سخت ہے منشی عبداللطیف کہاں اور میرٹھ کہاں۔

(نادرات ص ص ۷۹۔۷۸) ۴ اگست ۱۸۵۵ء

۶۰۔ حضرت! بہت دن سے حال تمھارا اور بچوں کا اور خصوصاً منشی عبداللطیف کا معلوم نہیں۔

(نادرات، ص ۷۹) ۱۶ ستمبر ۱۸۵۵ء

۶۱۔ پیر و مرشد! بات کو بھی سمجھتے ہو یا یوں ہی شکوہ کرنے موجود ہو جاتے ہو۔
(نادرات، ص ص ۸۱ - ۸۰) ۲۴ ستمبر ۱۸۵۵ء

۶۲۔ بھائی! تمھارا غصہ میرے سر آنکھوں پر۔
(نادرات، ص ص ۸۲-۸۱) ۳ اکتوبر ۱۸۵۵ء

۶۳۔ بھائی صاحب! کئی خط اس عرصے میں تم کو لکھے۔ مگر جو لکھنا تھا وہ بھول گیا۔
(نادرات، ص ۸۳) ۹ اکتوبر ۱۸۵۵ء

۶۴۔ یا الٰہی کس کس پہ رشک کروں۔
(نادرات، ص ص ۷۳ - ۷۲) ۱۸۵۵ء

۶۵۔ بندگی عرض کرتا ہوں۔ یہاں آج بدھ کا دن تیسری جون کی شہر کے حساب سے انتیس رمضان کی ہے۔
(نادرات، ص ص ۸۴-۸۳) ۴ جون ۱۸۵۶ء

۶۶۔ بھائی صاحب! شکر ہے خدا کا کہ تمھاری خیر و عافیت معلوم ہوئی۔
(نادرات، ص ۶۸) ۲۷ جولائی ۱۸۵۶ء

۶۷۔ بھائی صاحب! خط کے نہ پہنچنے کی شکایت کیا معنی!۔
(نادرات، ص ص ۸۶ - ۸۵) ۲۰ اگست ۱۸۵۶ء

۶۸۔ بھائی صاحب! یکشنبے کا لکھا ہوا خط پرسوں دوشنبے کا یہاں پہنچا۔
(نادرات، ص ص ۸۷ - ۸۶) ۵ اگست ۱۸۵۶ء

۶۹۔ بھائی صاحب کو سلام اور حسن اتمام شادی کی اور مع الخیر معاودت کی مبارکباد
(نادرات، ص ص ۸۸-۸۷) ۹ دسمبر ۱۸۵۶ء

۷۰۔ بھائی صاحب! آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ حال معلوم ہوا۔
(اردوے معلّٰی، ص ص ۲۷۲ - ۲۷۰) ۲۲ ستمبر ۱۸۵۸ء

بنام تفضل حسین خاں

۱۔ کیوں صاحب! یہ چچا بھتیجا ہونا اور شاگردی و اُستادی، سب پر پانی پھر گیا۔

(اردوئے معلّٰی، ص ص ۲۴۸ - ۲۴۷)

نواب یوسف علی خاں ناظم

نوابانِ رام پور کے نام غالب کے ۱۱۶ خطوط دستیاب ہیں، اُن میں سے ۸۲ خطوط کے عکس شائع ہو چکے ہیں۔ بیشتر خطوط کے عکس مرقعِ غالب اور دو تین کے عکس "آجکل" میں شائع ہوئے تھے۔ "غالب کے خطوط" میں جو عکس شائع کیے جا رہے ہیں وہ "مرقعِ غالب" اور "آج کل" سے لیے گئے ہیں میں "مرقعِ غالب" کے مرتب پرتھوی چندر مرحوم اور پروفیسر خواجہ احمد فاروقی کا شکر گزار ہوں۔ "آج کل" میں خطوطِ غالب کے عکس فاروقی صاحب نے شائع کرائے تھے۔

۱۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت۔ سلامت۔ آداب بجا لاتا ہوں۔ غزلوں کے مسودات کو صاف کر کر .....

(اصل خط، مکاتیب جلد اوّل ص ۷۔ مکاتیب ششم، ص ۶) ۱۵ فروری ۱۸۵۷ء

۲۔ جنابِ عالی۔ کچھ کم مہینا ہوا کہ میں نے حضور کی غزلوں کو دیکھ کر خدمت میں روانہ کیا ہے۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل، ص ۹۔ مکاتیب ششم، ص ۷) ۲۳ اپریل ۱۸۵۷ء

۳۔ جنابِ عالی! آداب بجا لاتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ اجورہ دار پہنچا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل، ص ۹۔ مکاتیب ششم، ص ۹) ۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء

۴۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت۔ سلامت۔ منشورِ عطوفت کے دیکھنے سے زندگی کی صورت نظر آئی

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ص ۱۵ - ۱۴۔ مکاتیب ششم ص ص ۱۱ - ۱۰) ہفتم نومبر ۱۸۵۸ء

۵۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ جو آپ بن مانگے دیں، اُس کے لینے میں مجھے انکار نہیں اور جب مجھ کو حاجت آپڑے تو آپ سے مانگنے میں عار نہیں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل، ص ۱۶۔ مکاتیب ششم، ص ۱۱) ۱۷ نومبر ۱۸۵۸ء

۶۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد آداب بجالانے کے عرض کرتا ہوں کہ منشورِ رافت لکھا ہوا پچیس نومبر کا، جمعے کے دن . . . .

اصل خط۔ مکاتیب اوّل، ص ۱۶۔ مکاتیب ششم، ص ص ۱۲-۱۱ ۳ دسمبر ۱۸۵۸ء

۷۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ میں اس دولتِ ابد مدت کا از راہِ مودت خیر خواہ ہوں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل، ص ۱۷۔ مکاتیب ششم، ص ص ۱۳-۱۲) ۲۷ مارچ ۱۸۵۹ء

۸۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ ایک خط مشتمل اپنے حال پر اور ایک خط جناب بیگم صاحبہ و قبلۂ مغفور کی تعزیت میں روانہ کر چکا ہوں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل، ص ۱۸۔ مکاتیب ششم، ص ۱۳) ۱۷ اپریل ۱۸۵۹ء

۹۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت۔ سلامت۔ بعد تسلیم کے عرض کرتا ہوں۔ آج دوشنبے کا دن ۱۴ رمضان المبارک کی اور ۱۸ ماہ اپریل کی صبح کے وقت ڈاک کا ہرکارہ آیا۔

(اصل خط۔ مکاتیبِ اوّل، ص ۱۸۔ مکاتیب ششم، ص) ۱۰ اپریل ۱۸۵۹ء

۱۰۔ نوازش نامے کے ورودِ مسعود کی اطلاع دیتا ہوں اور ہنڈوی کے پہنچنے کا شکر بجالاتا ہوں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل، ص ۲۰۔ مکاتیب ششم ۱۴) یکم اکتوبر ۱۸۵۹ء

۱۱۔ بعد تقدیم تسلیم گزارش کرتا ہوں۔ پرسوں ایک نیاز نامہ بھیجا ہے۔

(مکاتیب اوّل، ص ۲۱۔ مکاتیب ششم ص ۱۵) ۵ نومبر ۱۸۵۹ء

۱۲۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد بجالانے آدابِ نیاز کے

عرض کرتا ہوں۔ یہ میرا دردِ دل ہے۔

(اصل خط۔ مکاتیبِ اوّل ص ۲۱۔ مکاتیبِ ششم ص ۱۵) ۷ نومبر ۱۸۵۹ء

۱۳۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد بجالانے آدابِ نیاز کے عرض کرتا ہوں۔ منشورِ عطوفت پہنچا۔

(مکاتیبِ اوّل، ص ۲۳۔ مکاتیبِ ششم ص ۱۶) ۲۷ نومبر ۱۸۵۹ء

۱۴۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ آدابِ نیاز بجالاکر عرض کرتا ہوں کہ سو روپے کی ہنڈوی بابت مصارفِ ماہ نومبر ۱۸۵۹ء پہنچی۔

(اصل خط۔ مکاتیبِ اوّل، ص ۲۴۔ مکاتیبِ ششم ص ۱۶) ہشتم دسمبر ۱۸۵۹ء

۱۵۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ آداب بجالاتا ہوں اور مزاجِ اقدس کی خبر پوچھتا ہوں۔

اصل خط۔ مکاتیبِ اوّل ص ۲۶۔ مکاتیبِ ششم ص ۱۷) ۱۷ فروری ۱۸۶۰ء

۱۶۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ تقدیمِ مراسمِ تسلیم مقدمہ اس گزارش کا ہے کہ عالم دو ہیں: ایک عالمِ شہادت، ایک عالمِ غیب۔

(اصل خط۔ مکاتیبِ اوّل ص ۲۶۔ مکاتیبِ ششم ص ۱۷) ۲۲ اپریل ۱۸۶۰ء

۱۷۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ ۱۸۵۸ء میں، یہ قصیدہ کہ گویا نامۂ منظوم ہے، میں نے حضور میں بھیجا تھا۔

(مکاتیبِ ششم، ص ۱۸) اپریل، مئی ۱۸۶۰ء

۱۸۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ شکرِ بندہ پروری بجالاکر عرض کرتا ہوں کہ کل بارہ جولائی کو نوازش نامہ مع سو روپے کی ہنڈوی کے پہنچا۔

(اصل خط۔ مکاتیبِ اوّل ص ۲۷۔ مکاتیبِ ششم ص ۲۰) ۱۳ جولائی ۱۸۶۰ء

۱۹۔ ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامے کے

ورود سے میں نے عزت پائی۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۲۸۔ مکاتیب ششم ص ۲۰) ۷ اپریل ۱۸۶۱ء

۲۰۔ ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت! بعد تسلیم تورے اور خلعت کے عطیے کا آداب بجالاتا ہوں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۲۸۔ مکاتیب ششم ص ۲۱) ۱۴ جولائی ۱۸۶۱ء

۲۱۔ ولی نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ آٹھ سات برس سے مصدرِ خدمت اور شریکِ دولت ہوں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۳۰۔ مکاتیب ششم ص) ۲۲ جولائی ۱۸۶۱ء

۲۲۔ ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم کے عرض کرتا ہوں اور طلوعِ ستارۂ اقبال کی مبارک باد دیتا ہوں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۳۲۔ مکاتیب ششم ص ۲۲ ۱۱ نومبر ۱۸۶۱ء

۲۳۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے کل ایک شعر ظہوری مغفور کا اور ایک شعر غالب مرحوم کا ایک ورق پر لکھ کر، صبح کو ڈاک میں بھجوا دیا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۳۴۔ مکاتیب ششم ص ۲۳) ۱۵ ستمبر ۱۸۶۲ء

۲۴۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ نوازش نامہ مع سو روپے کی ہنڈوی کے پہنچا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۳۴۔ مکاتیب ششم ص ۲۳) ۱۵ ستمبر ۱۸۶۲ء

۲۵۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت۔ سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ نوازش نامہ مع ہنڈویِ روپیہ کے شرفِ ورود لایا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۳۵۔ مکاتیب ششم ص ۲۳) دہم اکتوبر ۱۸۶۲ء

۲۶۔ حضرت ولیِ رحمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ نوازش نامہ ربوبیت

طراز/ مورخہ گیارہ مارچ ۱۸۶۳ء ماہ مذکور کو میں نے پایا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۳۵۔ مکاتیب ششم ص ۲۴) ۱۶ مارچ ۱۸۶۳ء

۲۷۔ حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے، جب انبالے میرا جانا نہ ہوا۔

(اصل خط، مکاتیب اوّل ص ۳۷۔ مکاتیب ششم ص ۲۵) ۴ ماہ اگست ۱۸۶۳ء

۲۸۔ حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ نوازش نامہ اور اُس کے ساتھ دو بہنگیاں دو سو آموں کی پہنچیں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۳۹۔ مکاتیب ششم ص ۲۶) پنجم جولائی ۶۴ء

۲۹۔ حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ عطوفت مع قطعۂ ہنڈوی شرفِ ورود لایا۔

(مکاتیب اوّل ص ۳۹۔ مکاتیب ششم ص ۲۶) ۱۱ اگست ۱۸۶۴ء

۳۰۔ حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ نوازش نامہ مع ہنڈوی عزِ ورود لایا۔

(مکاتیب اوّل ص ۳۹۔ مکاتیب ششم ص ۲۶) نہم ستمبر ۱۸۶۴ء

۳۱۔ حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ صدورِ والانامہ سے میں نے عزت پائی۔

مکاتیب اوّل ص ۴۰۔ مکاتیب ششم ص ۲۷) ۱۰ اکتوبر ۱۸۶۴ء

۳۲۔ حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم و نیاز معروض ہے۔ جب سے حضرت کی ناسازیِ مزاجِ مبارک کا حال خارج سے مسموع ہوا ہے۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۴۰۔ مکاتیب ششم ص ۲۷) ۸ نومبر ۱۸۶۴ء

۳۳۔ حضرت ولی نعمت، آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے، ابتدائے یکم نومبر

سے گیارہ تک، عرض نہیں کرسکتا کہ لیل و نہار مجھ پر کیسے گزرے ہیں۔

(مکاتیب اوّل ص ۴۱ ۔ مکاتیب ششم ص ۲۷) ۱۳ نومبر ۱۸۶۴ء

۳۴۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ مع ہنڈوی شرفِ ورود لایا۔

(مکاتیب اوّل ص ۴۲ ۔ مکاتیب ششم ص ۲۸) ۱۳ نومبر ۱۸۶۴ء

۳۵۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت! بعد تسلیم معروض ہے۔ کس زبان سے کہوں اور کس قلم سے لکھوں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۴۲ ۔ مکاتیب ششم ص ۲۹) ۲۷ نومبر ۱۸۶۴ء

۳۶۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ نوازش نامہ عزِ ورود لایا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۴۳ ۔ مکاتیب ششم ص ۲۹) ۱۲ دسمبر ۱۸۶۴ء

۳۷۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ حضرت کے قدموں کی قسم، چوب چینی کے ارسال کا حکم ڈاک سے میں نے نہیں پایا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۴۳ ۔ مکاتیب ششم ص ۲۹) ۲۶ دسمبر ۱۸۶۴ء

۳۸۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے نوازش نامے کے ورود سے عزت اور ادراکِ صحت و عافیتِ مزاجِ اقدس سے مسرت حاصل ہوئی۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۴۴ ۔ مکاتیب ششم ص ۳۰) ۱۴ جنوری ۱۸۶۵ء

۳۹۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے توقیعِ وقیع عزِ ورود لایا۔

(اصل خط۔ آج کل، اپریل ۱۹۵۴، ص ۹
غالب کی نادر تحریریں، ص ۶۱) ۸ فروری ۱۸۶۵ء

۴۰۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ مکرمت ظہور کے ورودِ مسعود نے میری عزت بڑھائی۔

(مکاتیب ششم ص ۳۰) ۱۱ مارچ ۱۸۶۵ء

نواب کلب علی خاں

۱۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض باد۔ نوازش نامہ مع ہنڈویِ صد روپیہ عزِ ورود لایا۔

مکاتیب اوّل ص ۴۹۔ مکاتیب ششم ص ۳۵) ۶ مئی ۱۸۶۵ء

۲۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ تہنیت نامہ ارسال کر چکا ہوں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۵۰۔ مکاتیب ششم ص ۳۶) ۲۷ مئی ۱۸۶۵ء

۳۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت سلامت سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ حق تعالیٰ جَلَّ جلالہ وعَمَّ نوالہ جس گروہ پر مہربان ہوتا ہے۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۵۲۔ مکاتیب ششم ص ۳۶) جون ۱۸۶۵ء

۴۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ نوازش نامہ مع سو روپے کی ہنڈوی کے عزِ ورود لایا۔

(مکاتیب اوّل ص ۵۳۔ مکاتیب ششم ص ۳۷) ۱۵ جون ۱۸۶۵ء

۵۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ روز پنجشنبہ پندرہ جون کو ایک عرضداشت روانہ کر چکا ہوں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۵۳۔ مکاتیب ششم ص ۳۸) ۱۸ جون ۱۸۶۵ء

۶۔ حضرتِ ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ عطوفت کے ورود نے معزز فرمایا۔

(مکاتیب اوّل ص ۵۵۔ مکاتیب ششم ص ۳۹) ۱۰ جولائی ۱۸۶۵ء

۷۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ میری عرضداشت کا جواب آچکا ہے۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۵۵۔ مکاتیب ششم ص ۳۹) ۲۳ جولائی ۱۸۶۵ء

۸۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض آں کہ منشورِ عطوفت عزِ ورود لایا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۵۶۔ مکاتیب ششم ص ۴۰) ۱۱ ماہ اگست ۱۸۶۵ء

۹۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ کل برخوردار نواب مرزا خاں داغ کی تحریر سے معلوم ہوا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۵۷۔ مکاتیب ششم ص ۴۱) ۱۳ ماہ اگست ۱۸۶۵ء

۱۰۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ "داستانِ حمزہ" قصۂ موضوعی ہے۔

(مکاتیب اوّل ص ۵۸۔ مکاتیب ششم ص ۴۱) ۲۱ ماہ اگست ۱۸۶۵ء

۱۱۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم عرض یہ ہے فقیرِ تکیہ دار، روزینہ خوار، غالبِ خاکسار حیران ہے۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۶۱۔ مکاتیب ششم ص ۴۴) ۲۲ اگست ۱۸۶۵ء

۱۲۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ میں طبیب نہیں مگر مجربہ کار ہوں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اول ص ۶۲۔ مکاتیب ششم ص ۴۱) اگست ۱۸۶۵ء

۱۳۔ حضرت ولیِ نعمت، آیہ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ شرف افزا نامہ عزِ ورود لایا۔

(مکاتیب اوّل ص ۶۳۔ مکاتیب ششم ص ۴۶) ۱۱ ستمبر ۱۸۶۵ء

۱۴۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ چاہتا ہوں کہ کچھ لکھوں، مگر نہیں جانتا کہ کیا لکھوں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۶۴۔ مکاتیب ششم ص ۴۶) ۱۸ ستمبر ۱۸۶۵ء

۱۵۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ ہر چند

آبدار خانے کے ساتھ ہونے سے پانی کی طرف سے خاطر جمع رہے۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۶۵۔ مکاتیب ششم ص ۴۷) ۸ نومبر ۱۸۶۵ء

۱۶۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ مراد آباد پہنچنا، بعد پالکی کے اُتر آنے کے پل کا ٹوٹ جانا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۶۵۔ مکاتیب ششم ص ۴۸) ۱۰ جنوری ۱۸۶۶ء

۱۷۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامۂ والا کے مشاہدے نے مجھ کو میری حیات پر یقین عنایت کیا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۶۸۔ مکاتیب ششم ص ۴۹) ۲۱ جنوری ۱۸۶۶ء

۱۸۔ حضرت ولی نعمت، آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیعِ وقیع مع سو روپیے کی ہنڈوی کے عزِ ورود لایا۔ جنوری ۱۸۶۶ء کی تنخواہ کا روپیہ معرضِ وصول میں نہیں آیا۔

(اصل خط۔ مکاتیب ششم ص ۵۰) ۱۵ فروری ۱۸۶۶ء

۱۹۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیعِ وقیع کے ورود نے میری آبرو بڑھائی۔ اُس میں سے میں نے سو روپیے کی ہنڈوی پائی۔

(مکاتیب ششم ص ۵۰) ۱۵ مارچ ۱۸۶۶ء

۲۰۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ اپنا حال اس سے زیادہ کیا لکھوں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۶۹۔ مکاتیب ششم ص ۵۱) ۲۹ مارچ ۱۸۶۶ء

۲۱۔ حضرت نعمت آیہ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ مکرمت ظہور مع ہنڈوی عزِ ورود لایا۔

(مکاتیب اوّل ص ۷۰۔ مکاتیب ششم ص ۵۲) ۱۴ مئی ۱۸۶۶ء

۲۲۔ حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ جب بادشاہِ دہلی نے مجھ کو نوکر رکھا۔

(مکاتیب ششم ص ۵۲) ۹ جون ۱۸۶۶ء

۲۳۔ حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ کل ایک عرضداشت مع ایک غزل کے ڈاک میں بھیجی گئی۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۷۱۔ مکاتیب ششم ص ۵۳) دہم جون ۱۸۶۶ء

۲۴۔ حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیعِ وقیع عزِ ورود لایا۔

(اصل خط۔ مکاتیب ششم ص ۵۴) ۲۸ جون ۱۸۶۶ء

۲۵۔ حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ آج شنبہ، ۱۰ ماہ اگست ۱۸۶۶ء کی ہے۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۷۵۔ مکاتیب ششم ص ۵۵) ۱۰ اگست ۱۸۶۶ء

۲۶۔ حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ پہلے اپنا حال عرض کرلوں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۷۶۔ مکاتیب ششم ص ۵۶) ۱۳ اگست ۱۸۶۶ء

۲۷۔ حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت۔ سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیعِ وقیع مع دیباچہ شرحِ اشعارِ بدر چاچی عزِ ورود لایا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۷۷۔ مکاتیب ششم ص ۵۷) یکم ستمبر ۱۸۶۶ء

۲۸۔ حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ مکرمت ظہور عزِ ورود لایا۔ سو روپیہ بابت تنخواہ ماہِ اگست ۱۸۶۶ء معرضِ وصول میں آیا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۶۸۔ مکاتیب ششم ص ۵۷) ۱۰ ستمبر ۱۸۶۶ء

۲۹۔ حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ خاطرِ اقدس میں نہ گزرے کہ غالب تعمیل احکام میں کاہل ہے۔

اصل خط۔ مکاتیبِ اوّل، ص ۸۰، مکاتیبِ ششم ص ۵۸) ۱۸ ستمبر ۱۸۶۶ء

۳۰۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ اُردو دیوان کا انتخاب بھیج چکا ہوں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۸۱۔ مکاتیب ششم ص ۵۹) ۲۴ ستمبر ۱۸۶۶ء

۳۱۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ مکرمت ظہور عزِّ ورود لایا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۸۱۔ مکاتیب ششم ص ۶۰) ۶ اکتوبر ۱۸۶۶ء

۳۲۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ اس عنایت نامے میں ایک فقرہ نظر پڑا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۸۲۔ مکاتیب ششم ص ۶۰) ۷ اکتوبر ۱۸۶۶ء

۳۳۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ آج سہ شنبہ، سولہ ماہ اکتوبر کی، دن کو بارہ بجے کھانا کھا کر بیٹھا تھا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۸۴۔ مکاتیب ششم ص ۶۱) ۱۶ اکتوبر ۱۸۶۶ء

۳۴۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ ورودِ توقیع و نویدِ عفو نے رواں پروری کی۔

(اصل خط۔ "آج کل" ۱۹۵۲ء) ۵ نومبر ۱۸۶۶ء

۳۵۔ حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ حضور کے لشکرِ نصرت اثر کا بہ سپہ سالاریِ نواب معلّٰی القاب جناب مہدی علی خاں بہادر اکبر آباد پہنچنا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اول ص ۸۵۔ مکاتیب ششم ص ۶۲ نومبر ۱۸۶۶ء

۳۶۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیعِ وقیع مع ہنڈویِ تنخواہِ نومبر ۱۸۶۶ء عزِّ ورود لایا۔

(اصل خط۔ مکاتیب ششم ص ۶۳) ۸ دسمبر ۱۸۶۶ء

۳۷۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ ایک عرضداشت بھیج چکا ہوں، اُس کا جواب نہیں پایا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۸۷، مکاتیب ششم ۶۴) ۱۸ دسمبر ۱۸۶۶ء

۳۸۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ نوازش نامہ مع ہنڈوی صدروپیہ عزِ ورود لایا۔

(اصل خط۔ مکاتیب ششم ص ۶۵) ۷ جنوری ۱۸۶۷ء

۳۹۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ حضرت کا رونق افزائے کلکتہ ہونا۔ ازروی شمار رفتار ریل یقینی ہے۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۸۸ مکاتیب ششم ۶۵) ۸ جنوری ۱۸۶۷ء

۴۰۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ کل حضرت کے اقبال سے ایک مسرتِ تازہ مجھ کو پہنچی۔

(اصل خط۔ "آجکل" مئی ۱۹۵۲ء) ۲۶ جنوری ۱۸۶۷ء

۴۱۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ بہت دن تک متردد رہا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۹۰۔ مکاتیب ششم ص ۶۶) ۱۴ فروری ۱۸۶۷ء

۴۲۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ کل صبح کو میں نے خط ڈاک میں بھجوا دیا۔

(اصل خط۔ مکاتیب ششم ص ۶۷) ۱۵ فروری ۱۸۶۷ء

۴۳۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیعِ عطوفت عزِ ورود لایا۔

مکاتیب اوّل ص ۹۰۔ مکاتیب ششم ص ۶۸) ۱۳ مارچ ۱۸۶۷ء

۴۴۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ کل صبح کو دو گھڑی دو دن چڑھے نوروز ہے

(اصل خط۔ مکاتیب ششم ص ۶۸) ۲۰ مارچ ۱۸۶۷ء

۴۵ ۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت ۔ بعد تسلیم و تعظیم معروض ہے ۔ ہنڈویِ ملفوفہ نوازش نامے کے ذریعے سے .... الخ

(اصل خط ۔ مکاتیب اوّل ص ۹۱ ۔ مکاتیب ششم ص ۶۹) ۶ اپریل ۱۸۶۷ء

۴۶ ۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت ۔ بعد تسلیم معروض ہے ۔ نمائش گاہِ سراسر سورِ رام پور کا ذکر اخبار میں دیکھتا ہوں ۔

(اصل خط ۔ مکاتیب اوّل ص ۹۲ ۔ مکاتیب ششم ص ۶۹) ۱۴ اپریل ۱۸۶۷ء

۴۷ ۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت ۔ بعد تسلیم معروض ہے ۔ توقیعِ وقیع عزِ ورود لایا ۔

مکاتیب اوّل ص ۹۳ ۔ مکاتیب ششم ص ۷۰ ۱۴ مئی ۱۸۶۷ء

۴۸ ۔ حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت ۔ سلامت ۔ بعد ادائے مدارجِ تسلیم سوچتا ہوں کہ کیا لکھوں ۔

اصل خط ۔ مکاتیب اوّل ص ۹۳ ۔ مکاتیب ششم ص ۷۰) ۱۴ مئی ۱۸۶۷ء

۴۹ ۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت ۔ بعد تسلیم معروض ہے ۔ ورودِ توقیعِ وقیع سے فیض پایا ۔

(مکاتیب ششم ص ۷۱) ۱۱ جون ۱۸۶۷ء

۵۰ ۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت ۔ بعد تسلیم معروض ہے کہ توقیع وقیع عزِ ورود لایا ۔

(مکاتیب اوّل ص ۹۴ ۔ مکاتیب ششم ص ۷۱) ۱۵ جولائی ۱۸۶۷ء

۵۰ ۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت ۔ بعد تسلیم معروض ہے بہ موجب تحریر مرزا رحیم الدین بہادر حیا کے ۔

(اصل خط ۔ مکاتیب اوّل ص ۹۵ ۔ مکاتیب ششم ص ۷۲) ۲۲ جولائی ۱۸۶۷ء

۵۲ ۔ حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت، سلامت ۔ بعد تقدیم مدارجِ تسلیم نوازش نامے کے ورود کا شکر ۔

مکاتیب ششم ص ۷۲) ۱۳ اگست ۱۸۶۷ء

۵۳ ۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت سلامت ۔ بعد تسلیم معروض ہے ۔ آپ کے غلامِ زر خرید

یعنی حسین علی خاں کی منگنی ہو گئی۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۹۵۔ مکاتیب ششم ص ۷۲) ۱۹ اگست ۱۸۶۷ء

۵۴۔ آں کیست کہ جسمِ ملک را جاں باشد۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۹۶۔ مکاتیب ششم ص ۷۳) ۵ ستمبر ۱۸۶۷ء

۵۵۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ عزِ ورود لایا۔ اللہ اکبر! حضرت نے غم خواری و تفقد و درویش نوازی کو اس پلے پر پہنچایا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۹۷۔ مکاتیب ششم ص ۷۴) ۲۳ ستمبر ۱۸۶۷ء

۵۶۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ فرمانِ والا مع ہنڈویِ تنخواہِ ستمبر ۱۸۶۷ء عزِ ورود لایا۔

(مکاتیب اوّل ص ۹۸۔ مکاتیب ششم ص ۷۴) ۱۰ اکتوبر ۱۸۶۷ء

۵۷۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ "دبدبۂ سکندری" میں حضرت کے مزاج کی ناسازی کا ذکر دیکھ کر جو مجھ پر گزری۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۹۹۔ مکاتیب ششم ص ۷۵) ۱۸ اکتوبر ۱۸۶۷ء

۵۸۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ ایک قطعہ پندرہ شعر کا بھیجتا ہوں

(اصل خط مکاتیب اوّل ص ۹۹۔ مکاتیب ششم ص ۷۵) ۲، نومبر ۱۸۶۷ء

۵۹۔ حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت، سلامت۔ آج روز جمعہ سترہ رجب ۱۲۸۴ھ اور پندرہ نومبر ۱۸۶۷ء

(اصل خط۔ مکاتیب ششم ص ۷۷) ۱۵ نومبر ۱۸۶۷ء

۶۰۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے، کل سولہ دسمبر کو نومبر کی تنخواہ کی ہنڈوی پہنچی۔

(مکاتیب اوّل ص ۱۰۰۔ مکاتیب ششم ص ۷۷) ۱۷ دسمبر ۱۸۶۷ء

۶۱۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ آج روز شنبہ یکم

ماہِ رمضان المبارک ۱۲۸۴ھ ہے۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۱۰۰۔ مکاتیب ششم ص ۷۸) ۲۷ دسمبر ۱۸۶۷ء

۶۲۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ رافت عزِّ ورود لایا۔ ہنڈویِ ملفوفہ سے ۱۰۰ روپیہ بابت تنخواہ دسمبر ۱۸۶۷ء معرضِ وصول میں آیا۔

مکاتیب اوّل ص ۱۰۱۔ مکاتیب ششم ص ۷۹) ۱۴ جنوری ۱۸۶۷ء

۶۳۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت۔ سلامت۔ دادو دہشِ تو روز افزون بادا!

(مکاتیب اوّل ص ۱۰۱۔ مکاتیب ششم ص ۷۹) ۲۳ جنوری ۱۸۶۸ء

۶۴۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ عطوفت ظہور عزِّ ورود لایا۔

(مکاتیب اوّل ص ۱۰۱۔ مکاتیب ششم ص ۷۹) ۱۳ فروری ۱۸۶۸ء

۶۵۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ عرضِ مدارجِ عجز و نیاز کے بعد نوازش نامے کے پہنچنے کا۔

(مکاتیب اوّل ص ۱۰۲۔ مکاتیب ششم ص ۷۹) ۹ مارچ ۱۸۶۸ء

۶۶۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ منشورِ عطوفت ظہور عزِّ ورود لایا۔ سو روپیے کا کاغذ خط کے لفافے میں سے پایا۔

(مکاتیب اوّل ص ۱۰۳۔ مکاتیب ششم ص ۸۰) ۱۱ مئی ۱۸۶۸ء

۶۷۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ شوقِ قدم بوس نے تنگ کیا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۱۰۳۔ مکاتیب ششم ص ۸۰) ۲۷ مئی ۱۸۶۸ء

۶۸۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ آج چوتھا دن ہے کہ توقیعِ وقیع عزِّ ورود لایا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۱۰۴۔ مکاتیب ششم ص ۸۱) ۱۵ جون ۱۸۶۸ء

۶۹۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ آج شہر میں شہرت ہے کہ حضرت امیر المسلمین ۔۔۔۔

(اصل خط۔ "آجکل" مئی ۱۹۵۲ء) ۲۷ جولائی ۱۸۶۸ء

۷۰۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ کل منشورِ عطوفت عزِ صدور لایا۔ جولائی ۱۸۶۸ء کا سو روپیہ بہ ذریعۂ ہنڈوی وصول پایا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۱۰۴۔ مکاتیب ششم ص ۸۱) ۱۳ اگست ۱۸۶۸ء

۷۱۔ حضرت ولیِ نعمت، آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تقدیمِ مدارج تسلیم معروض ہے۔ توقیعِ رافت عزِ ورود لایا۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۱۰۵۔ مکاتیب ششم ص ۸۲) ۷ ستمبر ۱۸۶۸ء

۷۲۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ مع سو روپیے کی ہنڈوی کے عزِ ورود لایا۔

(مکاتیب اوّل۔ ص ۱۰۶۔ مکاتیب ششم ص ۸۲) ۱۳ اکتوبر ۱۸۶۸ء

۷۳۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیعِ رافت شرفِ ورود لایا۔

(مکاتیب اوّل ص ۱۰۶۔ مکاتیب ششم ص ۸۳) ۱۱ نومبر ۱۸۶۸ء

۷۴۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت، سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ کل عریضہ مشعر رسید تنخواہ نومبر ۱۸۶۸ء حال ارسال کر چکا ہوں۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۱۰۷۔ مکاتیب ششم ص ۸۳) ۱۶ نومبر ۱۸۶۸ء

۷۵۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت۔ سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ بہت دن ہوئے کہ برخوردار نواب مرزا خاں نے مجھ کو مبارکباد لکھی تھی۔

(اصل خط۔ مکاتیب اوّل ص ۱۰۷۔ مکاتیب ششم ص ۸۴) ۱۷ دسمبر ۱۸۶۸ء

۷۶۔ حضرت ولیِ نعمت آیۂ رحمت۔ سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ اور اُس میں تنخواہ دسمبر ۱۸۶۸ء کی ہنڈوی ملفوف پہنچی۔

(مکاتیب اوّل ص ۱۰۸۔ مکاتیب ششم ص ۸۴) ۱۰ جنوری ۱۸۶۹ء

حواشی

ص ۹۷۹

۱۔ شفق نے بہادر شاہ ظفر کی مدح میں ایک قصیدہ کہہ کر غالب کو بھیجا تھا، تاکہ غالب، ظفر کی خدمت میں پیش کر دیں۔ یہ اسی قصیدے کا ذکر ہے۔ عود اوّل "قصیدہ"۔

۲۔ عود اول و دوم "دو رقعے" بجائے "دو ورقے"۔

۳۔ اردوے معلّیٰ "اپنی" ندارد۔

۴۔ عود اوّل و دوم "اقدس پر" "پر" زائد۔

۵۔ اردوے معلّیٰ "و"۔

۶۔ اردوے معلّیٰ "بہ طریق"۔

۷۔ عود اوّل و دوم "خواہ نخواہ"۔

۸۔ اردوے معلّیٰ "بھی" ندارد۔

۹۔ عود اوّل و دوم "ناآشنا محض"۔ اردوے معلّیٰ "ناآشناء"۔

۱۰۔ عود اول "انشا خلیقہ"۔ عود دوم "انشاء خلیقہ" اردوے معلّیٰ "انشاء خلیفہ"۔

ص ۹۸۰

۱۔ عود دوم "ہر ذرّہ"

۲۔ اردوے معلّیٰ "نقش"۔

۳۔ عود اوّل "آوردہ"

۴۔ عود دوم "باہمشیر"۔

۵۔ اردوے معلّیٰ "کا" ندارد۔

۶۔ عود دوم "سفر" ندارد۔

۷۔ حضورِ والا سے مراد بہادر شاہ ظفر ہے۔ غالب نے منشی نبی بخش حقیر کے نام ایک خط (مورخہ ۲۱ اگست ۱۸۵۳ء) میں ظفر کی بیماری اور اس سفر کے ارادے کے بارے میں تفصیل لکھی ہے۔ عود اول "حضورِ والا"

۸۔ اردوئے معلیٰ "اوزبک خاں"۔

۹۔ عود اوّل و دوم۔ اردوئے معلیٰ "اُس"۔

۱۰۔ خط پر تاریخِ تحریر نہیں۔ غالب نے ظفر کی بیماری اور اپنے سفر کے ارادے کی تفصیل منشی نبی بخش حقیر کو ۲۱ اگست ۱۸۵۳ء کے خط میں لکھی تھی۔ اس لیے یہ خط بھی ۱۸۵۳ء میں لکھا گیا ہوگا۔ مولوی مہیش نے یہ خط ۱۸۵۶ء کا بتایا ہے۔ اس وقت تک منشی نبی بخش کے نام کے خطوط شائع نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے منشی صاحب سے قیاس میں سہو ہوا۔

ص ۹۸۱

۱۔ عود اوّل "آئی"۔

۲۔ اردوئے معلیٰ "رات کو" ندارد

۳۔ عود اول "دو تو بیت"۔

۴۔ عود اوّل "ہوں"۔

۵۔ اردوئے معلیٰ "سہ" بجائے "شعر"۔

۶۔ اردوئے معلیٰ، عود اوّل و دوم "کیا کہتا ہے"، "ہے" زائد۔

۷۔ عود اول و دوم "کروائیے"۔

۸۔ عود اوّل "تنقیح"۔

۹۔ اردوئے معلیٰ میں یہ خط یہیں ختم ہو جاتا ہے، لیکن عود اوّل و دوم میں مکمل خط ہے۔

۱۰۔ غالب نے بقول مولوی مہیش اپنے قلم سے یہ نام "میر واجد علی" لکھا ہے، جبکہ اسے "میر امجد علی" ہونا چاہیے۔ عود ہندی میں یہ نام "میر امجد علی" ہی ہے۔

۱۱۔ عود اول و دوم "نازم"۔

۱۲۔ عودِ اوّل "گہ"۔ عودِ دوم "کہ"۔

۱۳۔ عودِ اول "بجہد"۔

ص ۹۸۲

۱۔ عودِ اول و دوم "سے"۔

۲۔ عودِ دوم "ار"۔

۳۔ کلیاتِ غالبؔ میں یہ قرأت "از" ہے۔

۴۔ عودِ اول "پائے تو" "تو" ندارد۔

۵۔ غالبؔ نے ۳ اکتوبر ۱۸۵۵ء کو منشی نبی بخش حقیر کو یہ غزل بھیجی تھی۔ شفق کو ۴ اکتوبر کو بھیجی ہے، اور دونوں کو لکھا ہے کہ یہ غزل رات کو کہی ہے۔

۶۔ تقویم کی رو سے یہ تاریخ درست نہیں ہے۔ غالباً سہو ہوا ہے۔ تقویم ہجری و عیسوی مرتبہ ابوالنصر محمد خالدی۔ ۲۱ محرم ۱۲۷۲ھ کو "پنجشنبہ" نہیں بلکہ "چار شنبہ" تھا اور عیسوی تاریخ ۴ اکتوبر نہیں "۳ اکتوبر" تھی۔

۷۔ اردوئے معلّیٰ "لکھنے نہیں پایا"۔

۸۔ عودِ اوّل و دوم "کل اور ایک مکرمت نامہ آیا۔ اردوئے معلّیٰ "کل ایک اور مکرمت نامہ آیا۔

۹۔ اردوئے معلّیٰ "آیا"۔

۱۰۔ عودِ دوم "ہی"۔

ص ۹۸۳

۱۔ اردوئے معلّیٰ "نعم الاتفاق ہے" "ہے" زائد۔

۲۔ اردوئے معلّیٰ "بگریز" عودِ اوّل "بگریز" عودِ دوم "بگذرد"۔

۳۔ عودِ اول و دوم "کمتر زد"۔

۴۔ اس خط میں عودِ ہندی میں ہر مصرع سے پہلا "مصرع" اور ہر شعر سے پہلے "شعر" لکھا ہوا ہے لیکن مولوی مہیش کے تیار کردہ متن میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ چوں کہ مولوی صاحب کے پیشِ نظر اصل خط تھا اس لیے میں نے اُن کے متن کو ترجیح دی ہے۔

ص ۹۸۴

۱۔ اردوے معلیٰ "بھجوا دیا"۔

۲۔ عود اوّل و دوم "نام کا"، "کا" زائد۔

۳۔ اردوے معلیٰ "آپ پڑھ لیں اور سمجھ لیں" بجاے "میں نہیں سمجھا کہ قسم دوم پھراج کی کیا ہے۔ آپ اس کو سمجھ لیں"۔ عود اوّل و دوم "میں نہیں سمجھتا" بجاے "میں نہیں سمجھا"۔

۴۔ اردوے معلیٰ "بہ ہزار"۔

ص ۹۸۵

۱۔ اردوے معلیٰ، عود دوم "ہاں"۔

۲۔ اردوے معلیٰ "زندہ" ندارد۔

۳۔ غالب نے صرف ہجری تاریخ لکھی ہے۔

۴۔ اردوے معلیٰ، عود اوّل و دوم، "عرضداشت جواب طلب" ندارد۔

۵۔ عود اول "کان"۔

ص ۹۸۶

۱۔ اردوے معلیٰ "و"۔

۲۔ عود دوم "غرض"۔

۳۔ اردوے معلیٰ، "حضرت" ندارد۔

۴۔ خط پر تاریخِ تحریر نہیں۔ غالب نے خط میں 'دستنبو' کی طباعت کا جس طرح ذکر کیا ہے، اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگست اور نومبر ۱۸۵۸ء کے درمیان یہ خط لکھا گیا ہے۔

۵۔ اردوے معلیٰ "مانا"۔

۶۔ اردوے معلیٰ "یقین جانوں" ندارد۔

ص ۹۸۷

۱۔ اردوے معلیٰ، عود اوّل و دوم "بہ پچھرزی"۔

۲۔ اردوے معلیٰ، عود اوّل و دوم "چال"۔

۳۔ اردوئے معلیٰ، عود اول و دوم، "ہیں" ندارد۔

۴۔ خطوط غالبؔ، اردوئے معلیٰ عود اوّل و دوم، تمام مجموعوں میں یہ قرأت "بدھ" ہے۔ اس امکان قوی ہے کہ غالبؔ نے "بدھ" ہی لکھا، لیکن یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو دو شنبے کا دن ہے۔

ص ۹۸۸

۱۔ اردوئے معلیٰ "پہلے ہی اس تہنیت میں"۔

۲۔ عود اوّل و دوم "پہنچا۔"

۳۔ عود دوم "قباحت بتائی گئی" ندارد۔

۴۔ عود اوّل و دوم "آیا"۔

ص ۹۸۹

۱۔ عود اوّل و عود دوم "و" ندارد"۔

۲۔ اردوئے معلیٰ "بھی" ندارد"

۳۔ عود اوّل و عود دوم "لے کر" ندارد۔

ص ۹۹۰

۱۔ عود اوّل "میں" ندارد۔

۲۔ خط میں تاریخ تحریر نہیں۔ غالبؔ نے اس خط میں ہیضے کی وبا کا ذکر کیا ہے۔ اس وبا کے بارے میں غالبؔ نے مجروح کو لکھا تھا: میاں ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی مگر میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہیں سمجھا..... کل رات اس کا بیٹا ہیضہ کر کے مر گیا"۔ ۱۲۷۷ھ کا پس منظر یہ ہے کہ غالبؔ نے فارسی میں اپنا قطعۂ وفات کہا تھا:

من کہ باشم کہ جاوداں باشم
چوں نظیری نہ ماند و طالب مرد
در بہ پرسند در کدا میں سال
مرد غالبؔ، بگو کہ "غالب مرد"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مجروح اور شفق دونوں کے یہ خطوط ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۰ء میں

لکھے گئے۔

۳۔ اردوئے معلیٰ "اکٹھی ہوگئی ہیں"، "ہوگئی ہیں" زائد۔

۴۔ اردوئے معلیٰ، عود اول "اگر" ندارد۔

ص ۹۹۱

۱۔ غالب نے تاریخ تحریر خط کے آغاز میں لکھی ہے اور صرف ہجری تاریخ لکھی ہے۔ ۲۹ ذی الحجہ ۱۲۷۶ھ کو تقویم کی رو سے "جمعرات" نہیں "بدھ" ہے۔

۲۔ عود اول و عود دوم "کہ" ندارد۔

۳۔ اردوئے معلیٰ "تو" ندارد۔

ص ۹۹۲

۱۔ عود اول "ہاشمی"۔

۲۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ جولائی ۱۸۶۰ء کے خط میں غالب نے مولانا قلق کا ذکر کر کے اسی انداز میں سارٹی فکٹ کا مطالبہ کیا ہے۔ خط ۱۱ پر بھی تاریخ تحریر نہیں ہے لیکن خط میں لکھا ہے "آخر ماہ حال یعنی جولائی" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خط ۱۱ جولائی ۱۸۶۰ء میں لکھا گیا۔ اس لیے یہ خط بھی جولائی ۱۸۶۰ء میں لکھا گیا ہوگا۔

۳۔ اردوئے معلیٰ "محلے کے" ندارد۔

۴۔ عود اول و دوم "ہے" ندارد۔

۵۔ عود اول و عود دوم "میں" ندارد۔

ص ۹۹۳

۱۔ عود اول و عود دوم "سے"۔

۲۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط جولائی میں لکھا گیا ہے۔ مولانا قلق سے سارٹی فکٹ کا مطالبہ غالب نے ۱۹ جولائی ۱۸۶۰ء میں کیا تھا۔

۳۔ اردوئے معلیٰ، عود اول و عود دوم "طور"۔

۴۔ اردوئے معلیٰ، عود اول و عود دوم "ہے" ندارد۔

ص ۹۹۴

۱۔ اردوے معلیٰ، عود اول وعود دوم "حضرت انہدام مساکن ومساجد ...... اڑا دیے گئے۔" پوری عبارت ندارد۔ چوں کہ اس عبارت میں بغاوت ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد دلی پر برطانوی ظلم وستم کی کہانی بیان کی گئی تھی، اس لیے اسے شائع کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا ہوگا۔

۲۔ اردوے معلیٰ " و "

۳۔ اردوے معلیٰ، عود اول وعود دوم "ماہ" ندارد۔

۴۔ اردوے معلیٰ، عود اول وعود دوم "جنود" ندارد۔

۵۔ اردوے معلیٰ، عود اول وعود دوم "بہ"

۶۔ اردوے معلیٰ "فرماں بردار"

۷۔ اردوے معلیٰ "بجالاتا ہوں"

۸۔ اردوے معلیٰ، عود اول وعود دوم "وسیم الدین ظہیر الدین"

۹۔ اردوے معلیٰ، عود اول "دریاے شور کو بھیجا جاتا ہے۔ جس زمانے میں" ندارد۔

۱۰۔ اردوے معلیٰ، عود اول وعود دوم "آیا امیر الدین .... کی گنجائش ہو؟" ندارد۔

۱۱۔ اردوے معلیٰ، عود اول وعود دوم "ہوتا"

۱۲۔ اردوے معلیٰ، عود اول وعود دوم "اپیل ہو گیا ہے... معلوم ہوتا کہ" ندارد۔

۱۳۔ اردوے معلیٰ، عود اول وعود دوم "جاوے"۔

۱۴۔ اردوے معلیٰ، عود اول وعود دوم "جاوے"

ص ۹۹۵

۱۔ اردوے معلیٰ "تو" ندارد

۲۔ اردوے معلیٰ، عود اول وعود دوم "جاتا"

۳۔ اردوے معلیٰ، عود اول وعود دوم "اس"۔

۴۔ عود اول وعود دوم "اور ہمدرد" ندارد۔

۵۔ اردوے معلیٰ "سبھی ہیں"۔ "ہیں" زائد۔

۶۔ اردوے معلیٰ، "سو پانچ برس"۔ "سو" زائد۔

ص ۹۹۶

۱۔ اردوے معلیٰ، عود اوّل "اللہ" ندارد۔

۲۔ اردوے معلیٰ، "یہ بھی تو پوچھو ..... کیا کروں"۔ ندارد۔

۳۔ عود اوّل و عود دوم "اتنیٰ"۔

۴۔ اردوے معلیٰ "آپ کا" ندارد۔

۵۔ اردوے معلیٰ، عود اوّل و عود دوم "فی"۔

۶۔ اردوے معلیٰ، "ہو"۔

۷۔ عود اوّل و عود دوم "والے کی"۔

ص ۹۹۷

۱۔ عود اوّل و دوم "کا"۔

۲۔ عود اوّل و دوم "کچھ"۔

۳۔ عود اوّل و دوم "میری خطا" ندارد۔

۴۔ مولوی مہیش پرشاد کے پیشِ نظر اصل خط تھا۔ انھوں نے خط کی تاریخِ تحریر پنجشنبہ، ۱۹ ذی الحجہ سالِ غفر [۱۲۷۸ھ] لکھی ہے۔ چوں کہ ۱۲۷۸ھ قوسین میں ہے، اس لیے یہ مولوی صاحب کا اضافہ ہے۔ حسابِ جمل کے لحاظ سے "غفر" ۱۲۸۰ھ نکلتے ہیں۔ خط میں غالب نے لکھا ہے کہ ستر برس کی عمر ہوئی۔ غالب ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے یہ خط ۱۲۸۲ھ میں لکھا گیا۔ کاظم علی خاں صاحب نے لکھا ہے کہ یہ خط ۱۹ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۸۶۴ء میں لکھا گیا (خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ ص ص ۶۲-۶۱) میرا خیال ہے کہ اس خط کی تاریخِ تحریر کے تعین پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

ص ۹۹۸

۱۔ عود اوّل و عود دوم "یعنی یہ"۔ "یہ" زائد۔

۲۔ عود دوم "ہے" ندارد۔

۳۔ عودِ اوّل "قاطع"۔

۴۔ اردوئے معلیٰ "اور" زائد۔

۵۔ عودِ اوّل "انگلستاں" عودِ دوم "انگلستان"۔

۶۔ عودِ دوم "انگلش"۔

۷۔ اردوئے معلیٰ "کہ" ندارد۔

۸۔ عودِ دوم "انگلش"۔

۹۔ اردوئے معلیٰ "وہ ورق جو چھاپے کا"۔

۱۰۔ اردوئے معلیٰ "بھیجا"۔

۱۱۔ اردوئے معلیٰ، عودِ اوّل و عودِ دوم "یوں"۔

ص ۹۹۹

۱۔ اردوئے معلیٰ، "کی" ندارد۔

۲۔ اردوئے معلیٰ، "برس سے"۔ "سے" زائد۔

۳۔ عودِ اوّل و عودِ دوم "تندرست"۔

۴۔ اردوئے معلیٰ "بزرگوار"۔

۵۔ اردوئے معلیٰ، عودِ اوّل "لکھنؤ میں"۔ "میں" زائد۔

۶۔ اردوئے معلیٰ، "خاں"۔

۷۔ اردوئے معلیٰ، "بہادر"۔

۸۔ اردوئے معلیٰ، عودِ اوّل و عودِ دوم، جانیں"۔

۹۔ عودِ اوّل، "عرضی"۔

۱۰۔ اردوئے معلیٰ، عودِ اوّل و عودِ دوم "پس"۔

ص ۱۰۰۰

۱۔ عودِ اوّل و عودِ دوم "خطاب کا"، "کا" زائد۔

۲۔ اردوئے معلیٰ، "اب"، ندارد۔

۳۔ اردوئے معلیٰ، عود اوّل و عود دوم "مصالح"۔

۴۔ غالب نے خط کے آغاز میں ہجری اور عیسوی دونوں تاریخیں لکھی ہیں، لیکن ہجری سنہ نہیں لکھا۔ تقویم کی رو سے ۱۳ صفر ۱۲۷۹ھ کو "یکشنبہ" ہے۔

۵۔ اردوئے معلیٰ اور عود اوّل و عود دوم میں شفق کے نام یہ پہلا خط ہے۔ مولوی مہیش نے سہواً یا کسی مصلحت سے خطوطِ غالب میں اسے شامل نہیں کیا۔

ص ۱۰۰۱

۱۔ اردوئے معلیٰ، "شنبہ"

۲۔ عود دوم، "بیتاب رہا ہوں"، "رہا ہوں" زائد

۳۔ اردوئے معلیٰ "گزریں"۔

۴۔ اردوئے معلیٰ "و"۔

ص ۱۰۰۲

۱۔ غالب نے تاریخ تحریر خط کے متن میں لکھی ہے اور ہجری اور عیسوی سنین نہیں لکھے۔ غالب نے اپنی جس بیماری کی تفصیل بیان کی ہے، یہ ۱۸۶۲ء کی ہے۔ تقویم کی رو سے اس تاریخ کو "یکشنبہ" تھا۔

۲۔ عود اول و عود دوم "بہ کافِ عربی" ندارد۔

ص ۱۰۰۳

۱۔ اردوئے معلیٰ "سو میں اب"۔ "میں" زائد۔

۲۔ مولوی مہیش نے اس خط کو ۲۹ جون ۱۸۵۶ء سے قبل ترتیب دیا ہے۔ غالباً اس لیے کہ اس خط اور ۲۹ جون ۱۸۵۶ء کے خط میں بدر الدین علی خاں سے مہر کھدوانے کا ذکر ہے۔ چوں کہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ ان دونوں خطوں میں ایک ہی مہر کا ذکر ہے۔ اس لیے میں نے یہ خط شفق کے نام کے خطوط کے آخر میں ترتیب دیا ہے اور پھر اس خط میں غالب نے لکھا ہے: "ایسے مجمع میں مشہور ہوں کہ سوائے احترام الدولہ کے کوئی سخنوری نہیں" غالب یہ بات بغاوت ۱۸۵۷ء سے قبل ہرگز نہیں کہہ سکتے تھے۔

۳۔ اردوے معلّٰی "نہ" ندارد۔

۴۔ عود اول و عود دوم" نہ متاخرین" "نہ" زائد۔

۵۔ عود اوّل و عود دوم" اور"۔

۶۔ عود اوّل "تکلیف۔"

ص ۱۰۰۴

۱۔ عود اوّل و دوم "ضعف باقی ہے"۔ "باقی ہے" ندارد۔

۲۔ صہبائی کے تذکرے سے مراد مرزا قادر بخش صابر دہلوی کے تذکرے "گلستانِ سخن" ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ صہبائی نے یہ تذکرہ لکھ کر صابر دہلوی کے نام سے شائع کیا تھا۔ غالب کا بھی یہی خیال ہے۔

۳۔ اردوے معلّٰی "کر کے"۔

ص ۱۰۰۶

۱۔ میر غلام بابا خاں نے غالب کو تحفے کے طور پر ایک گھڑی بھیجی تھی۔ غالب کو یہ تحفہ پسند نہیں آیا۔ انھوں نے میاں داد خاں سیاح کے نام خط میں لکھا: "اصل مقدمہ یہ تھا کہ میں "قاطع برہان" کو دوبارہ چھاپنا چاہتا ہوں، نواب صاحب مدد دیں، یعنی سو دو سو جلدیں خرید لیں۔ حضرت نے ایک گھڑی عنایت فرمائی، بھلا یہ میرے کس کام کی؟ چار دن سوچا کیا کہ پھیر دوں۔ پھر سوچا کہ بُرا مانیں گے۔ آخر کو گھڑی رکھ لی۔" دل چسپ بات یہ ہے کہ میر غلام بابا خاں کے نام کا یہ خط جس میں گھڑی کا شکریہ ادا کیا گیا ہے میاں داد خاں سیاح کے نام خط کے ساتھ بھیجا گیا تھا اور گھڑی کے سلسلے میں دونوں خطوں میں غالب نے بالکل مختلف باتیں کہی ہیں۔

ص ۱۰۰۷

۱۔ نواب میر غلام بابا خاں نے غالب کو "قاطع برہان" کے دوسرے ایڈیشن کی طباعت کے لیے سو روپے بھیجے تھے۔ غالب کا اشارہ ان روپوں ہی کی طرف ہے۔ اُسی دن غالب نے میاں داد خاں سیاح کو بھی خط لکھا تھا، جس میں غالب نے روپوں کی وصول یابی کا ذکر ان الفاظ میں کیا۔ "ہاں صاحب، سو روپیے کا نوٹ پہنچا اور روپیہ وصول ہوا۔ کاپی آج شروع ہو گئی۔

۲۔ اردوئے معلیٰ میں تاریخِ تحریر "یکشنبہ ۱۷ دسمبر ۱۸۶۵ء" چھپی ہے جو میرے خیال میں درست نہیں ہے۔ یہ مہینا "دسمبر" کے بجائے "ستمبر" ہونا چاہیے۔ کیوں کہ غالب نے یکشنبہ ۱۰ ستمبر ۱۸۶۵ء کو میاں دادخاں سیاح کو جو خط لکھا تھا، اس میں وہی تمام باتیں ہیں جو اس خط میں ہیں۔

ص ۱۰۰۸

۱۔ غالب نے جب منشی سعادت علی خاں کی تصنیف "محرقِ قاطعِ برہان" کے جواب میں منشی میاں دادخاں سیاح کے نام سے "لطائفِ غیبی" لکھ کر شائع کی تو کتاب پر سیاح کے نام کے ساتھ "سیف الحق" بھی لکھ دیا۔ سیاح کے نام ایک خط میں غالب نے لکھا ہے: "جو میں نے سیف الحق خطاب دیا ہے، اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا ہے۔ تم میرے ہاتھ ہو، تم میرے بازو ہو، میرے نطق کی تلوار تمھارے ہاتھ سے چلتی رہے گی۔"

۲۔ اردوئے معلیٰ "نہ آئے"، "نہ زائد"۔

ص ۱۰۰۹

۱۔ اردوئے معلیٰ "و" ندارد۔

ص ۱۰۱۰

۱۔ خط پر تاریخِ تحریر نہیں۔ زیرِ نظر خط میں غالب جو قطعۂ تاریخ نقل کیا ہے، اس کے مادے "ظفر نامۂ ابد" کا ذکر نواب میر غلام بابا خاں کے نام ایک خط مورخہ ۳ اپریل ۱۸۶۷ء کے خط میں کیا ہے، اس کے علاوہ غالب نے سیاح کے نام ایک خط مورخہ ۳۱ مارچ ۱۸۶۷ء میں اس واقعے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: "میں تو تہنیت میں خط لکھوں گا مگر رشک آتا ہے کہ یہ حوالہ اودھ اخبار لکھوں اور بہ حوالہ سیف الحق نہ لکھوں۔" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط ۳۱ مارچ اور ۳ اپریل ۱۸۶۷ء کے دوران لکھا گیا ہوگا۔

۲۔ تقویم کی رو سے ۳ اپریل ۱۸۶۷ء کو "سہ شنبہ" نہیں "چار شنبہ" تھا۔

ص ۱۰۱۱

۱۔ اردوئے معلیٰ میں بہ قرأت ۱۲۸۲ھ ہے، چوں کہ تاریخِ تحریر میں ۱۸۶۷ء ہے۔ اس لیے

بہ قرأت ۱۲۸۳ھ ہونی چاہیے۔

۲۔ تقویم کی رو سے ۳۱ مئی ۱۸۶۷ء کو "چارشنبہ" نہیں "جمعہ" تھا۔

۳۔ اردوئے معلیٰ میں تاریخِ تحریر چارشنبہ ۶ اپریل ۱۸۶۸ء ہے۔ تقویم کی رو سے ۶ اپریل کو "یکشنبہ" ہے۔ کاظم علی خاں صاحب کا خیال ہے کہ ۶ اپریل نہیں ۶ مئی ہو سکتی ہے۔ (خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ ص ۸۰) مجھے خاں صاحب کے اس خیال سے اتفاق ہے۔

ص ۱۰۱۳

۱۔ غالب نے صرف ہجری تاریخ لکھی ہے۔

ص ۱۰۱۴

۱۔ اردوئے معلیٰ میں تاریخِ تحریر جمعہ ۱۷ اگست ۱۸۶۸ء ہے۔ تقویم کی رو سے ۱۷ اگست ۱۸۶۸ء کو دوشنبہ ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ یہ سنہ ۱۸۶۸ء نہیں بلکہ ۱۸۶۶ء ہے اور سہوِ کاتب ہے۔

۲۔ اردوئے معلیٰ "میں میں"، "ایک میں" زائد۔

ص ۱۰۱۵

۱۔ اردوئے معلیٰ "نکھیں"۔

ص ۱۰۱۶

۱۔ خط پر تاریخِ تحریر نہیں، ۱۷ جولائی ۱۸۶۸ء کے خط میں غالب نے حکیم سید احمد حسن مودودی کو لکھا تھا کہ: "یہ جو آپ نے لکھا تھا کہ نواب صاحب قبلہ (نواب میر ابراہیم علی خاں وفا) کے ہاں اس مہینے میں لڑکا پیدا ہونے والا ہے، مجھ کو تاریخِ تولد کا خیال رہے گا۔ جب آپ کی تحریر سے تاریخِ تولد معلوم کر لوں گا، تب قطعہ یا رباعی جو کچھ ہو گئی ہو گی، وہ بھیج دوں گا۔ اس لیے زیرِ نظر خط جولائی اگست ۱۸۶۸ء میں لکھا گیا ہو گا۔

ص ۱۰۱۸

۱۔ عود اوّل و دوم "دال"۔

۲۔ عود اوّل و دوم "اور"۔

۳۔ عود اوّل "ہو گی" ندارد۔ ۴۔ "ناچارہ ہے"، "ہے" زائد۔

ص ۱۰۱۹

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ غالب نے اس خط میں چودھری عبدالغفور سرور کی شادی کا ذکر کیا ہے اور نثر مرجز وغیرہ پر بحث کی ہے۔ غالب نے مارچ ۱۸۵۹ء کو چودھری عبدالغفور سرور کو خط لکھا تھا اُس میں سرور کی شادی کا ذکر ہے اور نثر مرجز پر بحث کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط مارچ یا اپریل میں لکھا گیا۔

ص ۱۰۲۰

۱۔ اردوے معلّٰی "شریف تالیف"۔

۲۔ عود اوّل و دوم "اسیر"۔

۳۔ عود اوّل و دوم "نسبی"

۴۔ عود اوّل و عود دوم "مجموعہ نثریں"۔

۵۔ عود اوّل و دوم "خانہ کہ" "کہ" زائد۔"

۶۔ عود دوم "ورق باقی" "باقی" زائد۔

۷۔ عود اوّل و عود دوم "مخدوم زادہا۔"

۸۔ اردوے معلّٰی "حضرت" ندارد۔

۹۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ غالب نے ۲۶ جولائی ۱۸۶۱ء کو مجروح کے نام خط میں وبا کا ذکر کیا ہے۔ اس خط میں اس وبا کا ذکر ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط جولائی یا اگست ۱۸۶۱ء میں لکھا گیا ہو گا۔

۱۰۔ اردوے معلّٰی "اللہ" ندارد۔

ص ۱۰۲۱

۱۔ عود دوم "بے کلاہ"۔

۲۔ اردوے معلّٰی "لیٹتا۔"

۳۔ اردوے معلّٰی "گیا" ندارد۔ عود اول کہا"

۴۔ عود اوّل و دوم "اِس کے اُس کے" "اُس کے" زائد۔

۵۔ عود دوم "بھی" ندارد۔

۶۔ عود اوّل و عود دوم "نہ نیاز نہ سلام۔"

۷۔ عود اوّل و دوم "رسل و" ندارد۔

۸۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ غالب نے خط میں قاطعِ برہان کے "مسودے" کا ذکر کیا ہے۔ یہ مسودہ ۱۸۶۰ء میں تیار ہوگیا۔ اور اس کی طباعت کی نوبت ۱۸۶۲ء میں آئی تھی۔ اس لیے یہ خط اس درمیانی مدت میں لکھا گیا ہوگا۔

۹۔ یہ خط پہلی بار پروفیسر مختار الدین احمد نے علی گڑھ میگزین (غالب نمبر ۴۹-۱۹۴۸ء ص ۹۷) میں چھاپا تھا۔ مختار صاحب نے اس خط کے بارے میں لکھا ہے۔ یہ خط صاحب عالم (مارہرہ) کی خود نوشت بیاض میں سے لیا گیا ہے۔ جو ہمارے خاندانی کتب خانے میں موجود ہے۔

ص ۱۰۲۲

۱۔ علی گڑھ میگزین (غالب نمبر) "کو" قوسین میں ہے۔

۲۔ علی گڑھ میگزین (غالب نمبر) "کو" قوسین میں ہے۔

۳۔ یہ خط رسالہ فصیح الملک (جلد ۲، نمبر ۹ و ۱۰، ص ۳۳) میں احسن مارہروی نے شائع کیے تھے۔ جہاں سے سید مرتضیٰ حسین فاضل نے اردوئے معلّیٰ (حصہ دوم، ص ۱۰۱۵) میں نقل کیا۔ چوں کہ مجھے فصیح الملک کا شمارہ نہیں مل سکا۔ اس لیے میں نے اردوئے معلّیٰ سے نقل کیا ہے۔ غلام رسول مہر صاحب نے بھی خطوطِ غالب میں یہ خط نقل کیا ہے، لیکن ان کا کہنا ہے کہ یہ خط صاحبِ عالم کے صاحبزادے مقبول عالم کا نام ہے۔

۴۔ اردوئے معلّیٰ مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل، "ترتیب"۔

۵۔ غالب نے خط میں اپنی عمر اکہتر سال لکھی ہے۔ اس حساب سے یہ خط نومبر ۱۸۶۶ء اور اکتوبر ۱۸۶۷ء کے درمیان لکھا گیا۔

۶۔ مرقع ادب (جلد ۱) اردو "راقم اسد اللہ خاں غالب" ندارد۔

ص ۱۰۲۳

۱۔ یہ خط بہ قول سید مرتضیٰ حسین فاضل پہلی بار فصیح الملک جنوری فروری ۱۹۰۰ء میں شائع ہوا تھا۔ فاضل صاحب نے اسے نقل کر لیا تھا۔ پھر اسے صفدر مرزا پوری نے "مرقع ادب" حصہ اول میں شائع کیا۔

تیسری بار ڈاکٹر عبدالحق نے صفدر مرزا پوری کے حوالے سے اردو (اورنگ آباد' اپریل ۱۹۲۹ء ص ۱۱۴)
میں شائع کیا۔ پوری کوشش کے باوجود مجھے فصیح الملک کا یہ شمارہ نہیں ملا۔ فصیح الملک کے اختلافات
نسخ اردوے معلّٰی (حصہ ۲، ص ص ۱۰۱۱ - ۱۰۱۳) مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل سے لیے گئے ہیں ۔
فصیح الملک اور مرقع ادب میں مکتوب الیہ کا نام نہیں ہے۔ مرقع ادب میں صفدر مرزا پوری نے اس خط
پر حاشیہ دیا ہے ''یہ خط ہمارے محترم دوست سید مقبول حسین وصل بلگرامی سے ہمیں ملا۔ لفافہ نہ تھا جس سے
مکتوب الیہ کا پتا چلتا'' خط کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط صاحب عالم کے نام ہے۔ سید مرتضیٰ
حسین فاضل کا بھی یہی خیال ہے۔

۲۔ فصیح الملک ''ازلی'' ندارد۔

۳۔ مرقعِ ادب (جلد ۱) اردو ''غذا کی حقیقت کیا ہے''۔

۴۔ مرقعِ ادب (جلد ۱) ''سر'' ندارد۔

۵۔ مرقع ادب (جلد ۱) ''سر'' ندارد

ص ۱۰۲۴

۱۔ مرقع ادب (جلد ۱) ''کمل الانجبار''۔

۲۔ مرقع ادب (جلد ۱) اردو ''میرے احباب۔''

۳۔ مرقعِ ادب (جلد ۱) ''وزیر''۔

ص ۱۰۲۵

۱۔ عود اوّل و دوم ''دعا''۔

۲۔ عود اوّل و دوم ''نہیں دیکھے گئے''۔

۳۔ اردوے معلّٰی ''کو''

۴۔ اردوے معلّٰی ''شوق'' ندارد۔

۵۔ عود دوم ''پیغام۔''

ص ۱۰۲۶

۱۔ عود اوّل و دوم ''پہنچے گا''

۲۔ اردوے معلّٰی ''قات'' ندارد۔

۳۔ اردوے معلّٰی "حافظ" ندارد۔

۴۔ خط میں تاریخ تحریر نہیں۔ غالب نے خط میں لکھا ہے کہ ۱۲۷۶ھ میں دو مہینے باقی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ خط ذی قعدہ ۱۲۷۶ھ مطابق مئی ۱۸۶۰ء میں لکھا گیا۔

۵۔ اردوے معلّٰی "کو اور قصور ہے۔"

ص ۱۰۲۷

۱۔ عود اول و دوم "نے دی گئی" بجائے "دی"

۲۔ اردوے معلّٰی، عود اول "ڈپٹی"۔

۳۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ غالب نے خط میں لکھا ہے کہ "یکشنبے کا دن، ۸ صفر اور ۲۵ اگست کی" غالباً یہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۰ء ہے۔ اگر سنین یہی ہیں تو غالب سے ایک سہو ہوا۔ اس دن ۸ صفر اور ۲۶ اگست تھی یا ۷ صفر اور ۲۵ اگست تھی۔

۴۔ یہ خط پہلی بار فصیح الملک (جنوری فروری ۱۹۰۰ء) میں شائع ہوا تھا۔ جہاں سے سید مرتضیٰ حسین فاضل نے اردوے معلّٰی (حصہ ۲، ص ۱۰۰۹) میں نقل کیا تھا۔ پوری کوشش کے باوجود مجھے فصیح الملک کا وہ شمارہ نہیں مل سکا۔ مجبوراً اردوے معلّٰی مرتبہ فاضل سے نقل کر رہا ہوں۔

۵۔ یہاں کوئی لفظ رہ گیا ہے۔

۶۔ اردوے معلّٰی مرتبہ فاضل میں یہ قرأت "۱۳" ہے۔ جب کہ "۱۲" ہونی چاہیے، کیوں کہ غالب ۱۲ اکتوبر ۱۸۶۵ء کو رام پور پہنچے ہیں۔ بہ ظاہر یہ سہوِ کاتب ہے۔

۷۔ سید مرتضیٰ حسن فاضل نے "سنہ" توسین میں لکھا ہے، جس کا غالباً مطلب یہ ہے کہ فصیح الملک یہ قرأت نہیں ہے۔ ۸۔ فاضل نے یہ قرأت قوسین میں دی ہے۔

ص ۱۰۳۰

۱۔ غالب نے تاریخِ تحریر میں صرف "۱۹ ذی الحجہ" لکھا ہے۔ ۲۱ ستمبر ۱۸۶۰ء کو غالب نے مولوی احمد حسن قنوجی کو جو خط لکھا تھا اس میں حکیم سید احسن کے کلام کی اصلاح کو منظور کرتے ہوئے لکھا تھا: "بہ ہر حال حکیم صاحب کو میرا سلام کہیے اور کہیئے کہ آپ بے تکلف اپنا کلام بھیج دیا کریں۔" خطِ زیرِ بحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کو شاگرد ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے۔ غالب

نے "۱۹ ذی الحجہ لکھا ہے۔ غالباً یہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۲۸ جون ۱۸۶۱ء ہے۔

ص ۱۰۳۷

۱۔ یہ خط پہلی بار "سراجِ سخن" (شاہجہاں پور، فروری ۱۸۹۴ء) میں شائع ہوا تھا، جہاں سے فرخ جلالی نے "آجکل" (نئی دہلی، فروری ۱۹۶۰ء ص ۴۴ ۲) میں نقل کیا۔ "اردوئے معلّیٰ" (دہلی یونیورسٹی، ۱۹۶۱ء) میں پروفیسر گوپی چند نارنگ نے نقل کیا۔ غالب کی نادر تحریریں (ص ۳۸) میں یہ خط آجکل سے نقل ہوا ہے۔

ص ۱۰۳۸

۱۔ اردوئے معلّیٰ میں ۱۸۶۷ء چھپا ہے، لیکن کتاب کے آخر میں تصحیح نامے میں ۱۸۶۶ء دیا گیا ہے۔

ص ۱۰۴۰

۱۔ یہ خط عودِ ہندی اول و دوم میں شائع ہوا تھا۔ رضا لائبریری رام پور میں دیوانِ غالب کا ایک قلمی نسخہ ہے، جو خواجہ محمد شفیع دہلوی کی ملکیت رہا تھا۔ اس دیوان کے آخر میں یہ خط نقل کیا گیا ہے۔ اس کے اور "عودِ ہندی" کے متن میں کچھ اختلافاتِ نسخ ہیں۔ اس خط کی نقل اکبر علی خاں نے فروغِ اردو لکھنؤ، غالب نمبر، ۱۹۶۹ء ص ص ۲۷-۲۶) میں شائع کی تھی۔

۲۔ فروغِ اردو (۱۹۶۹ء، غالب نمبر) "ہے" ندارد۔

۳۔ فروغِ اردو "کیا کیا"، "کیا" زائد۔

۴۔ عودِ اوّل "شکست"۔

۵۔ عود اوّل "اوپر"۔

۶۔ فروغِ اردو "کر" ندارد۔

۷۔ فروغِ اردو "اچھے میرے چچا جان .... آئی ہے" ندارد۔

۸۔ عود اول و دوم "یہ"

۹۔ فروغِ اردو "لو میاں ظہیر الدین .... بھیج دو" زائد۔ یہ خط غالب نے ظہیر الدین کی طرف سے لکھا تھا۔ آخری سطر میں غالب نے ظہیر الدین کو مخاطب کیا ہے۔

ص ۱۰۴۱

۱۔ جانی بانکے لال رند سے مراد ہے۔

۲۔ جانی بانکے لال رند اور کاشف دونوں راجا بھرت پور کے ملازم تھے۔ غالب چاہتے تھے کہ نواب میر علی نقی خاں بھی بھرت پور سرکار سے متوسل ہو جائیں۔

ص ۱۰۴۲

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ غالب نے اس خط میں لکھا ہے کہ تفتہ کے خط سے اکثر جانی بانکے لال رند اور کاشف کے حالات معلوم ہوتے رہتے تھے، لیکن اب تفتہ بہت دن سے علی گڈھ میں ہیں اور انھیں بھی "بابو صاحب کا حال معلوم نہیں"۔ غالب کے اس بیان کا پس منظر یہ ہے کہ بابو جی نے تفتہ کو بھرت پور سرکار سے متوسل کر رکھا تھا۔ کسی بات پر ان دونوں میں اَن بَن ہو گئی اور تفتہ ناراض ہو کر علی گڈھ میں مقیم ہو گئے۔ تفتہ کے نام ۱۸۵۳ء کے خطوط میں اس ناراضگی، ترکِ ملازمت اور علی گڈھ میں قیام کا ذکر ہے، اس لیے امکان ہے کہ یہ خط ۱۸۵۳ء میں لکھا گیا ہو گا۔

ص ۱۰۴۳

۱۔ غالب نے صرف ہجری تاریخ لکھی ہے۔

ص ۱۰۴۵

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ خط میں غالب نے مطبع نول کشور سے کلیاتِ فارسی" کے چھپنے کی اطلاع دی ہے۔ یہ کلیات مئی، جون ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا تھا۔ چوں کہ مئی میں غالب نے

کاشف کو دو خط لکھے ہیں۔ دوسرا خط ۲۵ مئی کو لکھا ہے، اس لیے امکان ہے کہ یہ خط جون میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۰۴۷

۱۔ اردوے معلّیٰ "میں" ندارد۔

۲۔ اردوے معلّیٰ "کے" ندارد۔

۳۔ اردوے معلّیٰ میں ہجری تاریخ نہیں دی گئی۔

ص ۱۰۴۸

۱۔ صفدر مرزاپوری کی اطلاع کے مطابق یہ خط پہلی بار رسالہ "تصویرِ جذبات" (لکھنؤ، فروری ۱۹۲۲ء) میں شائع ہوا تھا۔ رسالے کے اڈیٹر سید احمد عزیز کیفی نے اس خط کے بارے میں لکھا تھا کہ یہ اُن کے جدِّ امجد کے نام ہے۔ مگر جدِّ امجد کا نام نہیں لکھا تھا۔ بعد میں یہ خط کئی جگہ نقل ہوا اور ہر جگہ اس کے مکتوب الیہ کا نام "نامعلوم" لکھا گیا۔ سید مرتضیٰ حسین فاضل صاحب نے اردوے معلّیٰ (حصہ دوم، ص ۹۹۰) میں پہلی بار ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ یہ یہ خط منشی شیونرائن کے نام ہے۔ فاضل صاحب کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اس خط میں جس کتاب کی اشاعت کی فرمائش کی گئی ہے وہ "دستنبو" ہی معلوم ہوتی ہے، جسے منشی شیونرائن آرام نے چھاپا تھا۔

یہاں یہ خط مرقعِ ادب (مرتبہ صفدر مرزاپوری، لکھنؤ، ۱۹۲۷ء) سے نقل کیا گیا ہے۔

۲۔ مرقعِ ادب "بے داری"۔

۳۔ مرقع ادب "بمبز"۔

۴۔ مرقع ادب "یا"۔

ص ۱۰۵۰

۱۔ ایلن برون کے بارے میں مولانا امتیاز علی عرشی مرحوم نے لکھا ہے: ممدوح کا نام اردوے معلّیٰ اور خطوط دونوں میں ایلن برون ہے۔ اس نام کے کسی انگریز افسر کا مجھے پتا نہ چل سکا۔ ایک مشہور شخصیت ایلن برو گورنر جنرل کی ہے۔ مگر وہ اس زمانے میں انگلستان میں بورڈ

آف کنٹرول کے صدر تھے۔ بظاہر شیو نرائن کا اُن سے ایسا تعلق نہ ہونا چاہیے کہ یہ انھیں انگلستان تک مبارک باد کا قصیدہ لکھوا کر بھیجیں۔ ہاں اگر یہ قصیدہ ملکہ وکٹوریہ کی مدح میں ہوتا، تو اُن کے توسط سے ملکہ کی خدمت میں پیش ہونا تسلیم کر لیا جاتا۔ جس طرح مرزا صاحب نے ۱۸۴۵ء میں وکٹوریا کی مدح کا قصیدہ اُن کے پاس انگلستان بھیج کر پیش کرایا تھا۔

(دیوانِ غالب (نسخۂ عرشی) دوسرا اڈیشن، ص ۳۷۶)

۲۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ قصیدے کی تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۵۸ء میں لکھا گیا۔

ص ۱۰۵۲

۱۔ اردوے معلّیٰ "لیا"۔

۲۔ "دستنبو" چھاپنے سے پہلے منشی شیو نرائن نے اس کا مسودہ حکومت کے کسی انگریز افسر کو دکھایا تھا۔ غالباً اس لیے کہ اگر حکومت کو اعتراض ہو تو وہ نہ چھاپیں۔ غالب نے۔ غالب نے اکتوبر ۱۸۵۸ء کے خط میں مجروح کو لکھا ہے: "(دستنبو کا مسودہ) آگرے کے حکام کو دکھایا۔ اجازت چاہی۔ حکام نے بہ کمالِ خوشی اجازت دی۔"

ص ۱۰۵۳

۱۔ اردوے معلّیٰ "دونو"

۲۔ اردوے معلّیٰ "حال"

۳۔ اردوے معلّیٰ "نوا"۔

۴۔ اردوے معلّیٰ "کو"

ص ۱۰۵۴

۱۔ اردوے معلّیٰ "راہ ندارد۔

ص ۱۰۵۵

۱۔ غالب جس حویلی کا ذکر کر رہے ہیں وہ "کالے محل" کے نام سے مشہور تھی۔ یہ حویلی آگرے کی پیپل منڈی میں آج بھی موجود ہے اور "کالے محل" ہی کے نام سے مشہور ہے۔ نہایت پختہ اور

عالی شان عمارت ہے۔ اس میں آج کل اندر بھان گرلز ہائی اسکول ہے۔

۲۔ اردوئے معلیٰ "تمھارے"۔

۳۔ تاریخ تحریر میں غالب نے صرف دن اور تاریخ لکھی ہے۔ خط کے مضمون اور تقویم کی رو سے یہ ۱۸۵۸ء قرار پاتا ہے۔

۴۔ اردوئے معلیٰ "اللہ اللہ"۔

۵۔ اردوئے معلیٰ "العلمۃ" منشی شیونرائن آرام نے "دستنبو" کی لوح پر "العلم طاقۃ" لکھنے کی غالب سے اجازت مانگی تھی۔ لوح پر "العلم طاقۃ" ہی چھپا ہے، جو غلط ہے۔

ص ۱۰۵۶

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ اس میں غالب نے "دستنبو" کے سرورق پر اپنا نام لکھے جانے کے بارے میں آرام کو ہدایتیں دی ہیں۔ غالب نے مرزا تفتہ کو بھی ۳ ستمبر ۱۸۵۸ء کے خط میں یہی ہدایتیں دی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط بھی اوائل ستمبر ۱۸۵۸ء میں لکھا گیا ہوگا۔

۲۔ اردوئے معلیٰ "کا ندارد"۔

ص ۱۰۵۸

۱۔ اردوئے معلیٰ "فرمائیے"۔

ص ۱۰۵۹

۱۔ اردوئے معلیٰ "بتو داست"۔

۲۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ خط میں غالب نے لکھا ہے کہ پنشن بند ہوئے اٹھارہ مہینے ہو چکے ہیں۔ پنشن مئی ۱۸۵۷ء میں بند ہوئی تھی۔ اس حساب سے یہ اکتوبر ۱۸۵۸ء کا مہینا ہے اور پھر غالب نے یہ بھی لکھا ہے کہ "یکم نومبر" کو چراغاں ہوگا۔

ص ۱۰۶۰

۱۔ اردوئے معلیٰ "بنوا"۔

۲۔ اردوئے معلیٰ "اڈمنسٹشن"۔

۳۔ اردوئے معلّٰی "گورنر" ندارد۔

ص ۱۰۶۴

۱۔ اردوئے معلّٰی "مطلے"۔

۲۔ اردوئے معلّٰی "ڈیڑھ"

۳۔ اردوئے معلّٰی "بنوائی"۔

ص ۱۰۶۶

۱۔ اردوئے معلّٰی "کھدیں"۔

ص ۱۰۶۸

۱۔ اردوئے معلّٰی "اسٹامپ"۔

ص ۱۰۶۹

۱۔ گوپی چند نارنگ صاحب نے اردوئے معلّٰی (مجلّہ دلّی یونیورسٹی، جلد ۲، شمارہ ۲، ۳، ص ۴۷) میں شائع کیا۔ اس کے بعد مالک رام صاحب نے خطوطِ غالبؔ مرتبہ مہیش پرشاد کے دوسرے ایڈیشن میں یہ خط شامل کیا۔ مالک صاحب اور نارنگ صاحب دونوں نے یہ نہیں بتایا کہ انھیں یہ خط کہاں سے ملا اور اصل خط کہاں ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ خط مولوی مہیش پرشاد مرحوم کی دریافت تھا اور وہ اسے خطوطِ غالبؔ کی دوسری جلد میں شائع کرنا چاہتے تھے۔

ص ۱۰۷۰

۱۔ اردوئے معلّٰی "ایڈمنسٹرشن"۔

ص ۱۰۷۳

۱۔ اردوئے معلّٰی "فناشل"۔

۲۔ اردوئے معلّٰی "ایڈمنسٹرشن"۔

۳۔ اردوئے معلّٰی "بیس"۔

ص ۱۰۷۴

۱۔ تقویم کی رو سے ۲۶ اپریل کو چارشنبہ ہے۔

۲۔ منشی شیونرائن آرام ایک ایسا ماہنامہ جاری کرنا چاہتے تھے جس میں تاریخی مواد ہو۔ انھوں نے غالبؔ سے اس ماہنامے کے لیے نام منگوائے۔ غالبؔ کے تجویز کیے ہوئے نام آرام کو پسند نہیں آئے اور انھوں نے ماہنامے کا نام "بغاوتِ ہند" رکھا۔

ص ۱۰۷۵

۱۔ تقویم کی رو سے ۲۰ جولائی ۱۸۵۹ء کو چار شنبہ تھا۔

ص ۱۰۷۶

۱۔ اردوے معلّٰی "معیار الاشعار"۔

۲۔ اردوے معلّٰی میں تاریخ ۲۰ جولائی ہے۔ تقویم کی رو سے ۱۹ جولائی کو سہ شنبہ تھا، ۲۰ کو نہیں۔

ص ۱۰۷۷

۱۔ اردوے معلّٰی "معیار الاشعار"

۲۔ اردوے معلّٰی "معیار الاشعار"۔

۳۔ اردوے معلّٰی "کے"۔

۴۔ اردوے معلّٰی "معیار الاشعار"۔

۵۔ اردوے معلّٰی "سمبر"۔

ص ۱۰۷۸

۱۔ اردوے معلّٰی "جانتا"۔

ص ۱۰۸۰

۱۔ اردوے معلّٰی میں تاریخ تحریر میں "سہ شنبہ" ہے۔ لیکن تقویم کی رو سے ۳ مارچ کو "شنبہ" ہے۔ البتہ "۱۳ مارچ" کو "سہ شنبہ" ہے۔ میرا خیال ہے کہ "۱۳" سہوِ کاتب سے "۳" ہو گیا ہے۔ کاظم علی خاں نے لکھا ہے: "لیکن میرے نزدیک اس خط کی ایک اور امکانی تاریخ سہ شنبہ ۱۳ مارچ ۱۸۶۱ء بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کاتب نے غلطی سے ۱۳ مارچ کی جگہ ۳ مارچ لکھ دی ہو۔"

ص ۱۰۸۲

۱۔ اردوے معلّٰی "لے کر" ندارد۔

۲۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ خط کی آخری سطور سے تاریخ کا تعین کیا گیا ہے۔

ص ۱۰۸۳

۱۔ خط پر تاریخِ تحریر نہیں۔ غالب نے "۲۵ جون" لکھی ہے۔ سنہ کا تعین آرام کے نام غالب کے خط مورخہ اپریل ۱۸۶۰ء سے کیا گیا ہے۔

ص ۱۰۸۴

۱۔ اردوے معلیٰ "نثار"۔

۲۔ منشی شیو نرائن آرام کے نام خط (مورخہ اپریل ۱۸۶۰ء) میں غالب نے ان کا نام "عظیم الدین احمد" رکھا تھا۔

۳۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ غالب اپریل ۱۸۶۰ء کے خط میں آرام کو لکھ چکے ہیں: "اب جو میں دلی سے رام پور جانے لگا تو بھائی ضیاء الدین خاں صاحب نے مجھے تاکید کر دی تھی کہ تم نواب صاحب کی سرکار سے دیوانِ اردو لے کر اس کو کسی کاتب سے لکھوا کر مجھے بھیج دینا۔ میں نے رام پور میں کاتب سے لکھوا کر بہ سبیلِ ڈاک ضیاء الدین خاں کو دلی بھیج دیا تھا" اور اب آرام کو لکھ رہے ہیں کہ "صرف تمھارے واسطے لکھوا کر لایا۔"

۴۔ اردوے معلیٰ "ڈے"۔

ص ۱۰۸۶

۱۔ غالب کو یہ خلعت ۳ مارچ ۱۸۶۳ء کو ملا تھا۔ انھوں نے اس خلعت کی تفصیل نواب یوسف علی خاں کے نام خط (مورخہ ۱۶ مارچ ۱۸۶۳ء) اور قدر بلگرامی کے نام خط (تاریخ ندارد) اور خواجہ غلام غوث خاں بے خبر کے نام خط (مورخہ مارچ ۱۸۶۳ء) میں بیان کی ہے۔

۲۔ غالب نے تاریخِ تحریر صرف "۳ مئی" لکھی ہے۔ خلعت کا واقعہ ۱۸۶۳ء کا ہے، اس لیے یہ ۱۸۶۳ء ہے۔

ص ۱۰۸۷

۱۔ نادرات "ول" بجائے "کول"۔

۲۔ نادرات "کرکر"۔ ندارد۔

ص ۱۰۸۸

۱۔ نادرات "اور" ندارد۔ مالک رام صاحب نے پہلی بار اس قرأت کا اضافہ کیا ہے۔

ص ۱۰۸۹

۱۔ نادرات "بدلہ گو"۔

۲۔ نادرات "مجمع"۔

۳۔ ۶۳ اشعار کا یہ قصیدہ "در منقبت سومین امام" کے عنوان سے کلیاتِ نظمِ غالبؔ میں موجود ہے۔ اس قصیدے کے بارے میں حالیؔ نے لکھا ہے: "جس زمانے میں میر نظام الدین ممنونؔ، شاہ صاحب کے پرانے مدرسے میں مشاعرہ کرتے تھے، ایک مشاعرے میں مرزا نے اپنا فارسی قصیدہ "دریا گریستن" اور "تنہا گریستن" جو جناب سید الشہدا کی منقبت میں انھوں نے لکھا تھا، پڑھا، سنا ہے کہ مجلسِ مشاعرہ بزمِ اعزا بن گئی تھی جب تک قصیدہ پڑھا گیا، لوگ برابر روتے رہے۔ مفتی صدر الدین خاں مرحوم بھی موجود تھے۔ اتفاق سے اسی حالت میں مینہ برسنے لگا۔ مفتی صاحب نے کہا: آسماں ہم گریست" (یادگارِ غالبؔ، پہلا اڈیشن۔ ص ۵۴)

ص ۱۰۹۰

۱۔ نادرات "فرض"۔

۲۔ اس خط میں غالباً اس ذلت اور رسوائی کی طرف اشارہ ہے، جو غالبؔ کو قمار خانہ قائم کرنے کے الزام میں اٹھانی پڑی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ غالبؔ اپنے گھر پر جوا کھلوانے کے الزام میں دو بار گرفتار ہوئے تھے۔ پہلی بار ۱۸۴۱ء میں۔ اس دفعہ غالبؔ پر سو روپے جرمانہ ہوا۔ اگر جرمانہ نہ دیں تو چار مہینے کی سزا۔ غالبؔ نے جرمانہ ادا کر دیا۔ دوسری بار ۲۵ مئی ۱۸۴۷ء کو گرفتار ہوئے۔ اس بار چھ مہینے کی قیدِ بامشقت کی سزا اور دو سو روپے جرمانہ ہوا۔ غالبؔ نے عدالت کے اس فیصلے کے خلاف اپیل کی۔ فیصلہ بہ دستور قائم رہا۔ صرف اتنی رعایت دے دی گئی کہ اگر غالبؔ پچاس روپے اور بہ طور جرمانہ ادا کر دیں تو مشقت معاف ہو جائے گی۔ بہادر شاہ ظفر اور شہر کے عمائدین نے بہت

کوششیں کیں مگر یہ سزا معاف نہ ہوئی۔ تین مہینے بعد ڈاکٹر راس سول سرجن قیدیوں کے معائنے پر گئے تو انھیں غالب کی حالت پر بہت رحم آیا۔ اُن کی سفارش سے تقریباً تین مہینے بعد انھیں رہا کر دیا گیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ کلام ، ص ۲۶۳۔ خواجہ حسن نظامی، دہلی کا آخری سانس، ص ص ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ مولانا امتیاز علی خاں، قدیم اخبارات کی کچھ جلدیں، نوائے ادب (سہ ماہی) بمبئی، اپریل ۱۹۵۵ء۔ نثار احمد فاروقی، تلاشِ غالب (لاہور) ص ص ۸۳۔ ۹۶، ذکرِ غالب (پانچواں اڈیشن) ص ص، ۸۹۔ ۹۳۔ خلیق انجم، غالب اور شاہانِ تیموریہ دہلی، ص ص ۳۱۔ ۳۲۔

ص ۱۰۹۱

۱۔ نادرات "اطریق"۔

۲۔ "نادرات" میں یہ قرات "لگا کیے" ہے۔ مالک رام صاحب نے اسے "لگ گئے گئے" لکھا ہے۔ مجھے اُن سے اتفاق ہے۔

۳۔ غالب "مہرِ نیم روز" کا ذکر کر رہے ہیں۔ "مہرِ نیم روز" کا جتنا مسودہ تیار ہوتا جاتا تھا، غالب اُس کی نقل منشی نبی بخش حقیر کو بھیجتے رہتے تھے۔

ص ۱۰۹۲

۱۔ نادرات "گئی"۔

۲۔ نادرات میں یہ قرات "اپنے بھتیجے" ہے۔ غالب خط میں حقیر کی بیٹی کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس لیے یہ قرات "اپنی بھتیجی" ہونی چاہیے۔ مالک رام صاحب نے بھی "اپنی بھتیجی" لکھا ہے۔

۳۔ مرزا ہرگوپال تفتہ نے راجا جے پور کی ملازمت کر لی تھی۔

۴۔ نادرات "کہتا"۔

۵۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ اس خط میں غالب نے عید کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ پاؤں پر پھوڑے ہو رہے ہیں۔ حقیر کے نام ۲ جنوری ۱۸۵۱ء کے خط میں غالب نے لکھا ہے: "پاؤں بھی اچھا ہے۔ زخم تھوڑا سا باقی ہے۔" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیرِ بحث خط ۱۸۵۰ء میں عید کے کچھ دن بعد لکھا گیا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ غالب عید الفطر کا ذکر کر رہے ہیں یا عید الضحیٰ کا۔

پہلی صورت میں خط اگست میں اور دوسری صورت میں اکتوبر میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۰۹۳

۱۔ نادرات "پار"۔

۲۔ نادرات "خط"۔

ص ۱۰۹۴

۱۔ نادرات "بادنما"۔

۲۔ نادرات "خامہ"۔

۳۔ غالب کو لال قلعے سے چھ مہینے بعد تنخواہ ملتی تھی۔ غالب چاہتے تھے کہ تنخواہ ماہ بہ ماہ ملے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بہادر شاہ ظفر کی خدمت میں تیس اشعار کی درخواست بھی پیش کی تھی۔ اس منظوم درخواست کے دو شعر یہ ہیں :

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا   آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار

میری تنخواہ کیجے ماہ بہ ماہ   تا نہ ہو مجھ کو زندگی دُشوار

۴۔ خواجہ صاحب سے مراد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ہیں۔

ص ۱۰۹۵

۱۔ نادرات "نہ ہر ہے کا"۔

ص ۱۰۹۶

۱۔ نادرات "جو تمھاری بیٹی"۔ بجائے "اور تمھارے بیٹے"۔

ص ۱۰۹۷

۱۔ نادرات میں یہ قرأت "یہ" ہے۔ میرے خیال سے اسے "ان" ہونا چاہیے۔ مالک رام صاحب نے بھی "اُن" لکھا ہے۔

۲۔ نادرات "اکبر شاہ"۔

۳۔ نادرات "اکبر شاہ"۔

۴۔ غالب "مہر نیم روز" کا مسودہ نقل کرا کے منشی نبی بخش حقیر کو بھیجتے رہتے تھے۔ حقیر نے کچھ

اوراق بانکے لال رند کو بھیج دیے تھے۔ یہ انھی اوراق کا ذکر ہے۔

ص ۱۰۹۸

۱۔ نادرات "صاحبانہ نثر۔"

۲۔ نادرات "آتا۔"

ص ۱۱۰۰

۱۔ غالب نے خط میں صرف ایک غزل بھیجنے کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ نادراتِ غالب میں دو غزلیں نقل ہوئی ہیں۔ اس کے بارے میں مولانا امتیاز علی خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ یہ غزل "اگست ۱۸۵۲ء کے بعد کہی گئی تھی چوں کہ ۸ جنوری ۱۸۵۳ء کے خط میں مرزا صاحب نے انھیں (منشی نبی بخش حقیر) اس شعر کا مطلب سمجھایا ہے اور ظاہر ہے کہ حقیر نے اس غزل کو پاکر ہفتوں بعد مطلب کبھی نہ پوچھا ہوگا، فوراً بعد ہی استفسار کیا ہوگا۔ لہٰذا مذکورہ تاریخ سے کچھ قبل کا ہونا چاہیے۔" (نسخۂ عرشی پہلا اڈیشن، ص ص ۳۶۶) اس کا مطلب ہے کہ یہ غزل کسی اور خط میں نقل ہوئی تھی۔ مسودہ نقل کرنے والے کی غلطی سے اس خط میں شامل ہو گئی۔

۲۔ خط پر تاریخِ تحریر نہیں۔ "کہتے تو ہو تم سب کہ بتِ غالیہ مو آئے" والی غزل "دہلی اردو اخبار" کے ۱۱ مئی ۱۸۵۱ء کے شمارے میں شائع ہوئی ہے۔ اس لیے غالب نے اپریل یا مئی ۱۸۵۱ء میں یہ غزل بھیجی ہوگی۔ اسی سے خط کی تاریخِ تحریر کا تعین کیا گیا ہے۔

۳۔ نادرات "کیا۔"

ص ۱۱۰۱

۱۔ خط پر تاریخِ تحریر نہیں، آفاق حسین آفاق نے یہ تاریخ متعین کی ہے۔

۲۔ یعنی بہادر شاہ ظفر

۳۔ نادرات "کر" بجائے "تیل"

ص ۱۱۰۲

۱۔ "نادرات" میں "زین" سے قبل ایک اور لفظ ہے "ملا" بہ ظاہر یہ سہوِ کاتب ہے۔

۲۔ خط پر تاریخِ تحریر نہیں۔ آفاق حسین خاں آفاق نے اس تاریخ کا تعین کیا ہے۔

۳۔ نادرات میں یہ قرأت "باہر ایک" ہے۔ جو بہ ظاہر سہوِ کاتب ہے۔ غالباً یہ قرأت "باترس" ہے۔ کیوں کہ اس خط میں آگے باترس کا ذکر آیا ہے۔

ص ۱۱۰۳

۱۔ اس خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ غالب نے خط میں لکھا ہے کہ "بہ سبب عید کے قصیدے کے فکر کے، مجھ کو فرصتِ تحریر نہیں ملی" منشی نبی بخش حقیر کے نام ۴ اگست ۱۸۵۱ء کے خط میں لکھا ہے۔ "قصیدے کی فکر میں سرگراں تھا، بارے عید ہو چکی، قصیدہ پڑھ چکا۔ اب جواب آپ کے خط کا لکھا۔" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب نے یہ خط جولائی ۱۸۵۱ء میں لکھا ہے۔ ۱۸۵۱ء میں عید ۳۰ جولائی کی تھی۔

۲۔ اس قصیدے کا مطلع ہے۔

گفتم حدیثِ دوستاں بقراں برابر است
نازم بہ کفرِ خود کہ بایماں برابر است

اگلے خط میں غالب نے اس قصیدے کے کچھ اشعار کی شرح بیان کی ہے۔

ص ۱۱۰۴

۱۔ تقویم کی رو سے ۴ اگست ۱۸۵۱ء کو "دوشنبہ تھا۔

ص ۱۱۰۵

۱۔ نادرات "و"۔

۲۔ نادرات "منزل"۔

ص ۱۱۰۷

۱۔ نادرات "سال"۔

۲۔ غالب نے تاریخ تحریر میں سنہ نہیں لکھا۔ اس خط میں "مہرِ نیم روز" کا ذکر کرتے ہوئے غالب نے لکھا ہے کہ صرف ہمایوں کا حال لکھ چکا ہوں۔ اکبر بادشاہ کا احوال شروع بھی نہیں ہوا۔" یہی بات غالب نے حقیر کے نام ۲۸ مارچ ۱۸۵۱ء کے خط میں بھی لکھی ہے۔ اس لیے اس خط کا سنہ تحریر ۱۸۵۱ء ہی قرار پائے گا۔

ص ۱۱۰۸

۱۔ خط پر تاریخِ تحریر نہیں۔ یہ تحریر آفاق حسین آفاق نے متعین کی ہے۔

ص ۱۱۱۰

۱۔ نادرات "اختیا"۔

ص ۱۱۱۲

۱۔ خط پر تاریخِ تحریر نہیں۔ غالب نے خط میں لکھا ہے کہ "کل پنجشنبہ تھا، ۲۹ رجب اور ۲۰ مئی کی"۔ غالب نے مومن خاں مومن کے انتقال کا ذکر کیا ہے۔ مومن کی وفات ۱۸۵۲ء میں ہوئی تھی۔ اسی لیے یہ ۲۱ مئی ۱۸۵۲ء کو لکھا گیا۔

۲۔ نادرات "ہرزہ گوش"۔

۳۔ نادرات "لے"۔

ص ۱۱۱۳

۱۔ صاحب سے مراد ہے صاحبِ عالم مرزا نورالدین بہادر۔

ص ۱۱۱۵

۱۔ خط میں تاریخِ تحریر نہیں۔ خط میں غالب نے اپنی جو غزل نقل کی ہے وہ "دہلی اردو اخبار" کے ۲۸ اگست ۱۸۵۲ء کے شمارے میں اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی تھی: "اس ہفتے میں جو مشاعرہ جناب مرزا نورالدین بہادر دام اقبالہ المتخلص بہ شاہی، بنیرۂ جناب مرزا سلیمان شکوہ بہادر مرحوم نے کیا، جو کہ لکھنؤ سے تشریف لائے ہیں۔ غزل ہائے شاعرانِ کثیر پڑھی گئیں اور شاہزادہ والا تبار اکثر رونق افروزِ محفلِ مشاعرہ تھے۔ ایک غزل مرزائے ممدوح یعنی میرِ مشاعرہ اور غزل جناب نجم الدولہ محمد اسد اللہ خاں بہادر المتخلص بہ غالب کی، راقم اخبار کے پاس پہنچی۔ سو درجِ اخبار ہوئی (نسخۂ عرشی، پہلا اڈیشن، ص ۳۴۷) اس کا مطلب ہے کہ غالب نے یہ خط اگست کے آخر یا دسمبر کے شروع میں لکھا ہوگا۔

ص ۱۱۱۶

۱۔ نادرات "کہ"۔

ص ۱۱۱۷

۱۔ غالبؔ نے اپنے اس اردو شعر کی شرح کی ہے:

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بِن آئے نہ رہے
تم کو چاہوں، کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

۲۔ غالبؔ نے اپنا اردو دیوان ڈاک کے ذریعے جانی بانکے لال رندؔ کو بھیجا تھا۔ رندؔ نے ہردیو سنگھ نامی ایک شخص کے توسط سے اپنا اور غالبؔ کا دیوان مہاراجا جے پور کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اس دیوان پر مہاراجائے غالبؔ کو پانچ سو روپے دیے تھے، ملاحظہ ہو: خط بنام مرزا تفتہؔ مورخہ ۶ اپریل ۱۸۵۳ء

ص ۱۱۱۹

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں، ۸ جنوری ۱۸۵۳ء کے خط میں غالبؔ نے حقیرؔ کو لکھا تھا کہ: حکیم نسیم اللہ صاحب کی روانگی میں پانچ چھ روز ہیں"۔ اس خط میں غالبؔ نے لکھا ہے کہ: "حکیم نسیم اللہ خاں روانہ ہو گئے تھے"۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط جنوری ۱۸۵۳ء میں لکھا گیا ہو گا۔

ص ۱۱۲۰

۱۔ نادرات میں یہ سنہ ۱۸۵۲ء ہے، لیکن کاظم علی خاں نے خطوطِ غالبؔ کا تحقیقی مطالعہ" (ص ۴۸۶) میں صحیح توجہ دلائی ہے کہ یہ ۱۸۵۳ء ہونا چاہیے۔ ان کے دلائل ہیں کہ غالبؔ نے تاریخِ تحریر میں "چار شنبہ" کا دن لکھا ہے۔ ۹ مارچ ۱۸۵۲ء کو "چار شنبہ" نہیں، "سہ شنبہ" تھا، جب کہ ۱۸۵۳ء میں اسی تاریخ کو "چار شنبہ" تھا۔ ۹ مارچ ۱۸۵۳ء اور ۷ مارچ ۱۸۵۳ء کے خطوط میں کئی مطالب میں مماثلت ہے۔ مثلاً حکیم امام الدین اور حکیم احسن اللہ خاں کا ذکر اعضا میں درد اور مسہل کا ذکر اور ذکیہ بیگم کے قرآن شریف پڑھنے کا ذکر۔

ص ۱۱۲۲

۱۔ نادرات "سہیں"۔

ص ۔ ۱۱۲۳

۱۔ نادرات میں تاریخ تحریر میں "شنبہ" ہے جب کہ تقویم کی رو سے یہ دوشنبے کا دن ہے۔

ص ۱۱۲۵

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ آفاق حسین آفاق نے ۱۰ اپریل تا ۲۳ اپریل ۱۸۵۳ء متعین کی ہے اور کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ یہ غزل دہلی اردو اخبار کے ۲۴ اپریل ۱۸۵۳ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی (غالب اور شانِ تیموریہ ص ۷۰) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط اپریل ۱۸۵۳ء میں لکھا گیا ہوگا۔ ۱۰ اپریل ۱۸۵۳ء اور ۲۳ اپریل ۱۸۵۳ء کے غالب کے حقیر کے نام خطوط موجود ہیں۔ ۲۳ اپریل کے خط میں غالب کے اس خط میں نقل کیے گئے ایک فارسی شعر کی شرح کی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ زیرِ نظر خط ۲۳ اپریل سے قبل اور ۱۰ اپریل کے بعد لکھا گیا ہے۔ آفاق حسین آفاق کی بھی غالباً یہی دلیل ہے۔

ص ۱۱۲۸

۱۔ نادرات "و" ندارد۔

ص ۱۱۲۹

۱۔ رسوم سرکاری سے مراد انکم ٹیکس ہے۔

۲۔ نادرات "یعنی"۔

ص ۱۱۳۱

۱۔ نادرات "نہ ندارد۔

۲۔ نادرات "ہو سانہ"۔

۳۔ غالب نے تاریخ تحریر میں ہجری سنہ نہیں لکھا۔

ص ۱۱۳۲

۱۔ اسپیئر نے بہادر شاہ ظفر کی اس بیماری کے بارے میں لکھا ہے "۱۸۵۳ء میں ان (بادشاہ) پر انتڑیوں کی بیماری کا حملہ ہوا اور وہ ابھی پوری طرح شفایاب نہیں ہونے پائے تھے کہ کثرتِ عیاشی نے انھیں موت کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا۔" (انگریزی سے ترجمہ)

ص ۱۱۳۴

۱۔ تقویم کی رو سے ۳ ستمبر ۱۸۵۳ء کو "شنبہ" ہے۔

۲۔ نادرات میں یہاں کچھ الفاظ سہواً حذف ہو گئے ہیں۔

ص ۱۱۳۵

۱۔ نادرات "طرز روش" اسے "طرز و روش" ہونا چاہیے۔ یہ قیاسی تصحیح مالک رام نے کی ہے۔

۲۔ نادرات "موجو"۔

ص ۱۱۳۸

۱۔ نادرات "رہی"۔

۲ اور ۳۔ اس مثنوی اور اعلام نامہ کا پس منظر یہ ہے کہ آخری عمر میں بہادر شاہ ظفر کا شیعت کی طرف رجحان ہو گیا تھا، "دہلی اردو اخبار" کی ۹ اکتوبر ۱۸۵۳ء کی اشاعت میں خبر دی گئی ہے کہ: "اور جمعرات کو علم، جو حضور والا ظفر نے تیار کروایا ہے، اور وہ بہت خوبصورت بن کر آیا ہے۔ حضورِ والا نے کمالِ آداب و قرینے سے اپنے سرِ مبارک پر رکھا اور صاحب عالم مرزا نورالدین بہادر کو وہ علم سپرد کر کے بہ سبیلِ ڈاک لکھنؤ کو رخصت کیا۔ ہر چند علم مبارک کے بنانے پر اکثر آلِ تیمور مغفور مانع بھی رہے، مگر حضور نے کسی کی بھی نہیں سنی اور جو ذہنِ مبارک میں آیا، وہی کیا۔ آلِ تیمور کی مخالفت تو برداشت کی جا سکتی تھی، لیکن انگریزوں نے بھی بہادر شاہ کے اس اقدام کو ناپسند کیا۔ کیوں کہ اُن کا غالباً یہ خیال تھا کہ شیعت اختیار کرنا ظفر کی سیاسی چال ہے۔ ظفر اودھ اور ایران سے قریب آنا چاہتے ہیں۔ بعد میں ایک اعلامیہ اور ایک مثنوی کے ذریعے ظفر نے شیعی عقیدہ اختیار کرنے کی تردید کی اور غالباً ایسا برطانوی حکومت کی ہدایت پر کیا۔ اس مثنوی کے بارے میں گمانِ غالب ہے کہ اس کے مصنف غالب تھے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: غالب اور شاہانِ تیموریہ، ص ص ۵۰۔ ۳۷)

۴۔ نادرات "انوارالدولہ"۔

ص ۱۱۴۲

۱۔ نادرات "بکتے۔"

ص ۱۱۴۳

۱۔ نادرات میں تاریخ تحریر جمعہ ۴ جون ۱۸۵۴ء ہے۔ ۴ جون کو تقویم کی رو سے "یکشنبہ" ہے۔

ص ۱۱۴۴

۱۔ نادرات "ہے" ندارد۔

ص ۱۱۴۵

۱۔ تاریخ تحریر میں صرف دن اور ہجری مہینا لکھا گیا ہے۔ خط کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۹ جون ۱۸۵۴ء ہے۔

ص ۱۱۴۶

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ غالب نے خط میں اردو کی ایک غزل نقل کر کے اس کے بارے میں لکھا ہے: "دریا مرے آگے"، "صحرا مرے آگے" اس پر بھی ایک سال گزر چکا ہے قلعۂ مبارک کے مشاعرے کی غزل ہے۔ "دہلی اردو اخبار" کے ۲۳ مئی ۱۸۵۳ء کے شمارے میں یہ غزل چھپی تھی۔ اس غزل کو ایک مئی ۱۸۵۴ء میں ایک سال ہوا۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ زیر بحث خط مئی یا جون ۱۸۵۴ء میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۱۴۹

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ خط میں رسالدار کی بیوی کا ذکر ہے۔ غالب نے اسی انداز میں رسالدار کی بیوی کا ذکر ۱۹ جون ۱۸۵۴ء کے خط میں کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ خط ۱۸۵۴ء میں لکھا گیا۔ اس خط میں غالب نے عید کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس سال ۲۷ جون کو عید تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیر نظر خط جولائی ۱۸۵۴ء میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۱۵۸

۱۔ نادرات "نہ" ندارد۔

ص ۱۱۵۹

۱۔ غالب نے تاریخ تحریر میں ہجری سنہ نہیں لکھا۔

ص ۱۱۶۰

۱۔ نادرات "ل"

۲۔ تاریخِ تحریر میں غالب نے ہجری اور عیسوی سنین نہیں لکھے۔

ص ۱۱۶۱

۱۔ نادرات "پچلے"۔ مالک رام صاحب نے اس قرأت کو "کرے" کر دیا ہے۔ مجھے اُن سے اتفاق ہے۔

ص ۱۱۶۳

۱۔ منشی نبی بخش حقیر کے صاحبزادے منشی عبداللطیف کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ غالب نے حقیر کے نام خط (مورخہ ۶ اکتوبر ۱۸۵۴ء) میں مرحومہ کی تعزیت کی ہے۔ عبدالسلام اور کلثوم دونوں عبداللطیف کے بچے تھے۔ حقیر اور اُن کے گھر والے عبداللطیف کی دوسری شادی کرنا چاہتے تھے۔ غالب کو یہ پسند نہیں تھا، مگر یہ شادی ہوئی، جس کی مبارک باد غالب نے حقیر کے نام ۵ جولائی ۱۸۵۵ء کے خط میں دی ہے۔

۲۔ غالب نے تاریخِ تحریر میں عیسوی اور ہجری تاریخیں تو لکھی ہیں لیکن سنین نہیں لکھے۔

ص ۱۱۶۴

۱۔ غالب نے تاریخِ تحریر میں ۲۳ جون کو "جمعہ" لکھا ہے جب کہ تقویم کی رو سے "جمعہ" ۲۲ جون کو تھا۔ غالب نے تاریخِ تحریر میں ہجری سنہ نہیں لکھا۔

ص ۱۱۶۶

۱۔ نادرات "میں" ندارد۔

ص ۱۱۷۰

۱۔ نادرات "لیے" ندارد۔

ص ۱۱۷۱

۱۔ نادرات "اور اوپر"!

۲۔ نادرات "ذکرِ شغل"!

۳۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ خط میں غالب نے منشی عبد اللطیف کے صاحبزادے عبد السلام کی عمر تقریباً چار سال بتائی ہے۔ غالب نے عبد السلام کی ولادت پر منشی عبد اللطیف کے نام خط مورخہ ۱۰ مارچ ۱۸۵۱ء میں دی ہے۔ اس لیے یہ خط ۱۸۵۵ء میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۱۷۲

۱۔ نادرات "رہے۔"

ص ۱۱۷۳

۱۔ نادرات۔ یہاں کوئی لفظ سہواً حذف ہو گیا ہے۔

ص ۱۱۷۴

۱۔ تاریخِ تحریر میں چار شنبہ ۲ ماہ اگست ۱۸۵۶ء چھپا ہے۔ تقویم کی رو سے ۲ اگست کو "شنبہ" ہے۔ میرے خیال سے یہ ۲۰ اگست ہے۔ کاظم علی خاں نے بھی ۲۰ اگست ۱۸۵۶ء کو ترجیح دی ہے۔

ص ۱۱۷۵

۱۔ تاریخِ تحریر میں چار شنبہ ۹ دسمبر ۱۸۵۶ء لکھا گیا ہے۔ تقویم کی رو سے "۹ دسمبر" کو "سہ شنبہ" ہے۔

ص ۱۱۷۶

۱۔ نادرات "بھائی۔"

۲ نادرات "قبول۔"

۳ نادرات۔ "جناب" ندارد۔

۴۔ نادرات "اُن کو" ندارد۔

۵۔ نادرات "یہ" ندارد۔

۶۔ نادرات یا "بجائے" "گویا"

۷۔ نادرات۔ "قبول"۔

ص ۱۱۷۹

۱۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱، "کو" ندارد۔

۲۔ غالب نے پانچ تخلص تجویز کیے تھے جن میں سے نواب یوسف علی خاں کو "ناظم" پسند آیا۔
صاحب نے یکم مارچ ۱۸۵۷ء کے خط میں غالب کو لکھا: "منجملۂ الفاظ تخلص لفظ (ناظم) مطبوع طبع نیاز گشت"۔

۳۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی تحریر فرماتے ہیں کہ: "مرزا صاحب نے ۸ مارچ ۱۸۵۷ء کو ایک عریضہ ارسال کیا تھا جو ۱۱ ماہ مذکور کو رام پور پہنچا۔ مثل میں اس کا صرف لفافہ شامل ہے اور اس کی پشت پر تحریر ہے: "عرضی حسب الحکم چاک نمودہ شد۔ ۱۶ رجب ۱۲۷۳ھ۔

مرزا صاحب نے یکم اپریل ۱۸۵۷ء کو ایک اور عریضہ ارسال کیا تھا جو ۳ اپریل کو رام پور پہنچا۔ مثل میں اس کا بھی صرف لفافہ شامل ہے اور اُس کی پشت پر تحریر ہے۔ "عرضی از دستِ مبارک چاک شد و بندِ غزلیاتِ مرسلہ درحضور ماند۔ ۹ شعبان ۱۲۷۳ھ"۔ (مکاتیبِ غالب، پہلا اڈیشن، ص ص ۹-۸)

۲۳ مارچ ۱۸۵۷ء کے ایک خط میں نواب یوسف علی خاں ناظم نے غالب کو لکھا:
"مشفقا! احسب الاقارم سامی صحیفۂ موصوفہ را بعد استفاضۂ مضمونش چاک نمودہ شد و آیند دربارۂ ہم چو مکاتیب تعمیل ایمائے سامی ملحوظ خواہد ماند"۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ ان خطوط میں غالب نے سیاسی حالات پر اپنی ذاتی رائے کا اظہار کیا ہوگا۔ جنوری ۱۸۵۶ء میں انگریزوں نے واجد علی شاہ کو معزول کر کے ریاست اودھ کا الحاق کر لیا تھا۔ انگریزوں کی اس حرکت پر بیشتر ہندوستانیوں کو غم و غصہ تھا۔ ۲۳ فروری ۱۸۵۷ء کے خط میں غالب نے میر غلام حسنین قدر بلگرامی کو لکھا ہے: "آپ ملاحظہ فرمائیں، ہم اور آپ کس زمانے میں پیدا ہوئے اور کسی کی فیض رسانی اور قدر دانی کو کیا روئیں، اپنی تکمیل ہی کی فرصت نہیں۔ تباہیِ ریاست اودھ نے با آں کہ بیگانۂ محض ہوں، مجھ کو اور بھی افسردہ دل کر دیا۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ سخت ناانصاف ہوں گے وہ اہلِ ہند جو افسردہ دل نہ ہوئے ہوں گے۔ اللہ ہی اللہ ہے"۔
اس لیے میرا قیاس ہے کہ غالب نے نواب رام پور کے زیر بحث دونوں خطوں میں بھی اودھ کی ریاست کے الحاق پر غم و غصہ کا اظہار کیا ہوگا۔

ص ۱۸۰۔

۱۔ غالب نے صرف ہجری تاریخ لکھی ہے۔

۲۔ غالب اپنے اس اردو دیوان کا ذکر کر رہے ہیں جو انھوں نے نواب رام پور کو بھیجا تھا۔ اس دیوان کے بارے میں عرشی صاحب لکھتے ہیں: "مرزا صاحب کے دیوانِ اردو کا یہ نسخہ کتب خانے (رضا لائبریری، رام پور) میں موجود ہے۔ سائز $11\frac{1}{2} \times 7\frac{3}{4}$ اوراق ۳۰، اور فی صفحہ ۱۵ سطریں۔ خط صاف اور روشن نستعلیق اور ابتدائی دو صفحے طلا کار ہیں۔ ہر غزل کے خاتمے پر رنگین بیل بوٹے ہیں اور تمام صفحات کی جدولیں رنگ آمیز ہیں۔ آخر میں نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیر کی تقریظ ہے۔" مکاتیبِ غالب پہلا اڈیشن، ص ۱۰ (متن حاشیہ)۔
اب تک غالب کے دیوانِ اردو کے جتنے اڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ وہ یا تو براہِ راست اس نسخے سے نقل کیے گئے ہیں یا نقل در نقل ہیں۔

۳۔ اصل خط "کے" ندارد۔ مکاتیب کے پہلے ایڈیشن میں متن میں "کے" نہیں ہے لیکن حاشیے میں لکھا ہے "یہاں لفظ "کے" ساقط معلوم ہوتا ہے۔ مکاتیب کے چھٹے اڈیشن میں متن میں "کے" کو قوسین میں دے دیا گیا ہے۔

ص ۱۱۸۱

۱۔ خط پر تاریخ تحریر صرف "پنجم ذی الحجہ" ہے۔ عرشی صاحب نے یہ خط اس طرح مرتب کیا ہے کہ یہ ۱۲۷۳ھ قرار پاتا ہے، جس کا مطلب ہے کہ یہ خط ۲۷ جولائی ۱۸۵۷ء کو لکھا گیا۔

۲۔ کتاب سے مراد "دستنبو" ہے۔

۳۔ غالب کو یقین تھا کہ وہ انگریزوں کی نظر میں بے گناہ ہیں۔ ۱۲ مارچ ۱۸۵۸ء کو انھوں نے مرزا تفتہ کو لکھا: "بہر حال یہ خدا کا شکر ہے کہ بادشاہی دفتر سے میرا کچھ شمول، فساد میں پایا نہیں گیا اور میں حکام کے نزدیک یہاں تک پاک ہوں کہ پنشن کی کیفیت طلب ہوئی ہے۔" لیکن کچھ ہی دن بعد اُن کی غلط فہمی دور ہو گئی۔ اُن پر ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران بہادر شاہ ظفر کا سکہ کہنے کا سنگین الزام تھا۔ اس الزام کے بارے میں غالب نے ۱۸ جون ۱۸۵۹ء کے خط میں حسین مرزا کو لکھا: "بھاگا نہیں، پکڑا نہیں گیا۔ دفتر قلعے سے کوئی میرا کاغذ نہیں نکلا۔ کسی طرح کی بے حیائی اور نمک حرامی کا دھبا مجھ کو نہیں لگا۔ یہاں ایک اخبار جو گوری شنکر یا گوری دیال یا کوئی اور غدر کے دنوں میں بھیجتا تھا اس میں ایک خبر اخبار نویس نے یہ بھی

لکھی کہ فلانی تاریخ اسد اللہ خاں غالب نے یہ سکہ کہہ کر گزرانا۔

بہ زر زد سکۂ کشور ستانی

سراج الدین بہادر شاہِ ثانی

مجھ سے عند الملاقات صاحب کمشنر نے پوچھا کہ یہ کیا لکھتا ہے ؟ میں نے کہا کہ غلط لکھتا ہے۔ بادشاہ شاعر، بادشاہ کے بیٹے شاعر، بادشاہ کے نوکر شاعر، خدا جانے کس نے کہا۔ اخبار نویس نے میرا نام لکھ دیا۔ اگر میں نے کہہ کر گزرانا ہوتا تو دفتر سے وہ کاغذ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا نکلتا۔" تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: غالب اور شانِ تیموریہ، ص ص ۱۱۶-۱۰۵۔

۴۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱ "دیکھئے"۔

۵۔ ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت تھی۔ پہلی نومبر ۱۸۵۸ء کو کمپنی کو برخواست کرکے کوئین وکٹوریہ نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس سلسلے میں جو اعلان کیا گیا تھا وہ "شاہی میگنا چارٹا مرقومہ یکم نومبر ۱۸۵۸ء" کے عنوان سے واقعاتِ دار الحکومت (جلد اول، ص ص ۱۴۱-۳۸۷) میں نقل ہوا ہے۔ اعلان نامے کی ابتدا میں کہا گیا ہے کہ ممالکِ ہندوستان کی حکومت جو اب تک ہماری طرف سے امانتاً زیرِ اختیار دی آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے تھی، اپنے قبضۂ تسلط میں لینے کا مصمم ارادہ کیا ہے، اس واسطے اب بذریعۂ اعلانِ ہذا مشتہر و اظہار کیا جاتا ہے کہ بہ صلاح و رضامندی مذکورۃ الصدر ممالکِ مذکورہ کی عنانِ حکومت ہم نے اپنے دستِ قدرت میں لے لی ہے۔"

ص ۱۱۸۲

۱۔ اس درخواست کے جواب میں نواب یوسف علی خاں ناظم نے ڈھائی سو روپے کی ہنڈوی بھیجی تھی، جس کی وصول یابی کی اطلاع غالب نے ۳ دسمبر ۱۸۵۸ء کے خط میں دی ہے۔

۲۔ نواب یوسف علی خاں نے ۲۵ نومبر ۱۸۵۸ء کو غالب کے نام ایک خط میں لکھا تھا: "مشفقا! جو کہ مخلص کو اشتیاقِ حصولِ معانقہ اور مکالمہ آپ کا بہ درجۂ کمال ہے اور اب تشریف آوری آپ کی اس جگہ مناسب ہے۔ اس واسطے حوالۂ خامۂ محبت نگار کے ہوتا ہے کہ آپ

دیدارِ فائض الانوار اپنے سے مخلص کو مسرور فرمایئے (مکاتیبِ غالب اڈیشن ۶، حواشی ص ۱۲۸)

ص ۱۱۸۳

۱۔ نواب مرزا سے مراد مرزا داغ ہے۔

۲۔ بہ قول مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم: جنابِ عالیہ" نواب فردوس مکاں (نواب یوسف علی خاں کی والدہ محترمہ فتح النسا بیگم کا لقب تھا۔

۳۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶، "آئی"

۴۔ غالب نے تاریخِ تحریر میں سنہ نہیں لکھا۔ یہ سنہ ۱۲۷۵ھ اور سنہ ۱۸۵۹ء ہے، کیوں کہ اس خط میں نواب یوسف علی خاں ناظم کی والدہ کے انتقال کا ذکر ہے۔ ان کا انتقال سنہ ۱۸۵۹ء میں ہوا تھا۔ غالب نے اگلے خط میں مرحومہ کی وفات پر قطعۂ تاریخ بھی لکھا ہے۔ مکاتیبِ غالب کے پہلے اڈیشن میں "۲۸ مارچ" درج ہے۔ مولوی مہیش نے بھی یہی تاریخ درج کی ہے۔ لیکن مرقعِ غالب میں شامل اس خط کے عکس میں مکاتیبِ غالب کے چھٹے اڈیشن میں یہ تاریخ ۲۷ مارچ ہے جو درست ہے کیوں کہ تقویم کی رو سے یکشنبہ ۲۱ شعبان اور ۲۷ مارچ ہی کو تھا۔

ص ۱۱۸۴

۱۔ غالب نے تاریخِ تحریر میں سنین نہیں لکھے۔ عرشی صاحب نے لکھا ہے کہ اس خط کے لفافے پر ۱۷ اپریل سنہ ۱۸۵۹ء درج ہے۔ (مکاتیبِ غالب اڈیشن ۶، حواشی ص ۱۳۰)

ص ۱۱۸۵

۱۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱، "لارڈ"

۲۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱، "میری" مکاتیبِ غالب کے چھٹے اڈیشن میں یہ قرأت "میرے" ہی ہے۔

۳۔ خط کے جواب میں نواب یوسف علی خاں ناظم نے اس قطعۂ تاریخ کی تعریف کرتے ہوئے غالب کو لکھا: "سبحان اللہ! کیا عمدہ تاریخ آپ نے تصنیف فرمائی ہے کہ الفاظ

جامع مختصر ہیں اور تعمیہ بہ طرزِ نادر اور بے تکلف ہے۔ مکاتیبِ غالب اڈیشن ۶، حواشی ص ۱۳۰)

ص ۱۱۸۶

۱۔ بہ قول عرشی صاحب" نواب صاحب کا یہ سفر ملکۂ معظمہ وکٹوریا کے دستِ مبارک سے صلۂ خدماتِ غدر پانے کے سلسلے میں ہونے والا تھا، لیکن بعد ازاں کسی وجہ سے سفر ملتوی ہوگیا اور گورنر جنرل کے دربار فتح گڑھ میں خلعت وغیرہ عطا ہوا۔" اس خط کا جواب دیتے ہوئے نواب صاحب نے ۷ ستمبر ۱۸۵۹ء کے خط میں غالب کو لکھا: "مشفقا جو آپ نے نسبت عزیمت مخلص کے بہ سمت انگلستان استفسار فرمایا ہے۔ حال یہ ہے کہ فی الحقیقت ارادہ مخلص کا جانے انگلستان کو مصمم ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی زمانہ جانے کا مقرر نہیں ہوا ہے۔ اس واسطے حوالہ خامۂ اتحاد نگار کے ہوتا ہے کہ جس وقت زمانہ جانے ولایت کا قرار پاوے گا' آپ کو پیشتر سے اس خصوص میں اطلاع دہی عمل میں آوے گی۔" (مکاتیبِ غالب' اڈیشن ۱، متن ص ۲۱)

۲۔ بہ قول عرشی صاحب اس خط کا وہ حصہ پھٹا ہوا ہے، جس پر تاریخِ تحریر لکھی ہوئی تھی۔ لفافے پر البتہ تاریخِ تحریر موجود ہے، یہ تاریخ لفافے ہی سے نقل کی گئی ہے۔

ص ۱۱۸۷

۱۔ تقویم کی رو سے ۷ نومبر ۱۸۵۹ء کو "دوشنبہ" ہے۔

۲۔ نواب یوسف علی خاں ناظم نے ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران انگریزوں کی فوج کی مدد کی اور بہت سے انگریزوں کی جانیں بچائیں۔ اس خدمت کے صلے میں انھیں بیس ہزار روپے کی قیمت کا خلعت و "فرزندِ دلپذیر" کا خطاب ملے۔ سلامی کے فیر گیارہ کے بجائے تیرہ مقررہ ہوئے، ان کے علاوہ پرگنہ کاشی پور ضلع مراد آباد، جس کی جمع ایک لاکھ چو چار ہزار چار سو روپے سالانہ تھی معافی میں بخشا گیا۔ (اخبار الصنادید، جلد ۲، ص ص ۱۱۰-۹۷)

۳۔ نواب کلب علی خاں سے مراد ہے۔

ص ۱۱۸۸

۱۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱ "کی ______"۔

۲۔ نواب صاحب نے غالب کی اس درخواست کے جواب میں دو سو روپے کی ہنڈوی بھیجی اور خط میں غالب کو لکھا: ہنڈوی مبلغ دو سو روپے کی سوائے مشاہرۂ معینہ معطوف رقیمۃ الوداد ہذا کے مرسل ہے"۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱، (متن) ص ۲۵

۳۔ خط کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے یہ خط دہلی سے نہیں بلکہ کسی اور مقام سے لکھا ہے۔ عرشی صاحب تحریر فرماتے ہیں: "لفافے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے دورانِ قیامِ رام پور میں یہ عریضہ لکھ کر فتح محمد خاں صاحب کے توسط سے کیمپ میں پیش کیا تھا۔ مقام کا نام لفافے پر درج نہیں لیکن جوابی فرمان کے مسودے میں "از مقام ٹھمریا" تحریر ہے۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶، (حواشی) ص ۱۳۵۔

ص ۱۱۸۹

۱۔ غالب نے "پچھتر، پچیس اور دس" حسابی رقوم میں بھی لکھے ہیں۔ اگلے خطوں میں بارہا حسابی رقوم بھی لکھی گئی ہیں، جن کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

۲۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱، "واقعہ"۔

۳۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱، "پوری"۔

۴۔ انگریزی سرکار سے ساڑھے سات سو روپے سالانہ غالب کو اور ساڑھے سات سو روپے سالانہ اُن کے بھائی مرزا یوسف کو ملتے تھے۔ مرزا یوسف جنون کی حالت میں گھر سے نکل کر گلی میں ٹہلنے لگے، کسی انگریز نے گولی سے مار دیا۔ اس واقعے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو غالب اور شانِ تیموریہ، ص ۱۰۲ میرا خیال ہے کہ غالب نے مرزا یوسف اور اُن کی صاحبزادی کے لیے پنشن کی کوشش کی ہوگی۔

۵۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱، "کی"۔

۶۔ عرشی صاحب کا خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے ۱۲ تاریخ کو خط لکھا تھا لیکن سہواً ۲۲ تاریخ لکھ دی۔ عرشی صاحب کی دلیل یہ ہے کہ نواب صاحب نے ۲۰ اپریل کو غالب کو اس خط کا جواب بھیجا ہے جو رضا لائبریری میں محفوظ ہے۔ "مرقعِ غالب" میں اس خط کا عکس شائع ہوا ہے۔ تاریخ تحریر میں ۱۸۶۶ء کے بجائے ۱۸۶۵ء ہے۔ غالباً فوٹو میں اس سنہ کا صفر اُڑ گیا اور

پرتھوی چند مرحوم نے قیاساً "۵" لکھ دیا۔ اس طرح ۱۸۶۶ء کو ۱۸۶۵ء بنا دیا گیا۔

۷۔ مکاتیبِ غالب کے پہلے اڈیشن میں یہ خط شامل نہیں ہے۔ چھٹے اڈیشن میں یہ خط موجود ہے اور مولانا عرشی نے اس کے بارے میں لکھا ہے: "یہ خط بعد میں خرید اگیا ہے۔"

۸۔ بہ قول عرشی صاحب اصل خط میں یہ قرأت "کے" ہے۔

ص ۱۱۹۳

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ بہ قول عرشی صاحب: "یہ خط جو بعد میں خرید اگیا ہے اصل مکتوب کی بغیر تاریخ کی نقل ہے۔ اس لیے تاریخِ تحریر کا صحیح علم نہیں ہو سکا۔ البتہ اس میں بریلی کا علاقہ ملنے کا ذکر ہے، جو اپریل ۱۸۶۰ء میں فردوس مکاں کو ملا تھا۔ اس لیے قیاس یہ ہے کہ سرکار کے مکتوب مورخہ ۲۰ اپریل ۱۸۶۰ء کے جواب میں مرزا صاحب نے اپریل یا مئی ۱۸۶۰ء کی کسی تاریخ کو لکھا ہوگا۔ مکاتیبِ غالب اڈیشن ۶، (حواشی) ص ۱۳۶۔

۲۔ غالب نے اپنے کلیاتِ فارسی کا یہ نسخہ نواب یوسف علی خاں ناظم کو تحفتہً بھیجا تھا۔ یہ نسخہ اب بھی رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔ غالب نے نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں کے نام ایک خط میں کلیات کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب نے نواب فخر الدین خاں سے کلیات لکھوا کر نواب یوسف علی خاں ناظم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں کے نام غالب کے خط کے لیے ملاحظہ ہو: غالب کے خطوط جلد ۲، ص ص ۸۲۶۔ ۸۲۵

ص ۱۱۹۴

۱۔ تقویم کی رو سے ۷ اپریل کو "دوشنبہ" ہے۔

۲۔ نواب یوسف علی خاں ناظم کے صاحبزادے سید حیدر علی خاں کی شادی نواب سید احمد علی خاں کی صاحبزادی تاجدار بیگم سے ۲۷ جولائی ۱۸۶۱ء کو ہوئی تھی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الصنادید، جلد ۲، ص ص ۱۱۷۔ ۱۱۶) اس موقع پر نواب صاحب نے غالب کو شادی میں شرکت کی دعوت دی تھی، مگر غالب رام پور نہیں جا سکے۔ غالب نے نواب علاء الدین احمد خاں کے نام ایک خط مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۸۶۱ء میں اس دعوت اور شرکت سے اپنی معذوری کا

کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: "والیِ رام پور نے بھی تو مرشدزادے کی شادی میں بلایا تھا، یہی لکھا گیا کہ میں اب معدوم محض ہوں۔ تمہارا اقبال تمہارے کلام کو اصلاح دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر مجھ سے خدمت نہ چاہو۔" غالب نے اس پر مبارکباد کے دو قطعے کہے تھے ایک قطعہ سات اشعار کا اور دوسرا اکیس اشعار کا۔ یہ دونوں قطعے اُن کے کلیاتِ فارسی میں شامل ہیں۔ پہلے قطعے کا مطلع ہے:

دیده ور یوسف علی خاں کر فراغِ رای او
مہرِ تاباں بر دقسط فیض و من ہم یافتم

دوسرے قطعے کا مطلع ملاحظہ ہو:

بہار ہند کہ نامند برشگال آں را
پس از دو سال بر اہلِ جہاں مبارک باد

۳۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶، "اور"۔

۴۔ غالب نے صرف ہجری تاریخ لکھی ہے۔

۵۔ مکاتیبِ غالب اڈیشن ۱، اور اڈیشن ۶ "نے" ندارد۔

ص ۱۱۹۵

۱۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶، "دونو"۔

ص ۱۱۹۶

۱۔ مرقعِ غالب "زیادہ" ندارد۔

۲۔ مرقعِ غالب "۱۸۶۰ء" بجائے "۱۸۶۱ء"۔

۳۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶، ۱۸۶۱ء۔

ص ۱۱۹۷

۱۔ بہ قول عرشی صاحب اس خط کے لفافے پر یوم جمعہ "۱۰ اکتوبر ۱۸۶۲ء" لکھا ہوا ہے۔

۲۔ لفٹنٹ گورنر بہادر سے مراد سر رابرٹ منٹگمری ہے۔

۳۔ گورنر جنرل بہادر سے مراد لارڈ الگن بہادر ہے۔

ص

۱۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "نے"۔

۲۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "۸-۱۲"۔

۳۔ تیس شعر کا یہ قصیدہ غالب نے سرجان لارنس کی مدح میں ترجیع بند کی صورت میں لکھا تھا۔ قصیدے کا مطلع ہے:

ورودِ سرورِ سلطان نشاں مبارک باد
بہ شہر مقدمِ نوشیرواں مبارک باد

ملاحظہ ہو سبد چیں، مرتبہ سید وزیر الحسن عابدی، ص ص ۵۳-۴۹۔

۴۔ سرجان لارنس سے مراد ہے۔

۵۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "ناگا"۔

ص

۱۔ مرقع غالب "و" ندارد

۲۔ مرقع غالب میں اس خط کا جو عکس شائع ہوا ہے، اُس میں تاریخِ تحریر نہیں ہے۔ غالباً فوٹو بنانے میں تاریخ رہ گئی۔

۳۔ "مرقع غالب" میں اس خط کے عکس میں "سہ" چھپنے سے رہ گیا ہے۔

ص

۱۔ بہ قول عرشی صاحب "نواب فردوس مکاں اس سال عارضۂ سرطان میں مبتلا ہو کر مسلسل ۶ ماہ تک علیل رہے۔" (مکاتیبِ غالب اڈیشن ۱، ص ۴۱)

ص

۱۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱، [مہر: غالب ۱۲۷۸] ندارد۔

ص

۱۔ بہ قول عرشی صاحب اشعارِ مذکور کے متعلق عریضے کے لفافے پر نوٹ ہے: "حسب الحکم تاریخ نزد مولوی امیر احمد صاحب فرستادہ شد۔ یکم دسمبر ۱۸۶۴ء" مولوی امیر احمد سے مراد امیر مینائی

ہے۔ امیرؔ نے اپنے تذکرے "انتخاب یادگار" میں غالبؔ کے ترجمے کے ساتھ اُن کے اردو اور فارسی کلام کا انتخاب دیا ہے۔ انتخاب میں تہنیت کے چھے شعر کا ایک قطعہ بھی شامل ہے۔ امیرؔ نے اس قطعے کا عنوان دیا ہے: "تہنیت غسلِ صحت جناب نواب فردوس مکان طاب ثراہ." قطعے کا پہلا شعر ہے:

دائم شنیدہ کہ در اقصائے مغربست
سرچشمۂ کہ خضر شد از وے بقا پذیر

(انتخابِ یادگار، ص ۲۵۰)

غالبؔ نے سات اشعار بھیجے تھے۔ امیر مینائی نے ایک شعر قلم زد کر دیا

ص ۱۲۰۳

۱۔ غالبؔ نے عیسوی تاریخ صرف "دسمبر ۱۸۶۴ء" لکھی ہے۔

۲۔ مکاتیبِ غالبؔ، اڈیشن ۱، "ایک" بجائے "یک"۔

ص ۱۲۰۴

۱۔ یہ خط مکاتیبِ غالبؔ کے پہلے اڈیشن میں شامل نہیں ہے۔ البتہ چھٹے اڈیشن میں موجود ہے۔

ص ۱۲۰۶

۱۔ ۲۱ اپریل ۱۸۶۵ء کو نواب یوسف علی خاں کا انتقال ہو گیا۔ غالبؔ نے جب یہ خبر سنی تو نواب کلب علی خاں کو خط لکھا، جس میں نواب یوسف علی خاں کی وفات پر تعزیت اور نواب کلب علی خاں کو مسند نشین ہونے پر مبارک باد لکھی۔ غالبؔ نے اس خط کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہؔ کے نام خط ۱۴ مئی ۱۸۶۵ء میں کیا ہے۔ یہ خط بہ قول عرشیؔ صاحب مثل میں موجود نہیں ہے۔

۲۔ قصیدۂ تہنیت بھی مثل میں موجود نہیں ہے۔ ۳۳ اشعار کا یہ قصیدہ غالبؔ نے ۷ جولائی ۱۸۶۵ء کو خواجہ غلام غوث خاں بے خبرؔ کو بھیجا تھا، ان کے نام کے خط کے ساتھ یہ قصیدہ چھپ چکا ہے۔ (غالبؔ کے خطوط، جلد ۲، ص ص ۶۶۶-۶۶۱) قصیدے کا مطلع ہے

تجلّی کہ ز موسیٰ ربود ہوش بطور
بہ شکل کلب علی خاں دگر نمود ظہور

"سبدِ چین" میں بھی یہ قصیدہ شامل ہے۔

۳۔ اصل خط میں یہ قرأت "ساتھ" ہے۔

۴۔ "مرقعِ غالب" میں اصل خط کے عکس میں یہ قرأت "اب کی" ہے۔ "مکاتیبِ غالب کے پہلے اڈیشن میں "اب کی" اور چھٹے اڈیشن میں "اب کے" ہے۔

ص ۱۲۰۷

۱۔ اصل خط میں یہ قرأت "رواد" ہے۔ غالب سے سہواً "د" حذف ہوگیا ہے۔

۲۔ اصل خط میں غالب نے سہواً "بھیجا جانا" نہیں لکھا۔ عرشی صاحب نے مکاتیبِ غالب کے پہلے اڈیشن میں "بھیجا جانا" نہیں لکھا۔ چھٹے اڈیشن میں اس قرأت کا اضافہ ہے۔

۳۔ غالب نے صرف ہجری تاریخ لکھی ہے۔ ۱۹ محرم کو تقویم کی رو سے جمعہ تھا۔ کاظم علی خاں کا خیال ہے کہ ہجری ۱۲۸۲ھ ہے (خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ، ص ۷۳) مجھے اُن کی اس رائے سے اتفاق نہیں ہے۔

ص ۱۲۰۸

۱۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱ "اور"۔

۲۔ غالباً نواب کلب علی خاں کو غالب کی یہ تجویز ناگوار گزری۔ انھوں نے ۱۵ جولائی ۱۸۶۵ء کو غالب کو لکھا: "استحصالِ الفاظِ خطاب دستورِ این ریاست نبودہ است"۔ (مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱ (متن) ص ۵۵۔)

ص ۱۲۰۹

۱۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱ "کے" ندارد۔

۲۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "اس"۔

ص ۱۲۱۱

۱۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "یہ" ندارد۔

۲۔ خط سے مراد "نامۂ غالب" ہے۔ غالب نے یہ خط "برہانِ قاطع" ایک معترض رحیم بیگ لکھ کر کتابچے کی شکل میں شائع کیا تھا۔

ص ۱۲۱۲

۱۔ اصل خط اور مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "الزام"۔

۲۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "کی"۔

ص

۱۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "غم"۔

ص ۱۲۱۵

۱۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "لقا"

۲۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "آوارہ"۔

۳۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "پیکر"۔

ص ۱۲۱۷

۱۔ غالب نے "قرض دار" "قرض خواہ" کے معنوں میں اکثر استعمال کیا ہے۔

ص ۱۲۱۸

۱۔ مرقعِ غالب میں اس خط کا جو عکس شائع ہوا ہے۔ اس میں تاریخِ تحریر کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ فوٹو بناتے ہوئے تاریخ کے کم سے کم دو لفظ اُڑ گئے تھے۔ پرتھوی چندر مرحوم نے کاتب سے وہ لفظ دوبارہ لکھوائے تو اُس نے "نگاشتہ" کو "نگارشتہ" کر دیا۔ "اور رواں" کو "اور داں" کر دیا۔ اور یقیناً کسی اور کاتب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ "رواں" ممکن ہے طباعت کے دوران "داں" رہ گیا ہو۔

۲۔ مولانا عرشی کا خیال ہے کہ "معتدل" کے بعد کوئی اور لفظ لکھنے سے رہ گیا۔ مجھے مولانا سے اتفاق ہے۔

ص ۱۲۱۹

۱۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶، "نگاشتۂ سہ شنبہ و رواں داشتۂ سہ شنبہ"۔

۲۔ غالب نے تاریخِ تحریر میں صرف دن لکھا تھا۔ غالب نے یہ خط ۲۹ اگست ۱۸۶۵ء سے چند روز قبل ہی لکھا ہوگا، کیوں کہ نواب کلب علی خاں نے غالب کے اس خط کا جواب ۲۹ اگست ۱۸۶۵ء کو دیا تھا۔ اس خط کا ایک حصہ عرشی صاحب نے نقل کیا ہے۔ (مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱ ص ۶۳)

۳۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "باتے"۔

ص ۱۲۲۰

۱۔ غالب نے یہ قطعۂ تاریخ ایک اور ورق پر لکھ کر اس خط کے ساتھ بھیجا تھا۔

۲۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "تصر"۔

۳۔ غالب نے یہ خط رام پور سے لکھا ہے۔ غالب کا رام پور میں قیام تھا۔ نواب کلب علی خاں دورے پر گئے ہوئے تھے۔ غالب نے ۴ نومبر ۱۸۶۵ء کے خط میں مرزا شمشاد علی بیگ رضواں کو لکھا تھا: "آج شنبہ ۴ نومبر کی ہے۔ پرسوں نواب صاحب دورے کو گئے۔ فرما گئے ہیں کہ دو ہفتے میں آؤں گا۔ اگر چار روز یہاں رہیں گے۔ پھر نمایش گاہِ بریلی کی سیر کو جائیں گے۔" (غالب کے خطوط، جلد ۲، ص ۷۸۷) بہ قولِ مولانا عرشی: "مولانا حالی مرحوم نے یادگارِ غالب (ص ۴۲، نامی پریس) میں لکھا ہے۔ چند روز بعد نواب کلب علی خاں مرحوم کا نواب لفٹنٹ گورنر سے ملنے کو بریلی جانا ہوا۔ ان کی روانگی کے وقت مرزا بھی موجود تھے۔ چلتے وقت نواب صاحب نے معمولی طور پر مرزا صاحب سے کہا "خدا کے سپرد"۔ مرزا نے کہا حضرت خدا نے تو مجھے آپ کے سپرد کیا ہے۔ آپ پھر الٹا مجھ کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔" (مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱، ص ۶۵)

ص ۱۲۲۱

۱۔ یہ مصرع جرأت دہلوی کا ہے۔ اصل مصرع ہے:

جو تم پھر آؤ تو پیارے پھریں ہمارے دن

۲۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱، "پہنچا"۔

۳۔ نواب کلب علی خاں کو نواب مصطفیٰ علی خاں شیفتہ کی زبانی مراد آباد میں غالب کی بیماری کا حال معلوم ہوا۔ انھوں نے ۱۷ شعبان ۱۲۸۲ھ مطابق ۵ جنوری ۱۸۶۶ء کو مراد آباد کے پتے پر ایک ہرکارے کے ذریعے مندرجہ ذیل خط بھیجا:

"نواب صاحب، مشفق مہربان، کرم فرمائے مخلصاں، سلمہ اللہ تعالیٰ۔

بعد اشتیاق مواصلت، وفور المسرت کہ متجاوز التحریر ہے، مشہور وضمیر مودت

تحریر کے ہو۔ زبانی نواب محمد مصطفیٰ خاں بہادر کے دریافت ہوا کہ مراد آباد میں
کچھ طبیعت آپ کی علیل ہوگئی ہے۔ یہ استماع اس امر کے باعث کمال تردد
کا ہوا۔ اس واسطے حوالہ خامۂ محبت نگار کے ہوتا ہے کہ حال خیریت مزاج
سے مطلع کیجیے اور اگر ہنوز طبیعت مائل بہ اعتدال نہ ہو اور آپ کا ارادہ
قیام مراد آباد کا تا درستی ہو تو آپ رام پور میں تشریف لائیے۔ یہاں
معالجہ بخوبی عمل میں آئے گا۔" (مکاتیبِ غالب کے پہلے اور چھٹے اڈیشنوں میں
اس خط کی بعض قرأتوں میں اختلاف ہے، میں نے اختلاف کی صورت میں چھٹے اڈیشن کو ترجیح دی
ہے۔) رضا لائبریری رام پور میں یہ خط موجود ہے، اس کے لفافے پر تحریر ہے کہ خط ہذا ہر کارہ برندہ
از مراد آباد بہ جہت تشریف فرما شدن مرزا نوشہ صاحب بہ دہلی واپس آورد ....." اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو فرمان موصول نہ ہوا۔ (مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶، ص ص ۱۵۹-۱۵۸)

ص ۱۲۲۲

۱- یہ قطعہ دراصل سفرِ کلکتہ کے بارے میں ہے۔ غالب نے کلکتے سے اپنے ایک دوست راے
بیچھ مل کو جو خط لکھا تھا، اس میں یہ قطعہ بھی نقل کیا تھا۔ اس خط میں پہلا مصرع اس
طرح تھا:

مغلوبِ سطوتِ غمِ دل غالبِ حزیں

اور تیسرے مصرعے کی یہ صورت تھی:

گو ئندہ زندہ تا بہ بنارس رسیدہ است

(پنج آہنگ (اردو ترجمہ) محمد عمر مہاجر، ص ص ۷۳-۷۲)

۲- غالب نے تاریخِ تحریر میں سنین نہیں لکھے۔ بہ قول عرشی صاحب لفافے پر "۱۰ جنوری
۱۸۶۶ء" تحریر ہے۔

ص ۱۲۲۳

۱- مکاتیبِ غالب کے پہلے اڈیشن میں یہ خط شامل نہیں ہے۔

ص ۱۲۲۵

۱- عرشی صاحب کا کہنا ہے کہ: "مرزا صاحب نے ازراہِ سہو بحرِ رمل مثمن مخبون کو، ہزج مثمن

سالم لکھ دیا ہے۔" مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶، (حواشی) ص ۱۶۲)

ص ۱۲۲۶

۱۔ مکاتیبِ غالب کے پہلے اڈیشن میں یہ خط شامل نہیں ہے۔

۲۔ بہ قولِ عرشی صاحب اصل خط میں "خدا کرے" سہواً مکرر لکھا گیا ہے۔

ص ۱۲۲۷

۱۔ مکاتیبِ غالب کے پہلے اڈیشن میں اس خط کے ساتھ ۳۱ اشعار کا ایک قطعہ بھی چھپا تھا۔ چھٹے اڈیشن میں یہ قطعہ شامل نہیں ہے۔ اس قطعے کے بارے میں عرشی صاحب نے لکھا ہے "مرزا صاحب نے آغا احمد صاحب مویدِ برہان، کے جواب میں ایک قطعہ لکھ کر مطبع اکمل المطابع دہلی میں ایک ورقا چھپوایا تھا۔ اور دس چھپی ہوئی کاپیاں نواب خلد آشیاں کو لفافے میں بند کر کے ۳۱ جولائی ۱۸۶۶ء کو روانہ کی تھیں۔ جو آج تک دارالانشا میں محفوظ ہیں۔" (مکاتیبِ غالب اڈیشن ۶، (متن) ص ص ۵۵-۵۴)

۲۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "گزرا"۔

ص ۱۲۳۰

۱۔ خط پر تاریخِ تحریر نہیں ہے۔ البتہ خط میں غالب نے لکھا ہے: "آج شنبہ ۱۰ ماہ اگست ۱۸۶۶ء کی ہے۔" تقویم کی رو سے ۱۰ اگست کو جمعہ ہے۔

ص ۱۲۳۱

۱۔ اصل خط میں "طبائی" ہے۔ جو ظاہر ہے کہ سہوِ قلم ہے۔

ص ۱۲۳۲

۱۔ نثرِ نثرہ نثار سے مراد وہ تقریظِ شرحِ قصائدِ بدر چاچی ہے، جس کا اس خط میں اوپر ذکر آیا ہے۔

۲۔ مرقعِ غالب میں اس خط کا جو عکس شائع ہوا ہے اُس میں یہ قرأت "فارسی اُردو" ہے۔ یعنی ان دو لفظوں کے درمیان "و" نہیں۔ میرا خیال ہے کہ طباعت کے دوران "و" چھپنے سے رہ گیا ہے۔ مکاتیبِ غالب کے پہلے اور چھٹے دونوں اڈیشنوں میں "و"

موجود ہے۔

۳۔ اصل خط میں "اس" ہے، جو ظاہر ہے کہ سہوِ قلم ہے۔

۴۔ مکاتیبِ غالب، پہلا اڈیشن، "کی"۔

ص ۱۲۳۳

۱۔ اصل خط میں "غزلیں" ہے، جو غالب کا سہوِ قلم ہے۔ عرشی صاحب نے مکاتیبِ غالب کے پہلے اڈیشن میں یہ قرأت "غزلیں" اور چھٹے اڈیشن میں "غزلوں" لکھ کر اس پر حاشیہ لکھا ہے۔

ص ۱۲۳۴

۱۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶، "اُن"۔

ص ۱۲۳۵

۱۔ اصل خط "کے" ندارد۔

۲۔ مکاتیبِ غالب اڈیشن ۱ "کے"۔

۳۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶، "اُن"۔

۴۔ غالب نے خط کے متن میں تاریخِ تحریر لکھی ہے۔

ص ۱۲۳۶

۱۔ یہ خط مکاتیبِ غالب کے پہلے اور چھٹے دونوں اڈیشنوں میں نہیں ہے۔

۲۔ "مرقعِ غالب" میں اس خط کا جو عکس شائع ہوا ہے اُس میں تاریخِ تحریر دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ غالب نے سہواً "شنبہ" لکھا تھا، بعد میں پرتھوی چندر مرحوم نے اسے "دوشنبہ" کر دیا ہے۔

ص ۱۲۳۷

۱۔ خط پر تاریخِ تحریر نہیں ہے۔ عرشی صاحب نے اس خط کی تاریخِ تحریر ۱۸ نومبر ۱۸۶۶ء لکھی ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ: "خط میں کاتب کا نام اور تاریخ درج نہیں تھی۔ میں نے قوسین میں لفافے کی تاریخ اضافہ کر دی ہے۔" (مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱، ص ۸۶)

ص ۱۲۳۸

۱- یہ خط "مکاتیبِ غالب" کے پہلے اڈیشن میں شائع ہونے سے رہ گیا تھا۔ چھٹے اڈیشن میں موجود ہے۔

۲- اصل خط میں یہ قرأت "ستمبر" ہے۔ میرا خیال ہے کہ فوٹو بنانے کے دوران "دسمبر" کی "د" اڑ گئی۔ پرتھوی چندر صاحب نے "سمبر" پر دو نکتے ڈال کر "ستمبر" کر دیا۔ "مکاتیبِ غالب" کے چھٹے اڈیشن میں یہ قرأت "دسمبر" ہے۔

۳- اصل خط میں "پاس سے" ہے۔ یعنی "سے" زائد ہے۔

ص ۱۲۳۹

۱- یعنی ڈانل میکلوڈ۔

۲- مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "سمجھتا"۔

ص ۱۲۴۰

۱- یہ خط مکاتیبِ غالب کے پہلے اڈیشن میں شامل نہیں ہے۔

۲- مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶، "پھر" ندارد۔

۳- خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ خط کے مضمون اور اگلے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ۳ اور ۷ جنوری کے درمیان لکھا گیا ہے۔

۴- یعنی لارڈ لارنس۔

ص ۱۲۴۱

۱- "مکاتیبِ غالب" کے پہلے اور چھٹے اڈیشنوں میں یہ خط شامل نہیں ہے۔

ص ۱۲۴۲

۱- "مکاتیبِ غالب" اڈیشن ۱ "حضرت"۔

۲- اصل خط "جاؤں"۔

۳- "مکاتیبِ غالب" کے پہلے اڈیشن میں یہ خط شامل نہیں ہے۔

۴- مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "بھجوا دیا"۔

ص ۱۲۴۳

۱۔ بہ قولِ عرشی صاحب "سو روپیہ تنخواہ"۔ یہ تین لفظ غالب سے سہواً چھوٹ گئے ہیں۔

۲۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶، "معروض"۔

۳۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۶ "ہے" ندارد۔

ص ۱۲۴۴

۱۔ اصل خط پر تاریخِ تحریر "۶ مارچ اپریل ۱۸۶۷ء" ہے۔ ظاہر ہے کہ غالب نے سہواً دونوں مہینے لکھ دیے ہیں۔ خط میں تنخواہ کی وصولیابی کی اطلاع ہے۔ مارچ کی تنخواہ کی وصولیابی کی اطلاع غالب نے "۱۳ مارچ ۱۸۶۷ء کے خط میں دے دی تھی، اس لیے یہ خط اپریل کا ہونا چاہیے۔ اصل خط کے عکس اور "مکاتیبِ غالب" کے پہلے اڈیشن میں "۶" تاریخ ہے، جبکہ مکاتیبِ غالب کے چھٹے اڈیشن میں "۱۶" تاریخ ہے۔ اس خط میں غالب نے جو قطعہ لکھا ہے اس کے بارے میں عرشی صاحب نے حاشیہ لکھا ہے: "لفافے کی پشت پر تحریر ہے: "پیش نمودہ شد۔ قطعۂ نوشتہ نزدِ مہتمم اخبار برائے طبع ... فرستادہ شود .... مطابق ۱۰ اپریل ۱۸۶۷ء"۔ (مکاتیبِ غالب اڈیشن ۶ (حواشی) ص ۱۸۳) اس لیے تاریخِ تحریر ۱۶ اپریل نہیں، ۶ اپریل ہونی چاہیے۔

ص ۱۲۴۵

۱۔ "مرقعِ غالب" میں اس خط کا جو عکس شائع ہوا ہے، اُس میں یہ قرأت "کا پیشگیے" ہے۔ میرا خیال ہے کہ فوٹو بنانے کے دوران "نما" اُڑ گیا اور بعد میں پرتھوی چندر صاحب نے "نما" کے بدلے "کا" بنوا دیا۔ جو ظاہر ہے کہ غلط ہے۔

۳۔ "اخبارِ الصنادید" میں اس نمایش کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے: "۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ء سے باغ بے نظیر میں ایک میلہ جاری کیا۔ آٹھ روز بڑی رونق سے یہ میلہ رہتا تھا۔ مال بہ کثرت آتا تھا۔ باغ میں بہت سی دکانیں ہوتی تھیں اور روہیلکھنڈ کے اکثر معزز رؤسا اس میلے میں شریک ہوا کرتے تھے۔ نواب صاحب خود بھی آٹھ روز برابر وہیں مقیم رہتے اور اکثر اوقات دوکانوں پر تشریف لے جا کر اسباب خریدتے۔ قسم قسم

کے جلسے، طرح طرح کے تماشے ہوا کرتے تھے۔ بائیس میلے نواب سید کلب علی خاں بہادر نے کیے۔ تیئسواں میلہ قریب تھا کہ رحلت کی۔ یہ میلہ ہر سال مارچ کے آخر میں مرتب کیا جاتا تھا۔ (اخبار الصنادید، جلد ۲، ص ۱۳۹) اردو ادب میں میلے کو داغ کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی۔ داغ کی محبوبہ منی بائی حجاب اسی میلے کے لیے کلکتے سے آئی تھیں۔ داغ نے مثنوی "فریادِ داغ" میں اس کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

ص ۱۲۴۶

۱۔ "مرقعِ غالب" میں اس خط کا جو عکس شائع ہوا ہے، اُس میں تاریخ تحریر ۱۴ مئی ۱۸۱۷ء ہے۔ یہ سنہ دراصل "۱۸۶۷ء" ہے۔ میرا خیال ہے کہ فوٹو بنانے کے دوران سنہ اڑ گیا تھا۔ پرتھوی چندر صاحب نے اسے دوبارہ لکھوایا۔ اس دفعہ "۶" کا ہندسہ "۱" بن گیا ہے۔

ص ۱۲۴۷

۱۔ غالب نے سہواً "سوا روپیہ" لکھا ہے۔ مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱ "روپے"۔

ص ۱۲۵۰

۱۔ غالب نے سہواً "کرتا ہے" لکھا ہے، مکاتیبِ غالب، اڈیشن ۱ "کرتا ہے"

۲۔ غالب نے خط کی تاریخِ تحریر اس طرح لکھی ہے "۲۳ جمادی الاول ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء فردائے ورودِ ہمایوں منشور" بہ قول عرشی صاحب "البتہ لفافے کی تاریخ میں ماہ و سنہ انگریزی یوں لکھا ہے: ۲۳ ستمبر ۱۸۶۷ء"

ص ۱۲۵۱

۱۔ "مکاتیبِ غالب" کے چھٹے اڈیشن میں یہ قطعہ اس طرح نقل ہوا ہے:

ہند میں اہلِ تسنن کی ہیں دو سلطنتیں
حیدر آبادِ دکن، رشکِ گلستانِ ارم
رام پور، اہلِ نظر کی ہے نظر میں وہ شہر
کہ جہاں ہشت بہشت آ کے ہوئے ہیں باہم

حیدر آباد بہت دور ہے، اس ملک کے لوگ
اس طرف کو نہیں جاتے ہیں، جو جاتے ہیں تو کم

رام پور، آج ہے وہ بقعۂ معمور کہ ہے
مرجع و مجمعِ اشرافِ نژادِ آدم

رام پور ایک بڑا باغ ہے از روئے مثال
دلکش و تازہ و شاداب و وسیع و خورم

جس طرح باغ میں ساون کی گھٹائیں برسیں
ہے اسی طور پہ یہاں دجلہ فشاں دستِ کرم

ابرِ دستِ کرمِ کلبِ علی خاں سے مدام
درِّ شہوار ہیں، جو گرتے ہیں قطرے بہم

صبح دم باغ میں آجائے جسے ہو نہ یقیں
سبزہ و برگِ گُل و لالہ پہ دیکھے شبنم

حبذا باغِ ہمایوں تقدس آثار
کہ جہاں چرنے کو آتے ہیں غزالانِ حرم

مسلکِ شرع کے ہیں راہ رو و راہ شناس
خضر بھی یہاں اگر آجائے تو لے اُن کے قدم

مدح کے بعد دعا چاہیے اور اہلِ سخن
اس کو کرتے ہیں بہت بڑھ کے بہ اغراق رقم

حق سے کیا مانگیے؟ اُن کے لیے جب ہو موجود
ملک و گنجینۂ و خیل و سپہ و کوس و علم

ہم نہ تبلیغ کے مائل، نہ غلو کے قائل
دو دعائیں ہیں کہ وہ دیتے ہیں نواب کو ہم

یا خدا غالبِ عاصی کے خداوند کو دے
دو وہ چیزیں کہ طلب گار ہے، جن کا عالم
اولاً عمرِ طبیعی بہ دوامِ اقبال
ثانیاً دولتِ دیدارِ شہنشاہِ اُمم

۲۔ تاریخِ تحریر میں غالب نے صرف ہجری تاریخ لکھی ہے۔

ص ۱۲۵۲

۱۔ ۶۳ اور ۲۱ ملا کر ۸۴ ہوئے۔ غالب کے پاس ۱۶ ابچنے چاہییں۔ غالب نے ۹ لکھے ہیں۔ عرشی صاحب لکھتے ہیں کہ اس ماہ کی تنخواہ میں سے "دبدبۂ سکندری کا ایک سال کا چندہ سوا روپیہ مجرا کیا گیا تھا۔ اس طرح غالب کے پاس ۱۴ روپے ۱۲ آنے بچنے چاہییں۔

۲۔ غالب نے تاریخِ تحریر خط کے آغازِ متن میں لکھی ہے۔

۳۔ یہ خط "مکاتیبِ غالب" کے پہلے اڈیشن میں شامل نہیں ہے۔

ص ۱۲۵۳

۱۔ غالب نے تاریخِ تحریر ہجری سنہ میں اور وہ بھی خط کے آغازِ متن میں لکھی ہے۔ تقویم کی رو سے یکم رمضان کو جمعہ ہے۔

ص ۱۲۵۴

۱۔ غالب نے صرف ہجری تاریخ لکھی ہے۔ لفافے پر بہ قول عرشی صاحب ۲۴ جنوری ۱۸۶۸ء درج ہے۔

ص ۱۲۵۵

۱۔ بہ قول عرشی صاحب غالب نے تاریخِ تحریر لفافے پر لکھی ہے۔

۲۔ خط پر بہ قول عرشی صاحب غالب نے تاریخِ تحریر اور اپنا نام دونوں درج نہیں کیے۔ لفافے پر دوشنبہ "اپریل ۱۸۶۰ء" لکھا ہے، جو درست نہیں۔ اولاً اس لیے کہ ڈاک خانے کی انگریزی مہر میں ۱۱ مئی درج ہے۔ ثانیاً اس لیے کہ عریضے میں تنخواہِ اپریل کی اطلاع دی ہے اور یہ مسلّم ہے کہ اپریل کی تنخواہ اپریل میں نہیں ملتی، مئی میں ملتی ہے۔ اس لیے اس کو

۱۱ر مئی ۱۸۶۸ء کا ہونا چاہیے۔

ص ۱۲۵۶

۱۔ عرشی صاحب کا بیان ہے کہ غالب نے سہواً "سنہ ۱۸۶۷" لکھا ہے۔ بہ قول عرشی صاحب صحیح تاریخ "۲۷ر مئی ۱۸۶۸ء" ہے۔

۲۔ عرشی صاحب نے اس خط کے بارے میں اطلاع دی ہے کہ غالب نے خود یہ خط نہیں لکھا، کسی اور سے لکھوا دیا ہے۔ لکھنے والے نے "دل جمعی" کو "دل جمی" لکھا ہے۔

۳۔ غالب نے یہ خط کسی اور سے لکھوایا تھا۔ انھوں نے بہ قول عرشی صاحب "طالب غالب" اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔

ص ۱۲۵۷

۱۔ اصل خط "ہے"۔

۲۔ غالب نے تاریخ تحریر "۲ جولائی سالِ حال" لکھی ہے۔ یہ "سنہ ۱۸۶۸" ہے، کیونکہ مفتی صدر الدین آزردہ کا انتقال "۱۸۶۸" میں ہوا تھا۔

۳۔ اصل خط "جولائی سنہ ۱۸۶۸ء"۔

ص ۱۲۵۹

۱۔ اصل خط "سو" بجائے "سود"

۲۔ مکاتیبِ غالب "حسین علی خاں"، "خاں" زائد۔

Scholars have considered the present research work on Ghalib's letters, the most systematic, scientific and comprehensive so far without detracting from the valuable work done by the earlier researchers.

(Yogendra Bali, Times of India, New Delhi, 2nd July 1984)

Dr. Khaliq Anjum's work is a work with a difference and the first of its kind in the sub-continent......To say the least "Ghalib ke khatoot" edited by Khaliq Anjum is an encyclopaedia of Ghalib.

(Prof. Jagan Nath Azad, Kashmir Times, Srinagar, July 3, 1984)

All lovers of art and letters owe a debt to Dr. Anjum for his painstaking work which he completed after years of research in India and abroad. It brings Ghalib alive to us and we see the poet as he really was—all agog with the excitement of everyday things which he transformed into momentous events.

(Statesman, New Delhi, July 30, 1984)

ڈاکٹر خلیق انجم نے برسوں کی محنت کے بعد تمام دستیاب خطوط کو چار جلدوں میں یکجا کر دیا ہے' اُن کی تاریخ متعین کرنے کی کوشش کی ہے' خطوط کے مالہٗ و ماعلیہ کے بارے میں تفصیلی حواشی قلمبند کیے ہیں' جہاں اصلی خط مہیا ہو گیا ہے' اس کا عکس شائع کر دیا ہے۔

غرض ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں خطوطِ غالب کا' ممکنہ حد تک' ایک مکمل مجموعہ دستیاب ہو جائے گا۔ اس کے لیے ڈاکٹر خلیق انجم اُردو دُنیا کے شکریے کے مستحق ہیں۔ (مالک رام)

"غالب کے خطوط" کی پہلی جلد اب چھپ کر سامنے آئی ہے جس کو دیکھ کر جی خوش ہو جاتا ہے اور آنکھوں کی روشنی بڑھ جاتی ہے۔ میں پوری ذمّہ داری کے ساتھ یہ بات لکھ رہا ہوں کہ خلیق انجم صاحب نے بہت دل لگا کر' اور نظر جما کر اس کام کو انجام دیا ہے۔ انھوں نے بہت صبر و تحمل کے ساتھ کئی سال صرف کیے متن کی تصحیح پر' اور بہت سا وقت خرچ کیا متن سے متعلق حواشی لکھنے پر' انھوں نے ضروری مصادر اور مآخذ کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ یہ قیاس نہیں' میں یہ بات ذاتی معلومات کی بنا پر لکھ رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ انھوں نے تلاش و جستجو کا حق ادا کرنے کی ایماندارانہ کوشش کی ہے اور جدید اصولِ تدوین کی روشنی میں متن کو مرتب کیا ہے۔

میں خلیق انجم صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُن کی اس کتاب سے جہاں غالب شناسی کے ذخیرے میں اہم اضافہ ہو گا' وہاں غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دلی کی فہرستِ مطبوعات میں ایک ایسی کتاب کا اضافہ ہو گا جسے صحیح معنوں میں اہم کتاب کہا جا سکے گا۔ ایسی اہم کتاب جس کا مطالعہ ہر غالب شناس کے لیے ازبس ضروری ہے۔ (رشید حسن خاں)

"اپنی نوعیت کے عظیم تحقیقی کارنامے کی ترتیب پر ڈاکٹر خلیق انجم اور اُس کی اشاعت پر غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی ہر طرح مبارکباد کی مستحق ہے۔ "غالب کے خطوط" غالبیات میں ایک اہم اضافہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ غالب شناس اِس کتاب کی وہ قدر کریں گے جس کی یہ مستحق ہے۔" (پروفیسر مختار الدین احمد)

ڈاکٹر خلیق انجم نے برسوں محنت اور دیدہ ریزی کے بعد خطوطِ غالب کو چار جلدوں میں فراہم کیا ہے۔ غالبیات میں انھوں نے اب تک جو کام کیے تھے وہ بھی اُن کی نامروری کے لیے کافی تھے' لیکن اس کارنامے نے انھیں غالب شناسوں کی صفِ اوّل تک پہنچا دیا ہے۔

(ڈاکٹر نثار احمد فاروقی)

غالبیات کے تقریباً تمام گوشوں پر ڈاکٹر خلیق انجم کی نظر ہے۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں برصغیر سے باہر برطانیہ میں بھی انھوں نے اردو کے علمی ذخیروں کو اچھی طرح دیکھا بھالا ہے۔ بلاشبہ اس علمی کام کے لیے ڈاکٹر خلیق انجم پوری اُردو دُنیا کے شکریے کے مستحق ہیں۔ (پروفیسر گوپی چند نارنگ)